الناصر

اندلس کے "قصرِ زہرا" کی ایک حسین و جمیل کہانی

جرجی زیدان کے ایک تاریخی ناول کا ترجمہ

JAF & CO.
Plot # 43/4 O-2, Block-6,
PECHS, Near Jheel Park
Karachi

رئیس احمد جعفری

شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز
لاہور ـــــ حیدرآباد ـــــ کراچی

جملہ حقوق محفوظ

طابع ———— شیخ نیاز احمد
مطبع ———— غلام علی پبلشرز۔ لاہور
اشاعت ———— ۱۹۷۱ء
قیمت ———— ۱۲/۵۰ روپے

15/2

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ۔ چوک انارکلی۔ لاہور

"ایک روز قبرستان کے ایک سنگِ مزار پر میں نے لکھا دیکھا
محبت کی بیماری کا علاج بھی ہے کوئی ؟"

میں نے وہیں لکھ دیا،
"صرف صبر" !

دوسرے روز میں پھر اُدھر سے گذرا، لکھا تھا،
اور اگر صبر ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے ؟

میں نے لکھ دیا،
"پھر موت سے بہتر علاج کوئی نہیں" !

تیسرے روز میں پھر ادھر سے گذرا ایک نئی قبر کے سنگِ مرمر پر لکھا تھا،
"اے ناصح میں نے تیری نصیحت مان لی، صبر نہ کر سکا، لہٰذا جان سے ہاتھ دھوتا ہوں" !

میں نے قبر پر فاتحہ پڑھا اور آہِ سرد کھینچ کر واپس آ گیا،

جرجی زیدان عربی زبان کا مشہور اور یکتا ناول نویس تھا اسلامی روایات اور تاریخ سے گہرا شغف تھا، اس نے جتنے ناول لکھے، سب اسلامی تاریخ کے کسی نہ کسی واقعہ سے متعلق تھے۔ عربی دُنیا نے اس کے ناولوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا، ایک ایک ناول کے درجنوں ایڈیشن اب تک طبع ہو چکے ہیں۔

لیکن جرجی زیدان میں ایک نقص بھی تھا!

وہ بڑا متعصّب عیسائی اور بڑا سخت "عرب" تھا، اپنی عربیت پر اپنے مذہب کو قربان کر دیتا تھا، لیکن جب عربیت کا سوال درمیان میں نہ ہو تو وہ اسلام پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکتا تھا، اپنے ناولوں میں وہ بڑی لطیف چٹکیاں لیتا ہے، طنز بھی کرتا ہے، یہ باتیں "بر سبیلِ تذکرہ" ہوتی ہیں، اس لئے کہ ان کا تاریخ یا واقعات و حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

میں نے ترجمہ میں ایسی لغو باتیں دُور کر دیں، عبارت بڑی حد تک بدل دی، پلاٹ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی، لیکن اندازِ بیان اپنا رکھا، جہاں کہیں اس کی غلطی محسوس کی اُسے درست کر دیا۔ اب ایک بالکل نئے روپ میں قارئین کے سامنے اسے پیش کر رہا ہوں،!

رئیس احمد جعفری

(۱)

قرطبہ

یہ وہ زمانہ ہے کہ اندلس بنو اُمیہ کے زیرِ نگین ہے، ان کی وہ حکومت مٹ گئی جو دمشق میں تھی لیکن ایک دُور دراز علاقہ — اسپین — میں اُنھوں نے بخت و اتفاق کے ہاتھوں ایک اور شاندار اور باجبروت حکومت قائم کرلی، یہ وہ حکومت تھی جس کے نام سے یورپ کے بڑے بڑے سلاطین، ڈیوک اور نائٹ بہادر اور سورما لرزتے تھے، جس نے ایک مختصر سی مدت میں اپنی تہذیب و حضارت، تمدّن اور معاشرت، دین اور مذہب کا ایسا گہرا نقش، اہلِ اندلس کے دلوں پر بٹھا دیا تھا کہ بغیر کسی جبر اور جور کے وہ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے اور یورپ میں بھی ان کے علوم و فنون کی سرپرستی نے تحقیق اور تدقیق کا ایک نیا دور شروع کر دیا تھا۔ جس زمانہ میں مسلمان اندلس میں نئے نئے فنون ایجاد کر رہے تھے، علوم کی نئی نئی راہیں پیدا کر رہے تھے، تحقیق کے نئے نئے زاویے اور گوشے ان کے باعث نظروں کے سامنے آ رہے تھے، علم الارض اور علم الفلک سے وہ دنیا کو روشناس کر رہے تھے، عین اسی زمانہ میں یورپ پر جہالت کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی، وہ علم کا حاصل کرنا کفر سمجھ رہا تھا اور تحقیق و تدقیق اس کے مذہب میں حرام تھی، تنگ دلی، تعصب اور ناروا داری اس کی سرشت بن چکی تھی۔ کلیسا کو اس نے

اپنی زندگی کا مالک و مختار بنا دیا تھا۔ اور اس مالک و مختار نے اس کے اخلاق، ناموس، عزت، آبرو ہر چیز کو غارت کر کے رکھ دیا تھا، اندلس میں مسلمانوں نے جس آفتاب کو چمکایا، اس کی روشنی اگرچہ یورپ تک پہنچ رہی تھی لیکن اسے روکنے اور ڈھانپنے کی بھی پوری کوششیں کی جا رہی تھیں۔

دریائے وادی الکبیر کے شمال میں ایک دلآویز اور نظر فریب شہر قرطبہ آباد تھا۔ یہ اندلس کی اسلامی حکومت کا دار السلطنت تھا۔

جس زمانہ کی ہم کہانی بیان کر رہے ہیں۔ یہ امیر المومنین خلیفہ عبد الرحمٰن الناصر کا زمانہ ہے۔ قرطبہ میں علم و فضل کے جو دیے روشن تھے، ان کی روشنی، اطراف و جوانب تک پہنچ رہی تھی، عبد الرحمٰن الناصر، عجیب و غریب، یگانہ اور منفرد شخصیت کا حامل تھا۔ اس نے تقریباً پچاس سال تک یعنی ۳۰۰ھ سے ۳۵۰ھ تک آن بان اور شان کے ساتھ حکومت کی، اندلس کی حکومت کو خلافت کا رنگ اسی نے دیا۔ اُس نے بادشاہت کا تاج اُتار پھینکا اور خلافت کا عمامہ سر پر رکھ لیا۔

عبد الرحمٰن الناصر کے شاندار اور ناقابلِ فراموش یادگار، دورِ حکومت کا ابتدائی زمانہ طرح طرح کے فسادات فتنہ و ہنگامہ، شورش اور بدامنی، بغاوت اور سرکشی کا زمانہ تھا۔ کہیں عرب اور بربر کی کشمکش اور آویزش تھی، کہیں مختلف قوموں کی باہمی رنجشیں اور یلغاریں تھیں۔ جنہوں نے اُندلس کے امن و امان کو درہم برہم کر رکھا تھا۔ اُندلس پر اگرچہ مسلمان حکمران تھے۔ لیکن یہاں کی غالب ترین آبادی بہرحال عیسائی تھی۔ عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ جبر نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ روادارانہ برتاؤ کیا۔ انہیں وہ تمام سہولتیں دیں۔ جو مسلمانوں کو حاصل تھیں۔ انہیں بڑے

بڑے مناصب پر فائز کیا ان کی املاک وجائیداد پر دستِ تصرّف دراز نہیں کیا، ان کی جاگیروں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ان کے کاروبار میں مداخلت نہیں کی۔ مذہبی معاملات میں انہیں مکمل آزادیاں دے دیں۔ کلیسا کی کارروائیوں میں اُنہوں نے کبھی رکاوٹ نہیں ڈالی۔ پھر بھی عیسائی ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیں اور اگر مسلم حکومت کی دریا دلی، رواداری اور اچھے برتاؤ سے متاثر ہو کر وہ پُرامن زندگی بسر کرنے لگتے تھے، تو باہر کے عیسائی فرمانروا اور بادشاہ اپنے آوردوں اور جاسوسوں کو بھیج کر اُنہیں اُکساتے تھے اور شورش و بغاوت پر آمادہ کر دیتے تھے، سب سے بڑی شکایت عیسائیوں کو مُسلم حکومت سے یہ تھی کہ اس نے یہودیوں کو بھی وہ مساوات حقوق کیوں عطا کی جو عیسائیوں کو دی تھی۔

بات یہ تھی کہ مسلمانوں نے جب اُندلس کی سرزمین پر قبضہ کیا تو یہاں کی حالت عجیب تھی۔ یہودی غلاموں سے بدتر زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے پاس دولت تھی، تجارت تھی۔ جائیدادیں تھیں۔ باغات تھے، کاروبار تھا، لیکن وہ گدھے اور سور سے زیادہ حقیر و ذلیل سمجھے جاتے تھے۔ بغیر کسی معقول وجہ کے صرف یہودی ہونے کے جُرم میں اُن کی دوکانیں لوٹ لی جاتی تھیں۔ اُن کی جائیداد چھین لی جاتی تھی، انہیں آزادانہ اور بیباکانہ طور پر عبادت تک کی اجازت نہ تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی دوشیزہ اور پری پیکر بیٹیاں، بیویاں اور بہنیں چھین لی جاتی تھیں، اور وہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ کوئی نہ تھا جو ان کی فریاد سُنتا، کوئی نہ تھا جو ان کی دادرسی کرتا۔

حاکم اور فرماں روا کی حیثیت سے مسلمان جب اندلس میں داخل ہوئے تو اُنہوں نے جس طرح عیسائیوں کو مذہبی آزادی دی اور شہری حقوق عطا کئے، بالکل اسی طرح یہودیوں کے

ساتھ بھی اُنہوں نے منصفانہ اور شریفانہ برتاؤ رکھا۔ اُنہیں وہ تمام حقوق دے دیئے جو عیسائیوں کو حاصل تھے یہ بات عیسائیوں کو ناگوار گذری۔ کل تک جنہیں وہ غلام سمجھ رہے تھے۔ آج وہ ان کے برابر تھے اور انہیں اپنے برابر دیکھ کر ان کے دِل میں ہوک سی اُٹھتی تھی کہ یا الٰہی یہ کیا ہو رہا ہے؟

عبدالرحمٰن الناصر کو اپنی حکومت کے آغاز میں کئی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا، مقامی عیسائیوں کی شورشیں اور بغاوتیں بیرونی عیسائی بادشاہوں کی دراندازیاں، لیکن چونکہ عزیمت اور استقامت اس کی سرشت تھی اس لئے بہت جلد وہ ان دشواریوں پر غالب آ گیا۔ اس نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، عیسائی سلاطین کو ذِلت بخش اور یادگار شکست دی اور اندرونِ مملکت کے شورش پسندوں اور فتنہ طرازوں کا سر کچلا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی دھاک بیٹھ گئی اور اس کے نام سے ایک طرف یورپ کے سلاطین و ملوک کانپنے لگے دوسری طرف غیر مسلم رعایا نے یہ یقین کر لیا کہ عافیت کی نعمت صرف امن وامان کے ساتھ رہنے ہی میں حاصل ہو سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی سرگرمیاں اگر یکسر بند نہیں کیں تو بڑی حد تک معطل ضرور کر دیں، عبدالرحمٰن کے دبدبہ اور شوکت کا بہت جلد یہ حال ہو گیا کہ فرانس، رُوس، انگلستان اور دوسرے یورپین ممالک کی طرف سے سفیروں کا تانتا لگ گیا، یہ سفیر ادب واحترام کے ساتھ خلیفہ کے حضور میں گراں بہا اور بیش قیمت تحفے اور ہدیے پیش کرتے تھے اور فخر کے ساتھ دوستی اور اخلاص کا اظہار کرتے تھے۔

عبدالرحمٰن الناصر کے دورِ حکومت میں عالمِ اسلام کے اندر تین خلافتیں بیک وقت موجود تھیں۔

پہلی خلافت بنو عباس کی تھی جس کا مرکز بغداد تھا اور جہاں عباسی پرچم لہرا رہا تھا،

اور عباسی خلفا کا خطبہ پڑھا جا رہا تھا۔

دوسری خلافت عبیدیین کی تھی، اس کا مرکز قاہرہ تھا اور یہاں فاطمی خلافت قائم تھی، اس خلافت کا دینی مسلک امامیہ تھی۔ یعنی یہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کو اور اہلِ بیت اطہار کو امام مانتے تھے اور شیعہ کہلاتے تھے۔

تیسری خلافت بنواُمیہ کی تھی جسے عبدالرحمٰن الناصر نے اندلس میں قائم کیا تھا اس کا مرکز قرطبہ تھا، یہ علاقہ اتنا دُور دست تھا کہ نہ عباسیوں سے کوئی خطرہ تھا نہ فاطمیوں سے چنانچہ ابتدائی مشکلات پر غالب آنے کے بعد عبدالرحمٰن نے اندلس کو ایک ایسا خطہ بنا دیا جو کہ

دامانِ باغبان و کفِ گل فروش تھا!

اور اندلس کا دل قرطبہ تھا۔ اس کی گھنی اور غیر معمولی آبادی، اس کی دیدہ زیب، نظر فریب، شاندار اور بلند و بالا عمارتیں۔ محلات، ایوان اور ڈیوڑھیاں، اس کی مصفا اور ہموار سڑکیں، اس کے پُررونق کوچہ و بازار، اس کے نظر میں کھُب جانے اور دل میں اُتر جانے والے مناظر۔ اس کی دُنیا و مافیہا سے بے خبر کر دینے والی نزہت گاہیں اور تفریح گاہیں یہ ایسی چیزیں تھیں کہ جو دیکھتا تھا، ہکّا بکّا رہ جاتا تھا، جو غیر ملکی ان چیزوں کا نظارہ کرتا تھا وہ حیران و ششدر رہ جاتا تھا ـــ" ایک بار دیکھا ہے، دوبارہ دیکھنے کی ہے ہوس لگا ہوں کو! قرطبہ صرف اندلس ہی کا نہیں صرف یورپ ہی کا نہیں، دُنیا کا بہترین شہر تھا۔ جو وہاں پہنچ جاتا تھا۔ اس کے گُن گانے لگتا تھا، اور اس کی افسانہ خوانی اور مدحت طرازی میں دقف ہو جاتا تھا، اور یہ سب کچھ کرشمہ تھا صرف ایک شخص ـــ عبدالرحمٰن الناصر ـــ کی تخلیقی قوتوں اور صلاحیتوں کا!

اور خلیفہ الناصر کا محل تو اپنے وقت میں دنیا کا سب سے بڑا عجوبہ تھا!

اس محل کے اندر سوا چار سو سے زیادہ عالیشان اور شاندار مکانات تھے جو ہر طرح کے شیشہ آلات اور ساز و سامان سے لیس رہتے تھے، ان مکانات میں سے ہر ایک بجائے خود ایک پُر شکوہ محل تھا، مضبوط، مستحکم اور خوبصورت، دیواروں کی پچی کاری اور گوناگوں نقش و نگار نے شانِ دلربائی میں اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے لیکن بے انتہا جاذب توجہ اور نظر فروز باغیچوں نے ایک سماں سا پیدا کر دیا تھا، پھر ان باغیچوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی اور ننھی ننھی نہریں، خوبصورت اور قیمتی پتھروں کے بنے ہوئے حوض، ان کے اندر فواروں سے اس طرح پانی گر رہا تھا، جیسے موتیوں کے جھالر لگے ہوئے درخت نصب ہیں۔ پانی پہاڑ سے سیسہ کی نالیوں کے ذریعہ آتا تھا، اور نہر، حوض اور فوارے اس سے لبالب رہتے تھے، ان حوضوں اور نہروں کے کنارے کو سونے چاندی کی رنگا رنگ تصویروں سے مزین کیا گیا تھا۔ پانی جب گرتا تھا تو آبشار کا سماں پیدا ہو جاتا تھا۔

اور قرطبہ کی مسجد؟

وہ تو اپنا جواب نہیں رکھتی، وسعت، استحکام۔ خوشنمائی اور گراں مائگی میں سارے عالم اسلام کے اندر انتخاب اور لاجواب، یہ مسجد فتح اندلس کے بعد ہی بن گئی تھی۔ مختلف بادشاہ اس میں توسیع اور اس کی زیبائش میں اضافہ کرتے رہے، عبدالرحمٰن الناصر کے زمانہ میں اس کا طول ایک سو پچیس گز اور عرض دو سو پانچ گز تک پہنچ گیا۔ اس کا ماذنہ، یعنی اذان دینے کا مینار خاص طور پر کشش انگیز تھا، یہ چون (۵۴) گز اونچا تھا

اس کا طول و عرض علی الترتیب ۷۲۰ اور ۸۹ گز تھا۔

قرطبہ کی ایک اور شان دار اور یادگار چیز جو تھی وہ قصر زہرا کی عمارت تھی! عبدالرحمٰن الناصر کی ایک نہایت حسین و جمیل باندی تھی، جس کا نام زہرا تھا خلیفہ اُسے بہت چاہتا تھا، اس کی اقامت کے لئے اس نے ایک جداگانہ محل تیار کرایا اور اس کا نام اسی باندی کے نام پر قصرِ زہرا رکھ دیا، یہ قرطبہ سے چار میل کے فاصلہ پر واقع تھا، اس کا طول ۲۷۰۰ گز اور عرض ۱۵۰۰ گز تھا، یہ محل چار ہزار تین سو سنگی ستونوں پر قائم تھا جو افریقہ روم اور تیونس سے خاص اسی مقصد کے لئے منگائے گئے تھے۔ بہت سے منقش اور رنگین خوبصورت پتھر قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ نے ناصر کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے کے لئے تحفہ اور ہدیہ کے طور پر بھیجے تھے، چمن بندی اتنے سلیقہ سے کی گئی تھی اور درخت ایسی ترتیب سے لگائے گئے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا، کسی بہت بڑے فن کار نے چابکدستی اور ہنرمندی کے ساتھ یہ سارا کام انجام دیا ہے۔ اس قصر میں ایک نازک اور خوبصورت مسجد بھی تھی، جہاں خلیفہ فرائض پنجگانہ ادا کیا کرتا تھا۔

محل کی نہروں میں رنگ برنگ کی مچھلیاں تیرتی رہتی تھیں، وسط میں ایک وسیع و عریض حوض تھا، جس میں میناکاری اور سونے کا ایک ایسا دلآویز کام تھا، جسے دیکھ کر آنکھیں چکاچوند ہو جاتی تھیں، پرندوں اور جانوروں مثلاً ہاتھی، شیر، ہرن، چیل، مور، عقاب، کبوتر وغیرہ کی متعدد جڑاؤ اور سنہری تصویریں تھیں، ان تصویروں کے منہ سے پانی کے قطرے موتی کی طرح گرتے تھے۔ اس سے منظر کی دلربائی اور بڑھ گئی تھی۔

اس محل کی تعمیر پر دو کروڑ اشرفیاں صرف ہوئی تھیں![1]

---

[1] قصرِ زہرا کی جو تفصیل مذکورہ بالا سطروں میں بتائی گئی ہے اس کا ایک ایک حرف صحیح ہے تمام متداول تاریخی کتابوں میں جو تفصیلات اس محل کی درج ہیں یہ صرف ان کا خلاصہ ہے۔

(۲)

لائبریری!

خلیفہ عبدالرحمٰن ناصر، جہاں ایک باجبروت وجلال بادشاہ تھا۔ وہاں وہ نہایت علم دوست بھی تھا، اس نے علم کی سرپرستی کو اپنا شعار بنا لیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد قرطبہ علوم وفنون کا مخزن اور علما وفضلا کا معدن بن گیا۔ کتابیں خریدنا اور کتب خانے قائم کرنا وقت کا فیشن بن گیا۔ اس لیے کہ خود خلیفہ کتابوں کے خریدنے کا بڑا شائق تھا۔ اور اس کا خزانہ لاجواب اور بے نظیر کتابوں کا سب سے اچھا ذخیرہ تھا! لوگوں نے بہت سی لائبریریاں قائم کر رکھی تھیں۔ جہاں لوگ آتے تھے اور مطالعہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔!

اس قسم کے کتب خانوں میں ایک کتب خانہ سعید کا تھا۔ اس کتب خانہ میں جملہ علوم وفنون پر بہترین کتابیں موجود تھیں۔ سعید کے حسن اخلاق نے اس کتب خانے کی ہر دلعزیزی اور رونق میں بڑا اضافہ کر دیا تھا۔ مطالعہ کرنے والوں اور تحقیق کا کام کرنے والوں کے لیئے یہاں ہر طرح کی سہولتیں حاصل تھیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر زرکار مسندیں بچھی تھیں، ان پر گاؤ تکیے لگے تھے، پاس ہی قلم دوات اور سادہ کاغذ کے دستے رکھے تھے کہ اگر کچھ لکھنا ہو یا نوٹ لینا ہو تو آسانی کے ساتھ یہ کام بھی انجام دیا جا سکے۔ سعید کا خادم جوہر اس کتب خانے کی رکھوالی کرتا تھا۔ اور آئندو روند کی خاطر مدارات میں لگا رہتا تھا۔ ہر روز صبح سے شام تک کتب خانے میں آنے جانے

والوں کا تانتا سا لگا رہتا تھا۔ لیکن آج کافی دن چڑھ گیا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ آخر جوہر نے اپنے آقا سعید کو مخاطب کیا اور کہا۔

جوہر:۔ میرے آقا سمجھ میں نہیں آتا آج اتنا سناٹا کیوں چھایا ہوا ہے۔

سعید:۔ تمہیں نہیں معلوم؟ —— ارے بے وقوف آج بادشاہِ روم، شاہ قسطنطین کے قاصد آرہے ہیں سارا شہر تو ان کے دیدار کے لئے ٹوٹا پڑ رہا ہے۔

جوہر:۔ اچھا یہ بات ہے۔ لیکن یہ لوگ کیوں آئے ہیں آخر؟

سعید:۔ کیوں آئے ہیں؟ بادشاہوں کے قاصد اور سفیر بادشاہوں کے پاس آیا ہی کرتے ہیں، اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

جوہر:۔ یہ تو ٹھیک ہے، لیکن یہ لوگ کیوں آتے ہیں؟

سعید:۔ میں کیا جانوں؟

جوہر:۔ جب ساری خلقت ان کے نظارہ کو ٹوٹ پڑتی ہے تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ خود خلیفہ نے بھی ان کی آمد کو اہمیت دی ورنہ لوگوں کو استقبال میں شریک ہونے کی اجازت کیوں دی جاتی!

سعید:۔ ہاں یہ بات تو ہے، —— ہمارے خلیفہ کو جب رُوم کے سفیروں کے آنے کی خبر ملی تو انہوں نے شہر کے تمام باشندوں کو اجازت دے دی کہ وہ استقبال میں حصہ لیں، خود اپنے کئی مصاحبوں اور ندیموں کو بھی استقبال کے لیے بھیجا۔ فوج کا ایک دستہ بھی بڑے جاہ و جلال کے ساتھ شریکِ استقبال ہونے گیا ہے۔ لوگوں کو نئی چیزوں سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہی ہے، وہ بھی ٹوٹ پڑے کہ دیکھیں کون لوگ ہیں، اور کیسے ہیں؟ —— لوگ وہاں جاکر یہ منظر دیکھتے، یا کتب خانہ

میں آکر کتابیں پڑھتے ؟

جوہر :- میں سمجھ گیا، لیکن یہ تو بتایئے، یہ سفیر کیوں آئے ہیں؟

سعید :- پھر وہی احمقانہ بات، یہ ہیں کیا جانوں کیوں آئے ہیں؟ تم دیکھنا چاہتے ہو تو بتاؤ۔

جوہر :- جی ہاں دیکھنے کو جی تو چاہتا ہے !

سعید :- لیکن تم نہیں جا سکتے !

جوہر :- یہ کیوں؟

سعید :- خلیفہ کے حکم سے یہ سفرا، شہر پناہ کے باہر ٹھہرائے گئے ہیں۔ ولی عہدِ سلطنت کو ان کی حفاظت پر متعین کیا گیا ہے اور حکم دے دیا گیا ہے کہ کوئی غیر آدمی نہ آنے پائے، نہ اُسے ملنے دیا جائے۔

جوہر :- یہ کیوں؟

سعید :- حکومت کی مصلحت! —— ہم تم ان باتوں کو کیا سمجھ سکتے ہیں!

جوہر :- دیکھئے کوئی آ رہا ہے وہ؟

سعید :- ہاں —— فقیہ عبدالبر تشریف لا رہے ہیں۔ تم جلدی سے پڑھنے لکھنے کا سامان ٹھیک ٹھاک کر دو، وہ الگ کمرہ میں بیٹھتے ہیں، وہاں ہر چیز سلیقہ سے رکھ دو!

اتنے میں فقیہ عبدالبر تشریف لے آئے۔ یہ بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے ولی عہد کے اُستاد اور اتالیق، پھر ولیعہد کو تمام فنون میں طاق کرنے کے بعد اس کے بھائی، عبداللہ کے اتالیق اور استاد بن گئے عبداللہ مزاج کے لحاظ سے بڑا علم دوست

اور علما پرور تھا، اسے عالموں اور ادیبوں کی صحبت میں بڑا لطف آتا تھا، وہ ان سے عقیدت اور اُنس رکھتا تھا، اپنے فرصت کے لمحات انہی کی مجلسوں میں صرف کیا کرتا تھا۔

سعید کا کتب خانہ، علم دوست اصحاب کا مرجع اور مرکز بنا ہوا تھا۔ شہر کے علمی اور ادبی اصحاب کا بڑا حصہ اسی کتب خانے سے مستفید ہوا کرتا تھا، علامہ ابن عبد البر بھی تقریباً روزانہ یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ قرطبہ کے علم و ہنر اور فضل و کمال کا ڈنکا ساری دُنیا میں بج رہا تھا۔ عبد الرحمٰن خود بھی بڑا علم دوست تاجدار تھا، علما، اور فضلا کی قدر و منزلت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا تھا، اللہ نے اسے جو اولاد دی تھی وہ بھی اس معاملہ میں باپ کی مقلد تھی۔ خاص طور پر ولی عہدِ سلطنت اور اس کا بھائی عبد اللہ یہ دونوں بھائی گہرا علمی ذوق رکھتے تھے۔

سعید ابن عبد البر کی آؤ بھگت زیادہ تر اس وجہ سے کرتا تھا کہ علامہ عبد البر خلیفہ ولی عہد اور خاندانِ خلافت میں بڑی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور چونکہ یہ سارا خاندان کتابوں کا شوقین تھا اور جس کتاب کی علامہ تعریف کر دیں وہ ضرور خریدی جاتی تھی اور سعید ہی کے کتب خانہ سے خریدی جاتی تھی، لہٰذا اسے علامہ کی وجہ سے مالی منفعت بھی بہت زیادہ ہوتی تھی، علامہ کی یہ نوازش سعید پر صرف خلوص کی بنا پر تھی۔ انہوں نے تو اس نیت سے اُسے فائدہ نہیں پہنچایا کہ خود کچھ حاصل کریں، ان کی اس شرافت سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے میں سعید کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتا تھا۔ اس وقت علامہ کچھ پریشان اور متفکر سے نظر آ رہے تھے۔ سعید نے سرو قد کھڑے ہو کر تعظیم کی رسم انجام دی۔ بڑے تپاک اور خوش اخلاقی سے مصافحہ کیا اور اُنہیں مسند

پر بٹھا کر شکایت آمیز لہجہ میں گویا ہوا۔

سعید:۔ آپ کو آج تشریف لانے میں بہت دیر ہو گئی۔

ابن البر:۔ ہاں کچھ دیر تو ہو گئی۔

سعید:۔ شاید آپ بھی سفرا کا جلوس دیکھنے تشریف لے گئے تھے؟

ابن البر:۔ نہیں میں وہاں نہیں گیا — کیا ہمارے پاس جاحظ کی کتاب البیان ہے؟

سعید:۔ جی ہے — میں سمجھ گیا۔ شاید آپ سپاسنامہ کا مضمون تیار کر رہے ہیں؟

علّامہ نے اس کا جواب صرف تبسم سے دیا! سعید دوڑا دوڑا گیا اور الماری سے خود ہی کتاب نکال لایا اور علّامہ کے سامنے پیش کر دی۔ علّامہ نے کتاب لے کر اس کے ورق اُلٹے پلٹے، پھر کہا۔

ابن عبدالبر:۔ یوں تو اس کتاب کے کئی نسخے خلیفہ اور ولی عہد کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ لیکن وہاں جی نہ لگا، یہاں چلا آیا!

سعید:۔ یہ میری خوش قسمتی ہے، یہ آپ کی بندہ پروری ہے!

علّامہ کتاب کے مطالعہ میں محو ہو گئے اور سعید خاموشی کے ساتھ اپنے کمرہ میں جا کر بیٹھ گیا اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ بڑی دیر اسی طرح گذر گئی، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہونے لگا۔ دفعتہً سعید نے محسوس کیا، کوئی آیا ہے۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا، تو جوہر گھبرایا ہوا اور سہما ہوا کھڑا تھا۔ سعید نے پوچھا،

"کیا بات ہے؟"

اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا،

"خلیفہ کا چوب دار یا سر ——"

---

(۳)

خلیفہ کا ندیم

یاسر خلیفہ کا چوب دار ہی نہیں، منہ چڑھا خادم اور ندیم بھی تھا، اگر کسی مہمان کی خاطر تواضع کا خاص اہتمام خلیفہ کو منظور ہوتا تو یاسر اس کی پیشوائی اور مدارات کے لیے بھیجا جاتا وہ شاہی محل میں مختار اور چودھری کی حیثیت رکھتا تھا۔ محل کا کوئی راز اس سے پوشیدہ نہیں تھا بلکہ وہ محل کے رہنے والوں کا عام طور پر اور خلیفہ کا خاص طور پر محرم اسرار تھا۔ وہ ایک کشیدہ قامت نوجوان تھا گورا رنگ، اندر کو دھنسی ہوئی نیلگوں آنکھیں، چوڑے رخسار، چہرے پر بال ندارد۔ سعید نے جب اسے آتے دیکھا تو بے تابانہ اس کے استقبال کو اٹھا، اگرچہ اُسے دل ہی دل میں حیرت ضرور تھی کہ خلیفہ کے دونوں معتمد ندیم یاسر اور تمام مہمانوں کی پیشوائی کے لیے گئے ہوئے تھے، لیکن یہ کہاں سے ٹپک پڑا؟ لیکن یہ بات زبان پر نہ لایا، تپاک اور گرم جوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد اُس نے کہا۔

سعید:۔ کہیئے، آپ ادھر کیسے تشریف لے آئے اس وقت؟

یاسر:۔ آگیا، —— یونہی کچھ کام تھا!

سعید:۔ تو بسم اللہ تشریف لائیے۔!

یہ کہہ کر سعید نے یاسر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اور ایک دوسرے کمرہ میں لے جا کر اُسے مسند پر بٹھایا، یاسر چپ چاپ بیٹھ گیا، لیکن سعید محسوس کر رہا تھا آج کچھ دال

ہیں کا لا حزور رہے ، نہ یاسر کے چہرے پر وہ شگفتگی ہے جو کبھی اس سے دُور نہیں ہوتی تھی ، نہ وہ تبسم ہے ، جو ہر وقت ہونٹوں پر کھیلتا رہتا تھا ۔ نہ وہ زندہ دلی اور خوش طبعی ہے ، جس کا مظاہرہ ہر ملاقات میں کیا کرتا تھا ۔ بلکہ ان باتوں کے بجائے ایک افسردگی سی طاری ہے اس پر ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کسی کی تلاش میں ہو ۔ سعید نے قفلِ خاموشی توڑتے ہوئے دوستانہ لہجہ میں کہا ۔

سعید :۔ اگر کسی کتاب کی ضرورت ہو تو حاضر کردی جائے ،

یاسر :۔ نہیں مجھے کتاب نہیں چاہیئے !

سعید :۔ قلم ، دوات ، کاغذ ؟

یاسر :۔ یہ بھی نہیں —— ہاں یہ تو بتاؤ یہاں فقیہ ابن عبدالبر تو نہیں آئے تھے ؟

سعید :۔ جی وہ تشریف فرما ہیں ، یہی ساتھ والا جو کمرہ ہے اس میں رونق افروز ہیں ، کسی کتاب کے مطالعہ میں منہمک ہیں ، اگر حکم ہو تو جاؤں انہیں آپ کی تشریف آوری کی اطلاع کردوں ؟

یاسر :۔ نہیں وہ عالم آدمی ہیں ، کام کر رہے ہیں ، میں ان کے کام میں حارج نہیں ہونا چاہتا ۔

سعید :۔ آج قسطنطنیہ سے جو سفیر آئے ہیں ، کیا آپ ان کے استقبال کو نہیں تشریف لے گئے ؟

یاسر :۔ گیا تھا اور وہیں سے آ رہا ہوں ۔

سعید :۔ کیا وہ لوگ آ گئے ؟

یاسر :۔ ہاں ، شہر پناہ تک پہنچ چکے ہیں ، فی الحال وہیں انتظام کیا گیا ہے ، حفاظت

کے لیے پہرہ چوکی بھی مقرر کر آیا ہوں، اب دیکھنا ہے امیرالمومنین کب شرف باریابی عطا کرتے ہیں؟

سعید نے اتنی ساری باتیں پوچھ ڈالیں لیکن یاسر کی افسردگی کا معمہ حل نہ ہوا، اور وہ تُلا ہوا تھا کہ اس راز کو معلوم کر کے رہے گا، چنانچہ اس نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

سعید:۔ سفرا کے اعزاز میں ایک شاہی جلسہ بھی تو منعقد ہوا کرتا ہے!

یاسر:۔ ہاں ضرور ہو گا۔

سعید:۔ لیکن کہاں؟

یاسر:۔ شاہی محل میں ـــــ اس کی صفائی اور زیبائش کا کام شروع ہو گیا ہے۔

سعید:۔ ایسے اجتماعات تو عام طور پر قصرِ زہرا میں ہوا کرتے ہیں۔

یاسر:۔ لیکن اس مرتبہ خلیفہ نے شاہی محل میں تجویز کیا ہے۔

سعید:۔ بڑا قابلِ دید نظارہ ہو گا!

یاسر:۔ ہاں ـــ کیا تم آنا چاہتے ہو؟

سعید:۔ اگر ممکن ہو!

یاسر:۔ بہت آسانی سے ممکن ہے، سب سے بہتر ترکیب تو یہ ہے کہ فقیہ ابن عبدالبر کے ساتھ چلے آنا، اور اگر میرے ہاتھ میں انتظام و انصرام ہوا تو پھر کسی سہارے کی ضرورت نہیں، بڑی اچھی جگہ تمہیں بٹھا دوں گا!

سعید:۔ (کچھ کچھ سمجھتے ہوئے) "اگر" کے کیا معنی؟ ظاہر ہے آپ ہی سربراہ اور منتظم اعلیٰ ہوں گے، اور کون ہو سکتا ہے بھلا؟ ــــــ ہم ہمیشہ سے یہی دیکھتے

چلے آئے ہیں، انکسار کے لیے بھی آپ نے بڑا اچھا موقع تلاش کیا!

یاسر یہ باتیں سُن کر ہنسنے لگا، پھر اُس نے کہا۔

یاسر:۔ نہیں یہ کچھ ضروری تو نہیں، ہم سب امیرالمومنین کے غلام ہیں، جسے وہ حکم دیں گے وہی بسروچشم تعمیل کرے گا۔

سعید:۔ (متبسم ہوکر) بجا ارشاد ہوا، یہ باتیں اس سے کہیئے، جو جانتا نہ ہو کہ خلیفہ کے دل میں آپ کی قدرومنزلت کتنی ہے۔

یاسر:۔ (ایک آہِ سرد کے ساتھ) میرے دوست سچ کہتے ہو، لیکن —— زمانہ سدا یکساں نہیں رہتا۔

سعید:۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کوئی آپ کا رقیب پیدا ہوگیا ہے؟

یاسر:۔ (سہم کر) ایسی باتیں نہ کرو، دیوار ہم گوش دارد اور پھر تمہارا کتب خانہ تو پبلک مقام ہے، دیکھو لوگوں کی آمدورفت شروع ہوگئی، اب میں جاتا ہوں، لیکن خبردار، میرے آنے کا ذکر کسی سے نہ کرنا —— خدا حافظ!

یاسر تو چلا گیا، لیکن سعید دریائے حیرت میں غرق ہوگیا، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، یہ ماجرا کیا ہے؟

لیکن اس مسئلہ پر وہ زیادہ غور نہ کرسکا، کیوں کہ کتب خانہ میں لوگوں کی آمدورفت شروع ہوگئی تھی، وہ اگرچہ کوئی بڑا عالم نہ تھا لیکن بلا کا ذہین اور طباع تھا، اس کا کتب خانہ مرجع عام اسی لیے بنا ہوا تھا کہ لوگ وہاں آکر کتابیں بھی پڑھتے تھے، مطالعہ بھی کرتے تھے نوٹ بھی تیار کرتے تھے۔ حوالہ کی چیزیں بھی نقل کرتے تھے، اور سعید سے اپنی مشکلات کا حل بھی کراتے تھے، وہ چاہے غلط جواب دے، لیکن ایسے

مؤثر لہجہ اور ایسے مقناطیسی انداز میں اپنے خیالات پیش کرتا تھا کہ کم از کم اس وقت تو آدمی مطمئن ہو جاتا تھا اور یقین کر لیتا تھا کہ سعید جو کچھ کہہ رہا ہے، اس کی گفتگو میں جہالت اور ناواقفیت اور لاعلمی کا کوئی عنصر شامل نہیں ہے!

سعید کی عمر چالیس سال سے زیادہ نہیں تھی، اعضا متناسب، سینہ چوڑا اور بھرا ہوا ابھرے ہوئے بازو، سر بڑا، پیشانی اور آنکھوں سے ذہانت اور فراست نمایاں، لب ولہجہ سے استقلال و عزیمت کا جوہر آشکار، داڑھی مختصر، لیکن گنجان، اگرچہ ہر وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسکرا رہا ہے، لیکن حقیقتاً بہت کم ہنستا یا مسکراتا تھا، قرطبہ میں کتب فروش کا کام کرتے ہوئے ابھی اسے زیادہ مدت نہیں گزری تھی، صرف چند ہی سال ہوئے تھے لیکن اس مختصر سی مدت میں شہر کا شاید ہی کوئی علم دوست اور پڑھا لکھا شخص اس کے ہاں مستقل طور پر نہ آنے لگا ہو، ادیب خطیب، انشا پرداز، عالم، فقیہ، سب ہی اس کے ہاں پہنچتے تھے اور وہ خندہ پیشانی کے ساتھ سب کی پیشوائی کرتا تھا۔!

(۴)

ولی عہد کا مصاحب!

امیر المومنین عبد الرحمٰن الناصر کے ولی عہد کا نام تھا حکم۔ یہ بھی بڑا علم دوست اور عالم شخص تھا۔ اس کا ذاتی کتب خانہ نادر اور نایاب کتابوں سے بھرا ہوا تھا، عالم اسلام میں جہاں کہیں بھی کوئی نئی کتاب لکھی جاتی، حکم بیش قرار، رقم خرچ کرکے فوراً اسے اپنے کتب خانہ کی زینت بنا لیتا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اس ملک میں کتاب بالکل نہ پھیلتی جہاں وہ لکھی گئی تھی، لیکن قرطبہ میں حکم کے کتب خانہ میں وہ ضرور پہنچ جاتی۔

یاسر کے جانے کے بعد سعید اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا، ایک مرتبہ نظر جو اُٹھی تو دیکھتا کیا ہے۔ سامنے تلید کھڑا ہے۔ یہ ولی عہدِ سلطنت شہزادہ حکم کے کتب خانہ کا نگراں اور محافظ تھا، سعید استقبال کے لیے اٹھا، لیکن تلید نے اشارہ سے اُسے منع کر دیا اور قریب آکر آہستہ سے پوچھا:۔

تلید:۔ کیا فقیہ ابن عبد البر یہاں ہیں؟

سعید:۔ جی ہیں —— وہ دیکھئے وہ کس انہماک سے مطالعہ میں مصروف ہیں!

تلید:۔ (طنزیہ لہجہ میں) وہ قاضی القضاۃ بننے کی فکر میں ہیں، وہ مہمانانِ عزیز کے لیے استقبالی تقریر کا مسودہ تیار کر رہے ہیں، جیسے واقعی قاضی القضاۃ بن ہی تو جائیں گے —— ہونہہ!

پھر تلید نے سعید کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور الگ لے جا کر کہا۔

تلید:۔ تم نے ابوالفرج اصبہانی کا نام سُنا ہے؟

سعید:۔ ہاں سنا ہے یگانۂ روزگار، ادیب، شاعر، مؤرخ اور انشاپرداز ہے!

تلید:۔ اور اُموی بھی ہے!

سعید:۔ یہ نہیں معلوم تھا، خیر نہیں اس سے کیا کہ وہ اموی ہے یا عباسی۔ ہم تو اس کے علم، وسعتِ نظر اور مہارت کے قائل ہیں،

تلید:۔ ٹھیک ہے، یہی ہونا چاہیئے،

سعید:۔ لیکن اس وقت آپ نے اس کا ذکر کیوں چھیڑا؟

تلید:۔ عرصہ سے وہ ایک کتاب "اغانی" کے نام سے لکھ رہا تھا۔ نہ جانے مکمل ہوگئی، یا اب تک زیرِ تالیف ہے۔!

سعید:۔ خوب یاد دلایا۔ آپ نے، میں آپ کو خوش خبری سناتا ہوں، وہ کتاب مکمل ہو گئی اس نے اس بے نظیر کتاب کی تالیف میں عمرِ عزیز کے بہترین اوقات صرف کئے ہیں، اور میرا خیال ہے اس فن میں (راگ کے فن میں) اس سے اچھی اور جامع اور مکمل کوئی کتاب ساری دنیا میں دستیاب نہیں ہو سکتی، وہ کتاب نہیں دائرۂ علوم (انسائیکلوپیڈیا) ہے!

تلید:۔ لیکن کتاب ہے کہاں؟

سعید:۔ مصنّف کے پاس!

تلید:۔ شہزادہ حکم کو اس کی سُن گُن مل چکی ہے اور وہ ہر قیمت پر اسے جلد از جلد خرید کر داخلِ کتب خانہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں!

سعید:۔ بہت خُوب!

تلید :۔ بہت خوب سے کام نہیں چلنے کا، یہ بتاؤ کتاب کب ہمارے ہاتھ میں ہوگی؟

سعید :۔ اس کے بارے میں کوئی تاریخ مقرر کرنا تو مشکل ہے، ہاں ایک بات عرض کرسکتا ہوں، یہ کہ آج ہی اپنے آدمی کو عراق کی طرف روانہ کرتا ہوں، جس قیمت پر بھی وہ دستیاب ہوسکی لے کر فوراً واپس آئے گا۔

تلید :۔ تم سے یہی توقع تھی، آج تمہارا آدمی یہاں سے روانہ ہوجائے۔

سعید :۔ ضرور روانہ ہوجائے گا، بالکل بے فکر رہیئے۔

تلید :۔ اور ایک بات کا بہت خیال رکھنا۔ یہ کہ نہ کتاب کا نام کسی کو معلوم ہو، نہ یہ پتہ چلے کہ وہ منگوائی گئی ہے، جب تک وہ یہاں آکر ہمارے کتب خانہ میں درجِ فہرست نہ ہوجائے۔

سعید :۔ حکم کی تعمیل ہوگی، لیکن آخر اتنی رازداری کی ایک کتاب کے لیے کیا ضرورت ہے؟

تلید :۔ بات یہ ہے کہ شہزادۂ حکم ہر کتاب کے لیے اولیّت کا سہرا اپنے ہی سر باندھنا چاہتے ہیں۔

سعید :۔ (ہنستے ہوئے) اچھا اچھا سمجھا سمجھا!

تلید :۔ وہ یکایک اس کتاب کا چرچا اہلِ علم کے سامنے کریں گے۔ وہ ناواقفیت کا اظہار کریں گے۔ اور شہزادے صاحب کتاب نکال کر ان کے سامنے پیش کردینگے۔ ہے نا مزے کی بات؟ ——— اچھا اب میں چلتا ہوں!

سعید :۔ ارے اتنی جلدی کیا ہے، بیٹھیے، تشریف رکھیے، فقیہ ابن عبدالبر سے تو ملاقات کرلیجئے!

تلید :۔ اچھی کہی، ان سے ملوں؟ تاکہ وہ سمجھ جائیں میں کیوں آیا تھا! نابھائی میں چلا!

سعید :۔ لیکن بغیر آپ کے بتاتے ہوئے وہ کیسے سمجھ جائیں گے۔ کیا علم غیب آتا ہے انہیں؟

تلید :۔ ہاں کتاب کے معاملہ میں وہ واقعی عالم الغیب (نعوذ باللہ) ہیں اُڑتی چڑیا پہچان لیتے ہیں، لاکھ چھپاؤ مگران کی نگاہِ نکتہ رس دِل کی گہرائی میں اُتر جاتی ہے، اور گوہر مقصود حاصل کر کے واپس ہوتی ہے، تم انہیں جانتے بھی ہو؟

سعید :۔ (متبسم ہوکر) اب جان گیا!

تلید :۔ بس تو مجھے چپ چاپ چلا جاتے دو، اور میری آمد کا ان سے ہرگز ذکر نہ کرنا!

سعید تلید کو پہچاننے کے لیے دروازہ تک آیا، جاتے وقت سعید سے تلید نے کہا :۔

تلید :۔ آج کل تمام صاحب اُبھرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چاہتے ہیں یاسر سے بازی لے جائیں اُسے پسِ پشت ڈال دیں اور خود تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیں، بیچارہ یاسر بہت پریشان ہے آج کل اگر تمہارے پاس آئے تو اس کی دل دہی کرنا، اور اسے اطمینان دلانا کہ تم ہو اور تمام تمام، تمہارا اس کا کیا جوڑ، وہ منہ کی کھائے گا، تمہارے مقابلہ میں سرسبز اور کامیاب نہیں ہو سکتا!

تلید تو یہ کہہ کر چلا گیا، اور سعید جب واپس آکر اپنی مسند پر بیٹھا تو اسے یاسر کے اضمحلال اور افسردگی کا اصل راز معلوم ہو چکا تھا!

(۵)

عابدہ

عام طور پر سعید کا کتب خانہ مغرب کے وقت بند ہو جاتا تھا، لیکن آج چونکہ نہایت انہماک اور استغراق کے ساتھ علامہ ابن عبدالبر مطالعہ اور کتابوں کی ورق گردانی میں مصروف تھے۔ لہٰذا دوسرے لوگوں کے چلے جانے کے باوجود، صرف علامہ کے خیال سے کتب خانہ کھلا رہا۔ سعید کا ملازم جوہر ایک لیمپ لے جا کر علامہ کے کمرے میں رکھ آیا، دن کی روشنی رخصت ہو چکی تھی، اور رات کی تاریکی چھائی چلی جا رہی تھی، جوہر دوسرے کمرے میں کتابوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ علامہ بدستور اپنے مطالعہ میں مشغول تھے، اور سعید اپنے کمرہ میں خاموشی کے ساتھ کچھ کاغذات اُلٹ پلٹ رہا تھا۔ اتنے میں آہٹ سی ہوئی، اُس نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو ایک پری پیکر اور حور شمائل نازنین چلی آ رہی ہے، اس کا حُسن قیامت کا تھا، اس کے حسن و جمال کی جوت چاند کو شرما رہی تھی۔ گورا رنگ بڑی بڑی آنکھیں، ستواں ناک، متناسب اعضا، آنکھوں میں بلا کی کشش اور جاذبیت، انداز و اطوار میں دلبری اور دلربائی موتی کے سے سفید اور شفاف دانت اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا تھا، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے رہ رہ کر بجلی کوند جاتی ہے، وہ فتنۂ قیامت بن کر آئی، سعید اس کی پیشوائی کے لیے اُٹھا، اُس نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا،

سعید:۔ اس وقت؟ اتنی دیر میں کیوں آئیں تم؟

وہ نازنین بولی،

"کام میں مصروف تھی!"

سعید:۔عابدہ کئی مرتبہ تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ وقت بے وقت باہر نہ نکلا کرو!

عابدہ:۔آخر کیوں؟ میں کسی سے ڈرتی نہیں، کسی کو خاطر میں نہیں لاتی، کوئی میرا کیا بگاڑ لے گا؟ کچھ کہئیے تو!

سعید:۔اتنی خود اعتمادی بھی خطرناک ہوتی ہے۔

عابدہ:۔ہوتی ہوگی، لیکن میں تو کبھی بھی خطرہ کو خاطر میں نہیں لائی۔

سعید:۔(مسکرا کر) عجیب چیز ہو بھئی!

عابدہ:۔جی ہاں عجیب نہ ہوتی تو یہاں نظر نہ آتی، اس شہر میں دکھائی نہ دیتی، اس دیس میں میرا وجود نظر نہ آتا، مجھے خود بھی اپنے عجیب ہونے کا اقرار و اعتراف ہے!

سعید:۔ہوگا، یہ تو بتاؤ، اتنے ناوقت آنے کا سبب کیا ہے؟

عابدہ:۔میں ایک کتاب نقل کر رہی ہوں، چاہتی ہوں اسے امیر عبداللہ منہ مانگے داموں خرید لیں، اگر تم کوشش کرو، تو یہ کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔

سعید:۔ضرور کوشش کروں گا، اتفاق سے امیر عبداللہ کے نفس ناطقہ فقیہہ ابن عبدالبر بھی یہیں رونق افروز ہیں، ان سے بھی تمہیں ملا دوں گا!

عابدہ:۔بڑے شوق سے ملوں گی۔

سعید:۔لیکن خدا کی بندی یہ تو بتاؤ، آخر تم نے کون سی کتاب نقل کرنی شروع کی ہے؟

عابدہ:۔اس کا نام ہے عقد الفرید!

سعید:۔(تعجب سے) ایں کیا کہا عقد الفرید؟

عابدہ :۔ ہاں، آپ کو تعجب کیوں ہو رہا ہے حضرت؛ کیا میں اسے نقل نہیں کر سکتی!

سعید :۔ تم سب کچھ کر سکتی ہو، لیکن اس کتاب کے بارے میں میں نے تو یہ سُنا ہے کہ مختلف علوم و فنون پر مشتمل ہے؟

عابدہ :۔ سچ سُنا ہے، تاریخ، روایات، سیر، مواعظ، اشعار، قصص اور سب سے بڑھ کر امیرالمومنین علی علیہ السلام کے خطبات کیا نہیں ہے، اس کتاب میں؟

سعید :۔ تمہارا ذوق اتنا پختہ اور اتنا اونچا ہے، تمہیں ایک عرصہ سے جاننے کے باوجود مجھے اس کا اندازہ نہ تھا!

عابدہ :۔ (تبسم کے ساتھ) اب تو ہو گیا؟

سعید :۔ ہاں ہو گیا، خدا تمھیں نظرِ بد سے بچائے!

عابدہ :۔ اب بڑے بوڑھوں کی طرح دعائیں تو اپنی سمیٹ کر رکھیئے، ہاں جو کچھ اور جتنا کچھ میں نے لکھا ہے، وہ دیکھ لیجئے!

یہ کہہ کر عابدہ نے ایک بستہ کھولا اور اس میں سے علامہ عبدالبر کی مایہ ناز کتاب "عقد الفرید"، کا نقل کیا ہوا مسودہ سامنے رکھ دیا، سعید مسودہ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اتنا صاف اور رواں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا صفحۂ قرطاس پر کسی نے موتی جڑ دیئے ہیں۔ اس زمانہ میں نہ مطبع تھا، نہ پریس، نقل نویسوں کا ایک گروہ تھا، جو بڑے بڑے مصنّفین کی کتابیں نقل کر کر کے اپنی روزی بھی کماتا تھا. اور علوم و فنون کی اشاعت بھی کرتا تھا، عابدہ نے یہی اپنا پیشہ قرار دے لیا تھا، چونکہ اس کا خط نہایت پاکیزہ تھا اس لیے واقعی منہ مانگے داموں اس کے لکھے ہوئے مسودے فروخت ہوتے تھے، مسودہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد سعید نے کہا۔

سعید :۔ شان خط دیکھ کر میں تو حیران ہوا جاتا ہوں، کوئی نہیں کہہ سکتا یہ کسی عورت کا لکھا ہوا ہے۔

عابدہ :۔ (تیوری چڑھا کر) آخر آپ لوگ عورتوں کو اس قدر حقیر اور بے مایہ کیوں سمجھتے ہیں؟ جو کام مرد کر سکتے ہیں، وہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں بلکہ مردوں سے زیادہ سلیقہ اور ہنر مندی کے ساتھ۔

سعید :۔ (مسکرا کر) یہ بڑا نازک موضوعِ بحث چھیڑ دیا تم نے، اب میرے لیے مناسب یہی ہے کہ خاموش ہو جاؤں!

عابدہ :۔ اگر لاجواب ہو کر آپ خاموشی اختیار کرنا چاہتے ہیں تو مجھے کوئی عذر نہیں، اگر میری خاطر سے آپ سکوت اختیار کر کے گویا میری بیچارگی پر رحم کھا رہے ہیں تو میں احتجاج کرتی ہوں، اور آپ کو چیلنج دیتی ہوں کہ شوق سے بحث جاری رکھئے، اور ایک کی دس دس سنیئے!

سعید کھلکھلا کر ہنس پڑا، اُس نے کہا۔

سعید :۔ ذہانت، حاضر جوابی، بذلہ سنجی ختم ہے تم پر عابدہ!

عابدہ :۔ شکریہ اس قدردانی اور حوصلہ افزائی کا!

سعید :۔ اچھا یہ باتیں تو بعد میں ہوتی رہیں گی، چلو تمہیں علامہ سے ملا دوں!

عابدہ :۔ چلئیے، آپ ہی نے دیر کر دی، خواہ مخواہ کی باتیں چھیڑ کر۔

سعید عابدہ کو لے کر ابن عبدالبر کے کمرہ میں پہنچا، وہ بدستور مطالعہ میں منہمک اور مستغرق تھے، عابدہ اور سعید دونوں ان کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے کتاب کا ورق اُلٹا اور اپنے پاس کسی کو کھڑا دیکھ کر، نظر

اٹھائی تو سعید اور عابدہ نظر آئے! سعید کا آنا تو بالکل خلافِ توقع نہیں تھا، لیکن ایک الھڑ دوشیزہ کو یوں بے حجاب اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر وہ چکرا گئے، انہوں نے کتاب بند کی، اور سعید سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

ابن عبدالبر:- ارشاد!

سعید:- (عابدہ کی طرف اشارہ کر کے) انہیں آپ سے ملنے کا اشتیاق تھا.

ابن عبدالبر:- مجھ سے ملنے کا اشتیاق؟ تعجب ہے! خیر میں حاضر ہوں!

عابدہ مسکرانے لگی، سعید نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے عرض کیا۔

سعید:- یہ بہت بڑی خطاط اور نقل نویس ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس فن میں مردوں کے کان کترتی ہیں تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا!

عابدہ بیچ میں بول پڑی،

"اس سے بڑھ کر مبالغہ اور کیا ہوگا جو آپ کر رہے ہیں!؟"

علامہ ابن عبدالبر نے متبسم ہو کر فرمایا:-

"آپ دونوں نے تو جھگڑا شروع کر دیا، اور کام کی بات شروع ہی نہ ہو سکی! اپنے آنے کی غرض و غایت تو بتائیے!

سعید:- وہی تو میں عرض کر رہا تھا، ——— پہلے یہ بتائیے شہزادہ عبداللہؒ کے کتب خانہ میں عقد الفرید کا بھی کوئی نسخہ ہے؟

ابن عبدالبر:- ہاں ایک نہیں کئی ہیں، لیکن اس سوال سے مطلب؟

عابدہ:- (مایوسی کے ساتھ) پھر کچھ عرض کرنا بیکار ہے، آپ کا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے۔

ابن عبدالبر:۔ نہیں نہیں کہئے تو، کیا بات ہے ؛ ممکن ہے میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں

بتا دینے میں کیا حرج ہے ؟

سعید:۔ انہوں نے عقد الفرید کا ایک نسخہ نقل کیا ہے ؛

عابدہ :۔ میں چاہتی تھی وہ شہزادہ صاحب خرید لیں !

سعید :۔ لیکن جب ان کے کتب خانے میں کئی نسخے ہیں ، تو بھلا اس نسخہ کی کھپت

کیا ہو سکے گی ؟

ابن عبدالبر:۔ آپ مجھے دکھائیے ، اگر خط اچھا ہوا تو میں کوشش کروں گا !

سعیدنے وہی مسودہ جو ابھی عابدہ نے اُسے دیا تھا ، فقیہ عبدالبر نے اُسے پہلے تو بے پروائی کے ساتھ الٹ پلٹ کر دیکھا ، پھر یکایک ان کے چہرے پر تعجب ، حیرت اور مسرت کی ایک لہر سی دوڑ گئی ، انہوں نے مسودہ کو ہاتھ میں لئے لئے عابدہ کی طرف دیکھا اور گویا ہوئے ۔

ابن عبدالبر:۔ یہ آپ نے لکھا ہے ؟

عابدہ :۔ جی ، یہ میری جسارت ہے ۔

ابن عبدالبر :۔ اتنا پاکیزہ خط ؟ واقعی خوب لکھا ہے ، بہت اچھا لکھا ہے ۔

سعید :۔ تو اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ؟

ابن عبدالبر :۔ قطعاً نہیں ، یہ نسخہ ضرور شہزادہ عبداللہ کے کتب خانہ کی زینت بنے گا ۔

سعید :۔ لیکن ایک شرط ہے !

ابن عبدالبر :۔ یا تو مایوسی کا عالم طاری ہو رہا تھا ، یا شرطیں پیش ہونے لگیں ؟ خیر

فرمائیے کیا شرط ہے ؟

سعید :۔ یہ چاہتی ہیں اگر نسخہ خریدا جائے تو منہ مانگی قیمت شہزادہ صاحب عطا کریں !

ابن عبدالبر :۔ یعنی لاکھ دو لاکھ ؟

عابدہ ہنسنے لگی، اس نے ایک ادائے دلفریب کے ساتھ کہا ،

عابدہ :۔ جی نہیں ، مقصد صرف یہ ہے کہ اچھے دام مل جائیں، پردیس میں زندگی بڑی گراں ہو جاتی ہے۔ !

ابن عبدالبر :۔ پردیس میں ؟ کیا آپ قرطبہ کی رہنے والی نہیں ہیں ؟

عابدہ :۔ جی نہیں ۔

ابن عبدالبر :۔ خوب ، تو پھر آپ کا وطن ہونے کا شرف کس سرزمین کو حاصل ہے ؟

عابدہ :۔ (مسکرا کر) بغداد کو !

ابن عبدالبر :۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) بغداد ، واقعی اس خطہ ارض کا سب سے عجیب و غریب مقام ہے۔

سعید :۔ یہ کیوں ؟ کیا خاص بات ہے بغداد میں ؟

ابن عبدالبر :۔ ارے بھئی وہاں کیا نہیں ہے ؟ —— دولت و ثروت ، علم و فضل ، حسن و جمال ، رعنائی و زیبائی ، ہر چیز کا ہجوم ہے وہاں ؟

سعید :۔ تو ہمارا قرطبہ کب کم ہے کسی دوسرے ملک یا شہر سے ؟

ابن عبدالبر :۔ ہاں ٹھیک کہتے ہو ، مگر میرے بھائی بغداد بغداد ہی ہے۔ انہی کو دیکھ لو کیا ایسی سراپا کمال و جمال خاتونیں یہاں مل سکتی ہیں ؟

سعید :۔ کیوں نہیں مل سکتیں !

ابنِ عبدالبر:۔ بھئی ہم مسلمانوں میں تو ملنا مشکل ہے، ان کی طرح یہودی اور عیسائی عورتوں میں بے پردگی بھی ہے، بے حجابی بھی اور آزادہ روی بھی، میں نے ہمیشہ انہیں بالکل بے جھجک پایا۔

سعید:۔ تو آپ انہیں عیسائی یا یہودی خاتون سمجھ رہے ہیں؟

ابن عبدالبر:۔ تو کیا غلط سمجھ رہا ہوں؟

سعید:۔ بالکل غلط، یہ مسلمان ہیں، خاندانی مسلمان ہیں اور اپنے اسلام پر انھیں اتنا ہی ناز ہے، جتنا ایک مسلمان کو ہو سکتا ہے!

ابن عبدالبر:۔ (متحیر ہو کر) خوب، بہت خوب، بڑی خوشی ہوئی یہ معلوم کر کے کہ یہ مسلمان ہیں!

عابدہ:۔ الحمدللہ میں مسلمان ہوں، اور میرا نام عابدہ ہے۔

ابن عبدالبر:۔ نام بھی بہت اچھا ہے —— تو بغداد کے کس خاندان سے تعلق ہے آپ کا؟

سعید:۔ یہ وہاں کے اس طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں جو باندیوں اور کنیزوں میں شمار ہوتا ہے!

ابن عبدالبر:۔ اچھا اچھا کوئی مضائقہ نہیں —— بہرحال آپ مطمئن رہیئے۔ یہ کتاب انشاءاللہ منہ مانگے داموں بک جائے گی۔

سعید:۔ شکریہ!

ابنِ عبدالبر:۔ اگر شکریہ ادا کرنے کی ضرورت تھی (عابدہ کی طرف اشارہ کر کے) تو انہیں نہ کہ آپ کو!

عابدہ :۔ یہ میرے وکیل ہیں۔

ابن عبدالبر :۔ ٹھیک ہے ——— لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی، تم مسلمان ہو تو پردہ کیوں نہیں کرتیں؟

عابدہ :۔ میں پردہ کی قائل نہیں ہوں، ضرورت نہیں سمجھتی!

ابن عبدالبر :۔ آخر کیوں؟

عابدہ :۔ پردہ کے بارے میں میرا مسلک وہی ہے، جو عائشہ بنتِ طلحہ کا تھا۔

ابن عبدالبر :۔ یعنی؟

عابدہ :۔ مردوں کی مجلس میں آزادانہ اور بے باکانہ بیٹھتی تھیں، بعض لوگ معترض ہوئے اس روش پر، تو انہوں نے بڑا اچھا جواب دیا، انھوں نے کہا، خدا نے مجھے حسن و جمال کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ مخلوقِ خدا کو اس نعمت سے محروم رکھوں؟ باقی رہا عفت و ناموس کا معاملہ تو کوئی بھی میرے بارے میں بُرا خیال نہیں قائم کر سکتا۔ اور اگر کرے تو میں اس کا منہ توڑ جواب دے سکتی ہوں، ایسا جواب جو اسے زندگی بھر یاد رہے گا ——— یہی رائے میری اپنے بارے میں بھی ہے!

یہ کہہ کر عابدہ مسکرا دی۔ ابن عبدالبر کے ہونٹوں پر بھی تبسم آ گیا۔ انھوں نے فرمایا۔

ابن عبدالبر :۔ بات تو معقول ہے، پھر بھی احتیاط اچھی چیز ہے، بہرحال یہ میرا مشورہ ہے ورنہ کسی کے نجی اور ذاتی معاملات میں دخل دینے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔

سعید:- بجا ارشاد ہوا ــــ تو اب اس کتاب کے بارے میں کب تک توقع رکھی جائے؟

ابن عبدالبر:- ابھی آٹھ دس دن تو بڑی مصروفیت کے ہیں، رُوم کے سفیر واپس چلے جائیں پھر انشاء اللہ میں اس معاملہ کو کرا دوں گا!

عابدہ:- یہ سفیر اتنے دن تک یہاں رہ کر کیا کریں گے؟

ابن عبدالبر:- ہمارے امیرالمومنین کا اصول یہ ہے کہ غیر ممالک کے سفراء سے فوراً نہیں ملتے انھیں کافی دن منتظر رکھتے ہیں، پھر شرفِ باریابی عطا کرتے ہیں۔ بہر حال آٹھ دس دن کے اندر تمھارا معاملہ ضرور ہو جائے گا، مطمئن رہو!

(۶)

سعید اور عابدہ

فقیہ ابن عبدالبر کے چلے جانے کے بعد سعید اور عابدہ دونوں ایک کمرہ میں آکر بیٹھ گئے عابدہ کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں، اور سعید محبّت بھری نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا، کبھی کبھی کن انکھیوں سے عابدہ سعید کی اس حرکت کو دیکھ لیتی تھی اور شرما کر پھر نظریں جھکا لیتی تھی، سعید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن نہ جانے کیا سوچ کر رُک جاتا تھا، بالکل یہی کیفیت عابدہ کی بھی تھی، اس کے دل میں بھی طوفان اٹھ رہا تھا۔ لیکن وہ خاموش تھی، شمع جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں عابدہ کے حسن زاہد فریب کی جوت اور بڑھ گئی تھی اور شمع پھیکی پھیکی نظر آنے لگی تھی۔

سہ رات محفل میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پر جو دیکھا تو کہیں نُور نہ تھا!

اوڑھنی کا دامن عابدہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے انگلیوں سے مروڑ رہی تھی، یکایک اس تنہا کمرے میں سعید کی آواز گونجی!

سعید:۔ عابدہ مجھے دیکھو، میری طرف دیکھو، مجھ سے باتیں کرو!

عابدہ:۔ دیکھ رہی ہوں، باتیں بھی کر رہی ہوں!

سعید:۔ خاموش ہو لیکن باتیں کر رہی ہو، نظریں نیچی ہیں لیکن دیکھ مجھی کو رہی ہو، کیسے مان لوں؟

عابدہ:۔ حقیقت اعتراف کی محتاج نہیں ہوتی، کوئی مانے یا نہ مانے، لیکن اس کا وجود

بہرحال ناقابلِ تردید ہوتا ہے۔

سعید:۔ عجیب حقیقت ہے یہ بھی!

عابدہ:۔ آپ دل کی زبان نہیں سمجھ سکتے تو میں کیا کروں؟ آپ کی آنکھیں دل کی آنکھوں کو اکثر نہیں دیکھ پاتیں تو میرے پاس اس کا علاج کیا ہے؟

سعید:۔ (بیخودی کے عالم میں) عابدہ! تم نے میرے سینہ کو پھر امنگوں سے، آرزوؤں سے بھر دیا۔

عابدہ:۔ یہ سینہ آرزوؤں اور امنگوں سے خالی کیوں ہو گیا تھا؟

سعید:۔ ہماری تمھاری محبت اٹل تھی، لیکن ایک بڑے مقصد کے لیے ہمیں بچھڑ جانا پڑا۔ ہم ایک دوسرے سے دُور ہو گئے۔ میں سمجھتا تھا اس دُوری نے ہمارے دلوں کو بھی ایک دوسرے سے دُور کر دیا ہے، اس رفتارِ زمانہ نے ہماری محبت کی رفتار سُست کر دی ہے، نئے حالات، نئے ماحول نئے دَور نے ممکن ہے تمھیں مجھے فراموش کر دینے پر مجبور کر دیا ہو، حالانکہ مجھ سے قسم لے لو اگر ایک لمحہ کے لیے بھی تمھیں فراموش کیا ہو۔

عابدہ:۔ قسم لینے کی ضرورت نہیں، لیکن مصیبت یہ ہے کہ آپ اپنے بارے میں ہمیشہ حسنِ ظن سے کام لیتے ہیں اور دوسرے کے بارے میں غلط فہمی اور بدظنی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

سعید:۔ نہیں عابدہ یہ نہ کہو، میں تمھیں چاہتا ہوں، پُوجتا ہوں، پرستش کرتا ہوں تمھاری کیونکر ممکن ہے کہ تمھارے بارے میں غلط رائے قائم کروں؟

عابدہ:۔ تو اس وقت اور یہ کیا ہو رہا تھا!

سعید :- یہ میرے گُھٹے ہوئے جذبات تھے، جو دِل کے نہاں خانہ سے باہر نکلنے کے لیے مچل رہے تھے۔

عابدہ :- لیکن اتنے غلط طور پر؟

سعید :- مجھ سے غلطی ہوئی، میں معافی چاہتا ہوں، معاف کر دیجئے!

عابدہ :- معاف کر دیا ——— اس لیے نہیں کہ آپ معافی کے مستحق ہیں، اس لیے کہ میں اپنی محبت سے مجبور ہوں، آپ کی کوئی بات رد نہیں کر سکتی!

سعید :- شکریہ، لیکن یہ تم نے کیا کہا کہ میں معافی کا مستحق نہیں تھا؟

عابدہ :- غلط تو نہیں کہا، ذرا غور کیجئے آپ یہاں قرطبہ میں تشریف لائے، ٹھاٹھ سے ایک کتب فروش کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں، کوئی خطرہ نہیں، کوئی اندیشہ نہیں، کوئی فکر نہیں، یکسوئی کے ساتھ اس کارِ اہم کو انجام دینے کے وسائل پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، جس کے لیے اتنی دور دراز کا سفر اختیار کیا ہے ——— غلط تو نہیں کہہ رہی ہوں میں؟

سعید :- بالکل سچ، ایک ایک حرف ٹھیک۔

عابدہ :- اب ذرا میرے حالِ زار پر غور کیجئے، جوان ہوں، خوبصورت ہوں، لیکن ہر خطرہ سے بے پروا ہو کر جان ہتھیلی پر رکھ کر شہر شہر، کوچہ کوچہ، کس کے لیے پھر رہی ہوں؟ مجھے کسی سے دشمنی نہیں، لیکن جو تمھارا دشمن ہو اس کا خون پی لوں، مجھے قتل و غارت کے نظارہ سے وحشت ہوتی ہے، لیکن محض تمھارے لیے، تمھاری خاطر خون کرنے کو، جان لینے کو تیار رہوں، ——— بتاؤ اور کون سا مقصد ہے جس کے حصول کے لیے میں یہاں آئی ہوں؟

سعید :۔ (تاثر کے عالم میں) مانتا ہوں، سچ کہتی ہو!

عابدہ :۔ (مسکرا کر) پھر بھی آپ اپنے آپ کو معافی کا مستحق سمجھتے ہیں؟

سعید :۔ تمھیں سزا دے لو، میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار رہوں!

عابدہ :۔ لیکن آپ جانتے ہیں، میں کسی طرح بھی آپ کو سزا نہیں دے سکتی!

سعید :۔ نہیں تمھیں یہ کام کرنا پڑے گا!

عابدہ :۔ بہت اچھا، میری طرف سے آپ کو جو سزا دی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ اب مجھ سے ملنے کی کبھی کوشش نہ کیجئے گا۔

سعید :۔ (بیقرار ہو کر) نہیں یہ سزا میرے لیے ناقابلِ قبول ہے!

عابدہ :۔ تو کیا سزائیں ملزموں اور مجرموں سے پوچھ کر دی جاتی ہیں؛ بڑی زبردستی کرتے ہیں آپ تو۔

سعید :۔ عابدہ مجھے سچّے دل سے معاف کر دو!

عابدہ :۔ کر تو دیا، آپ ہی نے خواہ مخواہ سزا کا سوال اٹھایا۔ اور جب میں سزا دینے پر آمادہ ہوئی تو بھاگ کھڑے ہوئے آپ ——— ہونہہ یہ بھگتیں گے سزا!

سعید :۔ کیا تمھیں میری محبت کا، میری اُلفت کا یقین نہیں ہے؟

عابدہ :۔ نہ ہوتا، تو پھر پوچھتی کیوں؟ آخر مجھے اس دور دراز شہر میں سب سے بچھڑ کر، سب کچھ چھوڑ کر، زندگی کی آسائشوں کو تج کر، کون آنے پر مجبور کر سکتا تھا؟

سعید :۔ کوئی نہیں!

عابدہ :۔ اور یہ بھی سوچو، یہاں آنے کا مقصد تسکینِ قلب نہیں ہے، یہ ہے کہ تمھارے

ساتھ مل کر تمھاری رفیق بن کر، بلکہ تمھاری آلۂ کار بن کر وہ خطرناک کام انجام دوں، جسے انجام دیتے ہوئے بڑے بڑے مردوں کا بھی پتّہ پانی ہوتا ہے.

سعید:۔ سچ کہتی ہو، میری روح، میری زندگی، ایک ایک حرف سچ ہے!

عابدہ:۔ یہ آپ میری خاطر سے کہہ رہے ہیں، ورنہ شاید آپ کا دل ابھی تک میرے اور میرے عزائم کے بارے میں مطمئن نہیں ہے، میں کہتی ہوں، آخر آپ سوچ کیا رہے ہیں، امتحان لے لیجئے، جب چاہیئے۔ اگر پیچھے ہٹ جاؤں تو خطاکار!

سعید:۔ (سنجیدگی کے ساتھ) سچ کہتی ہو؟

عابدہ:۔ جی ہاں، بالکل سچ!

سعید:۔ جو کہوں گا کروگی؟

عابدہ:۔ ضرور کروں گی!

سعید:۔ خواہ وہ کیسا ہی کام ہو؟

عابدہ:۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں، آپ کے لیے آپ کی خوشی کے لیے، آپ کی کامیابی کے لیے میں سب کچھ کر سکتی ہوں، پہاڑ سے ٹکرا سکتی ہوں، سمندر میں کود سکتی ہوں، آگ سے کھیل سکتی ہوں، اپنی زندگی بڑی خوشی سے بڑی مسرت سے، بڑے اطمینان سے آپ کے اشارہ پر قربان کردوں، اس کے لیے جو دل کا، روح کا مالک ہے!

یہ کہتے کہتے عابدہ کے چہرے پر شرم کی سُرخی چھاگئی، اب تک وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر رہی تھی، اب اس نے نظریں نیچی کرلیں اور پھر اپنی اُوڑھنی کے دامن سے کھیلنے لگی.

سعید نے دیکھا تو عابدہ کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، وہ بیتاب ہوگیا اس نے عابدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محبت بھرے لہجہ میں کچھ رُکتے رُکتے کہا،

سعید :۔ تم خفا ہوگئیں، حالانکہ میرا مطلب یہ نہ تھا، مجھے تم پر تمھاری محبت پر ناز ہے۔

عابدہ :۔ اسی لیے تو یوں آپ پریشان کرتے رہتے ہیں مجھے، آپ کو میرے دل کا خیال نہیں، پھر آپ کو مجھ پر ناز ہے، کیونکر مان لوں؟ کیسے یقین کر لوں اس بات کا؟

سعید :۔ تمھیں یقین کرنا پڑے گا، آنکھیں اُٹھاؤ میری طرف دیکھو!

عابدہ :۔ (ناز کے ساتھ) میں نہیں دیکھتی، بخشئے، بھر پایا آپ سے!

سعید :۔ دیکھنا پڑے گا۔ دیکھو ان آنکھوں میں محبت کا سمندر لہریں مار رہا ہے!

عابدہ :۔ باتیں نہ بنائیے!

سعید :۔ خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو، مجھے غلط نہ سمجھو، ورنہ میں خودکشی کر لوں گا!

یہ سُنکر عابدہ تڑپ گئی، اُس نے اپنا نازک سا ہاتھ سعید کے منہ پہ رکھ دیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

عابدہ :۔ وعدہ کیجئے، اب یہ لفظ زبان پر نہیں لائیں گے، ورنہ آپ تو کہتے ہی رہیں گے اور میں واقعی ایک دن جان دے دوں گی!

سعید :۔ اچھا وعدہ کرتا ہوں، لیکن اس شرط پر کہ تم بھی اب میرے بارے میں کبھی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوگی۔

عابدہ :۔ (مسکرا کر) اچھا وعدہ کرتی ہوں!

سعید نے عابدہ کا ہاتھ اُٹھا کر آنکھوں سے لگایا، پھر اسے چوم لیا۔

سعیدہ:۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی بدقسمتی ہوسکتی ہے کہ ہم تم ایک شہر میں رہتے ہیں، لیکن ایک دوسرے سے دُور رہنے پر مجبور ہیں!

عابدہ:۔ اس مصیبت کو کوئی میرے دل سے پُوچھے۔ لیکن کیا کروں مجبور ہوں، صرف اس لیے یہ سب کچھ سہ رہی ہوں کہ آپ کی مرضی یہی ہے آپ کا فائدہ اسی میں ہے، آپ کے مفاد کا تقاضہ یہی ہے!

سعید:۔ ہاں میں جانتا ہوں، لیکن اب وہ وقت آ رہا ہے کہ جدائی کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی اور ہم ایک دوسرے سے کبھی جُدا نہ ہوں گے، موت کے سوا ہمیں کوئی جُدا نہ کرسکے گا۔ لیکن عابدہ یہ تو بتاؤ، واقعی جو کچھ میں کہوں گا، وہ تم کر گزرو گی؟

عابدہ:۔ آخر آپ کب تک اقرار کراتے رہیں گے، اور وعدے لیتے رہیں گے! کہہ بھی تو چکیئے، کسی طرح —— واقعی میں ہر کام کے لیے تیار ہوں!

سعید:۔ تو کہہ ڈالوں پھر؟

عابدہ:۔ بسروچشم!

سعید:۔ اچھا یہ بتاؤ میں کیا کہوں گا؟

عابدہ:۔ (ہنسکر) واہ یہ معلوم ہوتا تو اب تک کر نہ چکی ہوتی، آپ سے بار بار پوچھتی کیوں؟ بتائیے!

سعید:۔ کام معمولی بھی ہے اور اہم بھی، میرا مطلب ہے کہ اس کے لیے ضرورت سے زیادہ ہمّت اور جرأت کی ضرورت ہے۔

عابدہ:۔ انشاء اللہ آپ مجھ میں ضرورت سے زیادہ ہمت و جرأت پائیں گے، لیکن اب

میں انتظار نہیں کر سکتی، کہہ ڈالئے جو کچھ کہنا ہے!

سعید:۔ بس کہنا کیا ہے، صرف اتنی بات ہے کہ تمھیں کسی کے خون میں ہاتھ رنگنا پڑیں گے!

عابدہ:۔ یعنی قتل کرنا پڑے گا کسی کو؟

سعید:۔ ہاں ——— اور مجھے یقین ہے تمھیں اس میں تامل نہ ہوگا!

یہ سنکر عابدہ لرز گئی، وہ بہر حال ایک عورت تھی، لاکھ باہمت اور باحوصلہ سہی لیکن کسی کے خون میں ہاتھ رنگنا، کسی کی جان لینا، کسی کو قتل کرنا اس کے لیے آسان نہ تھا، لیکن اس نے اپنے حواس مجتمع کئے اور کہا۔

عابدہ:۔ مجھے یقین ہے میرے بارے میں آپ کی کوئی توقع بھی ناکام نہ ہوگی۔

سعید:۔ ٹھیک ہے، اس وقت میں ایک جلسہ میں جا رہا ہوں، چلتی ہو؟

عابدہ:۔ جلسہ؟ کس طرح کا جلسہ ہے؟

سعید:۔ کام کا، بات یہ ہے کہ قبائلی اور نسلی تعصب اندر ہی اندر کام کر رہا ہے، یہ آگ ابھی سلگ رہی ہے لیکن بہت جلد بھڑکنے لگے گی۔ ہم اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھائیں؟ کیوں نہ اپنا کام کر گزریں؟

عابدہ:۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے، لیکن جلسہ پہلی بار ہو رہا ہے یا اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے؟

سعید:۔ کئی دفعہ ہو چکا ہے!

عابدہ:۔ اس میں شریک ہونے والے سب لوگ بھروسہ کے ہیں؟

سعید:۔ بہت زیادہ اتنے ہی جتنی تم قابلِ اعتماد ہو، جتنا میں بھروسہ کے قابل ہوں۔

عابدہ :- اب میں مطمئن ہو گئی، اب شوق سے چلیئے۔

سعید :- ایک بات اور بھی سن لو، عبدالرحمٰن ناصر کے خلاف جتنے عناصر ہیں، وہ سب ہمارے ساتھ ہیں۔ ان میں بربر بھی ہیں، قبائل کے لوگ بھی ہیں، اور بے کار اور پریشان حال اور غیر مطمئن لوگ بھی ہیں، یہ سب ایک مقصد پر متفق ہیں کہ کام کا وقت بھی ہے، اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس حسنِ اتفاق سے فائدہ نہ اٹھائیں، یہ موقع اگر ہم نے ضائع کر دیا تو پھر اس کی تلافی کبھی بھی نہیں ہو سکے گی!

عابدہ :- آپ کی رائے صائب ہے۔ پھر بھی بڑی احتیاط اور دور اندیشی کی ضرورت ہے۔

سعید :- مانتا ہوں اور جتنی احتیاط ممکن ہو سکتی ہے کرتا بھی ہوں، لیکن میں اب اس کیفیتِ منتظرہ سے تنگ آ گیا ہوں، میں چاہتا ہوں یہ تعطل ختم ہو جائے ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ کر ڈالیں اور اگر نہیں کر سکتے تو پھر خواہ زندگی ہی کیوں نہ کام آ جائے مگر کم از کم یہ تو ثابت کر دیں کہ اپنے مقصد اور اصول پر ہم زندگی قربان کر دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں، کیوں میں غلط تو نہیں کہتا؟

عابدہ بڑے غور اور توجہ سے سعید کی باتیں سن رہی تھی، اس پر اس وقت کچھ عجیب سی کیفیت طاری تھی، کبھی وہ قرطبہ کے بام و در کی سیر کرنے لگتی، کبھی بغداد کی گلیاں اسے یاد آ جاتیں، کبھی سعید سے پہلی ملاقات، اور اس کے اثرات و نتائج اس کے دل پر دستک دینے لگتے۔ کبھی وہ اپنے ماضی کے بارے میں سوچنے لگتی، کبھی حال پر غور کرنے لگتی، کبھی مستقبل کے دھندلکے میں کھو جاتی، وہ سعید سے متاثر تھی،

اس سے محبت کرتی تھی، اسے چاہتی تھی، اسے حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کھو سکتی تھی، اس کی بن جانے کے لیے بڑے سے بڑے خطرہ کا مقابلہ کرنے میں بھی اُسے کوئی تامل نہ تھا، لیکن یہ بھی سوچتی تھی جس کے لیے میں یہ سب کچھ سوچ رہی ہوں، کیا وہ مجھ سے بے وفائی تو نہیں کرے گا؟ جس کی محبت میں اپنی زندگی میں نے داؤ پر لگا دی ہے وہ کہیں مجھے بیچ راستہ پہ چھوڑ کر کہیں ایسا تو نہ ہو گا کہ خود کسی اور راستے پر چل پڑے میرے اندر جو بیتابی ہے، جو اضطراب ہے، جو خلش ہے، کیا وہ اس مرد کے دل میں بھی ہے؟ ضرور ہو گی، اس کی ایک ایک بات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، وہ مجھ پر جان دیتا ہے، دُنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی اسے محبوب نہیں، لیکن کیا بات ہے کہ یہ سوچتے وقت دِل دھڑکنے لگتا ہے، طرح طرح کے اندیشے آنے لگتے ہیں۔ جن باتوں کو میں ناقابلِ یقین سمجھتی ہوں وہ ایک واقعہ بن کر نظر کے سامنے گردش کرنے لگتی ہیں، میں نے کتنی مضبوطی سے سعید کا دامن پکڑ رکھا ہے اور مجھے یقین ہے وہ اسے کبھی نہیں چھڑائے گا، لیکن دلِ خانہ خراب، وہم وسوسہ پیدا کرتا ہے، وہ کہتا ہے جسے تو دامن سمجھ رہی ہے یہ کچا دھاگا ہے ایک ذرا سے جھٹکے میں ٹوٹ جائے گا، اور اگر یقین نہیں آتا تو کبھی اڑ کر، کبھی اکڑ کر، کبھی بگڑ کر دیکھ تو سہی، لیکن اسے کیا کروں کہ اس امتحان کی ہمت بھی نہیں پڑتی، ڈرتی ہوں، اگر وہ امتحان میں فیل ہو گیا تو ممکن ہے اس کا کچھ نہ بگڑے لیکن میں کہیں کی نہ رہوں گی لیکن آخر میرے دل میں یہ وسوسے آتے کیوں ہیں؟ اتنے اچھے، ایسے پاک باز اور اتنے مخلص آدمی کے بارے میں غلط اور ناقابلِ یقین باتیں سوچ کر میں اس کی توہین کر رہی ہوں، میں اپنی کمینگی کا ثبوت بہم پہنچا رہی ہوں!

سعید نے عابدہ کو یک بیک یوں جو کسی خیال میں محو اور مستغرق دیکھا، تو وہ سوچنے لگا آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ کیا ہو گیا ہے اسے؟ یہ باتیں کرتے کرتے کھو سی کیوں گئی؟ وہ کونسی ذہنی کشمکش ہے جو اس کے چہرے سے نمایاں ہو رہی ہے؟ کچھ دیر تک تو وہ خاموشی سے اس کی یہ کیفیت دیکھتا رہا، پھر اُس نے اُسے جھنجھوڑا۔

سعید:۔ آخر کیا سوچ رہی ہو عابدہ؟ تم اس وقت کہاں ہو؟

وہ چونک پڑی اور اپنی بے موقع محویت پر شرمندہ سی ہوئی، سعید نے اپنے سوال کا جواب نہ پاکر پھر پوچھا:۔

سعید:۔ آخر تم کہاں چلی گئی تھیں؟

عابدہ:۔ واہ جاتی کہاں، آپ کے پاس تو بیٹھی ہوں۔

سعید:۔ ہاں، بظاہر، لیکن حقیقتاً تم کہیں اور سیر کر رہی تھیں، تمھیں بتانا پڑے گا، کون سا خیال پریشان کر رہا تھا تمھیں؟

عابدہ:۔ کوئی نہیں، کوئی خاص بات نہیں، یونہی بعض وقت خیالات ستانے لگتے ہیں۔

سعید:۔ لیکن مجھے نہ بتاؤ گی؟

عابدہ:۔ کوئی بات ہو تو بتاؤں بھی!

سعید:۔ پھر بھی آخر کیا سوچ رہی تھیں؟

عابدہ:۔ سوچ رہی تھی آپ کتنے اچھے آدمی ہیں اور میں کتنی خراب بلکہ ذلیل ہوں!

سعید:۔ لاحول ولاقوۃ، ایسی باتیں نہ سوچا کرو۔ آؤ چلیں جلسہ میں، وہاں ہمارا انتظار ہو رہا ہو گا۔

(۷)

رات کی تاریکی میں!

عابدہ سعید کے ساتھ چل کھڑی ہوئی، رات بہت زیادہ تاریک ہوچکی تھی، یہ دونوں کتب خانہ سے نکلے اور اندھیرے میں ایک ویران اور سنسان راستے پر ہولئے، ٹیلوں، وادیوں، سڑکوں، گلیوں اور کوچوں کو طے کرتے ہوئے ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں پانی کے سرانا مارنے کی آواز آرہی تھی، عابدہ کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں ہے اس نے یہ آواز سنکر پریشانی کے لہجہ میں سعید کا ہاتھ زور سے پکڑ کر کہا۔

عابدہ:۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے!

سعید:۔ بس ساری ہمت کافور ہوگئی، تمھیں تو بڑا دعویٰ تھا اپنی جواں مردی پر!

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگا۔

عابدہ:۔ یہ باتیں چھوڑو، یہ بتاؤ ہم اس وقت کہاں ہیں؟

سعید:۔ بس یوں سمجھو منزلِ مقصود پر پہنچ گئے، بس اب چند قدم چلنے کے بعد وہیں ہوں گے!

سامنے نظر دوڑاتے ہوئے عابدہ نے ایک ادائے جاں نواز کے ساتھ کہا۔

عابدہ:۔ میں سمجھ گئی ہم کہاں ہیں یہ دریائے وادی الکبیر (دریائے قرطبہ) کی نہر نہیں ہے؟!

سعید:۔ ہاں، یہ وہی نہر ہے، اور وہ دیکھو، سامنے ایک کھنڈر سا نظر آرہا ہے۔ اسی کا ایک مضبوط و مستحکم کمرہ ہماری سازشوں، کارروائیوں اور تحریکوں کا مرکز ہے۔

عابدہ:۔ لیکن اب لوگ مجتمع بھی ہو گئے ہوں گے؟

سعید:۔ ہماری جماعت میں اتنا ایکا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ پارٹی ڈسپلن کے خلاف کوئی بات کر سکے، جو وقت مقرر ہے اس سے ایک منٹ پہلے تو پہنچنا ممکن ہے لیکن ایک منٹ کی تاخیر ہو جائے، یہ ناممکن۔

عابدہ:۔ لیکن یہ تو ارشاد فرمائیے، آپ وقت سے پہلے پہنچ رہے ہیں یا بعد؟

سعید:۔ بھئی مجھے تو تاخیر ہو گئی، لیکن پارٹی کا لیڈر جو شخص ہوتا ہے اس کے ساتھ رعایت کی جاتی ہے اور یہ تمھیں معلوم ہے کہ قیادت کا تاج خواہ مخواہ لوگوں نے میرے سر پر رکھ دیا ہے۔

عابدہ:۔ لیکن تمہارے سوا اس منصب کا اہل اور تھا بھی کون؟

سعید:۔ (ہنس کر) ہاں خیال تو میرا بھی یہی ہے!

اتنے میں یہ لوگ اس کھنڈر کے پاس پہنچ گئے، اندر داخل ہوئے تو سناٹا اور زیادہ بھیانک ہو گیا تھا، عابدہ سعید سے چمٹ گئی، سعید نے اس کے شانے پر اپنے ہاتھ رکھ دیے اور تیز تیز چلنے لگا، اب وہ کمرہ آیا جس کا ذکر ابھی ابھی سعید نے کیا تھا۔ کمرہ کے دروازہ پر پہنچ کر ایک خاص انداز میں سعید نے دستک دی، دفعتہً دروازہ کھلا اور ایک شخص نمودار ہوا۔ اس نے ادب سے گردن جھکا کر سعید کو خوش آمدید کہا اور دروازہ کھول دیا، سعید عابدہ کے ساتھ

اندر داخل ہوا، کمرہ حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، ایک ہلکی سی موم بتی جل رہی تھی، جس سے یہ تو اندازہ ہو جاتا تھا کہ آدمی کافی ہیں لیکن ان کی شکل وصورت کا پہچاننا ناممکن تھا، سعید کے ساتھ ایک خاتون کو دیکھ کر یہ لوگ متحیر ہوئے اس نے اس کی کیفیت کا اندازہ کر لیا اور کہا،

"دوستو!

یہ خاتون جو میرے ساتھ اس جلسہ میں تشریف لائی ہیں، ان کا نام عابدہ ہے۔ میں نے اپنی عمر میں ایسی شیر دل خاتون نہیں دیکھی۔ یہ ہمارے مقاصد سے پورے طور پر متفق ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے تن من دھن کی بازی لگانے کو تیار ہیں، انھوں نے ایک خاتون ہونے کے باوجود جس طرح ہماری پارٹی میں شرکت کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے مقاصد کس طرح اور کہاں کہاں رسائی حاصل کر رہے ہیں ——— اچھا اب جلسہ کی کارروائی شروع ہونی چاہیے"۔

سب سے پہلے ایک تنومند شخص اٹھا اور اس نے تقریر شروع کی، "ہم بڑے نازک دور سے گذر رہے ہیں، اگر اب بھی بیدار نہ ہوئے تو ہماری یہ غفلت موت کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، خلیفہ عبدالرحمٰن ناصر نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس منصب جلیل کا مستحق نہیں ہے۔ اس نے قوم اور ملک کو تباہی کے دروازے پر لا کر کھڑا کر دیا ہے ہر قیمت پر اس شخص کو راستہ سے ہٹانا چاہیے۔ یہی وہ شخص ہے جس

نے اسلام اور مسلمانوں کو ذلیل و رسوا کر رکھا ہے۔ ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ اپنے سردار سعید کے ایک اشارۂ چشم پر بڑے سے بڑا اور خطرناک سے خطرناک کام کر گزریں گے! مجھے امید ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ اپنی طرف سے بھی کہہ رہا ہوں اور آپ کی طرف سے بھی، الفاظ میرے ہیں لیکن آواز آپ سب کی ہے، میں غلط تو نہیں کہتا؟"

اس پر حاضرین نے پُرجوش اور پُرخروش طریقہ پر اس کی تائید شروع کی، جب شور و غوغا ذرا کم ہوا تو سعید نے عابدہ سے استدعا کی کہ آپ تشریف لائیے اور اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔ عابدہ کے لیے مردوں کے مجمع میں تقریر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا، لیکن بغیر کسی جھجک کے وہ سامنے آ کھڑی ہوئی اور تقریر شروع کر دی۔

"میں ایک ضعیف البیان، ضعیف العقل، اور ضعیف الفکر عورت ہوں، مجھے کوئی حق نہیں کہ آپ کو ابھاروں اور اکساؤں، لیکن ہم جس دور سے گذر رہے ہیں وہ اتنا نازک اور خطرناک ہے کہ اگر خوابِ غفلت سے نہ چونکے، اور حالات کا مقابلہ نہ کیا تو اس طرح تباہ ہوں گے کہ دنیا کے لیے عبرت بن جائیں گے۔ ہمارا خلیفہ، ناصر، ایک فضول خرچ اور ناکارہ اور سفلہ پرور شخص ہے، یہ وہ شخص ہے جس کی نظر میں غلاموں کی وقعت ہے، لونڈیوں کی عزت ہے، شریفوں اور نجیبوں کی کوئی وقعت نہیں، کوئی

قدر نہیں، خلیفہ ناصر نے اپنی داد و دہش سخاوت اور دریا دلی سے لوگوں پر سکہ بٹھا لیا ہے، شاندار اور فلک شکوہ عمارتیں بنا کر لوگوں کو مرعوب کر لیا ہے، لیکن ان فضول خرچیوں سے قوم کو اور ملک کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے، ابھی حال میں اس نے اپنی ایک لونڈی زہرا کے لیے ایک محل بنایا ہے، جس کی لاگت لاکھوں، کروڑوں اشرفیوں تک پہنچتی ہے، اس محل میں روز جتنی فضول خرچیاں ہوتی رہتی ہیں، ان کا اندازہ اس سے لگائیے کہ صرف محل کی مچھلیوں کے لیے ہر روز بارہ ہزار روغنی روٹیاں تیار کی جاتی ہیں، اور چھ من چنا روز صرف کیا جاتا ہے، محل میں خواجہ سراؤں کی تعداد ۱۳ ہزار کے قریب ہے، اسی طرح لونڈیوں کا حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ سات ہزار کے لگ بھگ ہیں، اس کے علاوہ ہاتھی گھوڑے، اونٹ، خچر وغیرہ ہزارہا ہزار کی تعداد میں ہیں، ان کے راتب پر ہر روز بے دریغ جو روپیہ صرف ہوتا ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

پھر ایک بات اور بھی یاد رکھیئے، ہم عرب جب تک سر بلند رہے دنیا کو فائدہ پہنچاتے رہے، لیکن اب عربوں کو حقیر و ذلیل کیا جا رہا ہے انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، ذمہ دار عہدے غلاموں اور خواجہ سراؤں کو تفویض کر دیئے جاتے ہیں اور عرب منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں، میں پوچھتی ہوں کیا یہ صورتِ حالات قابلِ برداشت ہے؟ کیا عربوں کی یہ مسلسل توہین گوارا کی جا سکتی ہے؟ (سب لوگ چیخ پڑے ہرگز نہیں) پھر جب بات یہ ہے تو ہم کیوں خاموش بیٹھیں، جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کیوں نہ کر گزریں، ہمارا اوّل و آخر مقصد صرف یہ ہے کہ خلیفہ ناصر اور اس کے ولی عہد حکم کو موت

کے گھاٹ اتار دیں، اس مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد، پھر ہم سوچیں گے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے اور نظامِ حکومت میں کس کس قسم کی تبدیلیاں عمل میں لانا ضروری اور ناگزیر ہیں۔

میں پھر کہتی ہوں کہ اگرچہ عورت ہوں، کمزور و ناتواں ہوں، ناکارہ اور نااہل ہوں، لیکن اپنی زندگی پر مجھے اختیار ہے اور وہ میں آپ کو سونپتی ہوں، میں جان دے دوں گی لیکن اس مقصد سے پیچھے نہیں ہٹوں گی، یہ میرا عہد ہے۔"

عابدہ کی اس تقریر نے حاضرین میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی، یہ معلوم ہوتا تھا بارود میں کسی نے آگ لگا دی ہے، لوگ مرنے مارنے اور کٹ مرنے پر تیار ہیں، اسی جوش و خروش کے عالم میں ایک نوجوان اٹھا اور اس نے سعید کے پاس آکر کہا،

"میں عہد کرتا ہوں کہ اصلاحِ حکومت کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی قربان کر دینے سے دریغ نہ کروں گا!"

پھر تو لوگوں کا تانتا بندھ گیا، ایک اُٹھا ایک بیٹھا، ایک آیا، ایک گیا جب بہت سی تقریریں ہو لیں تو خود سعید اُٹھا اس وقت اس پر ایک عجیب سرگشتگی کی کیفیت طاری تھی، اس نے کہا۔

"میرے دوستو! میرے ساتھیو! میرے بھائیو! میرے عزیزو!

واقعی یہ بڑی شرم کی بات ہوتی اگر ایک عورت اپنے جوش اور جذبہ میں آگے بڑھ جاتی، اور تم پیچھے رہ جاتے، اس سے بڑھ کر شرم اور توہین کا مقام کوئی نہیں ہو سکتا کہ مردوں کی رہنمائی عورتیں کریں لیکن تمہارے جوش و خروش اور

عزم واستقامت نے یہ بات مجھ پر واضح کر دی ہے کہ تم بھی جوش و جذبہ کے اعتبار سے کسی سے کم نہیں ہو، کسی سے پیچھے نہیں ہو۔ تمھارے اندر عزم ہے، ہمت ہے، حوصلہ ہے، جذبہ، دلیری اور شجاعت ہے تم وہ سب کچھ کر سکتے ہو، جو ہمارے پیشِ نظر ہے، لیکن دوستو ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ ہم باہر نکل کر کام کریں، اچھے سے اچھا مقصد بھی برباد ہو جاتا ہے، اگر اس کے حصول کا طریقہ غلط ہو، ہمیں جلد بازی سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اندازہ کر لیا۔ تم پیٹھ نہیں پھیرو گے، ہمّت نہیں ہارو گے، اور اب میں مطمئن ہوں اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہم ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے لیکن اقدام کب کیا جائے؟ عمل کا آغاز کب سے ہو؟ اسے میرے اوپر چھوڑ دو، میں حالات کا جائزہ لے رہا ہوں، جیسے ہی دیکھوں گا کہ مناسب وقت آگیا ہے تمھیں صدائے عمل دوں گا۔ میں تمھیں ایک بات اور بھی بتا دوں!

خلیفہ کی بے عنوانیوں اور غلط کاریوں سے صرف ہم ہی نالاں نہیں ہیں، وہ تمام لوگ نالاں، عاجز، اور پریشان ہیں، جن کے حقوق اس ظالمانہ حکومت میں تباہ ہو رہے ہیں، اور ان ستم کشوں میں خود خاندانِ خلافت کے افراد بھی ہیں، بات یہ ہے کہ غلاموں اور خواجہ سراؤں کو اتنا بڑھا دیا گیا ہے، اتنا سر چڑھا لیا گیا ہے۔ اس طرح حکومت کے تمام بڑے اور اعلیٰ مناصب انھیں سونپ دیئے گئے ہیں کہ اب ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ حکومت شریفوں اور نجیبوں کی نہیں، غلاموں اور خواجہ سراؤں

کی ہے، یہ بڑی بُری بات ہے لیکن ہمارے لیے فالِ نیک بھی ہے، اس چیز سے بھی ہم فائدہ اٹھائیں گے، اور جب وقت آئے گا تو تم محسوس کرو گے کہ تعاون اور اشتراک ان حلقوں سے اور ان اشخاص کی طرف سے ہو رہا ہے جن کی بظاہر کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، یہ خدا کا فضل ہے اور ہم اس فضلِ بے نہایت کے شکر گزار ہیں۔

یہ عمارتیں جو بن رہی ہیں، یہ محلات جو آئے دن تعمیر ہوتے رہتے ہیں یہ قصورِ شاہی جن کی بنیاد پر قوم کی گاڑھے پسینہ کی کمائی بے دریغ صرف ہو رہی ہے، بے شک ان سے خلیفہ ناصر کی شہرت میں اضافہ ہو رہا ہے لیکن یہ کھوکھلی شہرت ہے، حقیقی اور اصلی نہیں، اس کا باران لوگوں پر پڑتا ہے جو روز بروز مفلس سے مفلس تر اور غریب سے غریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔"

سعید کی اس تقریر کے بعد جلسہ برخاست ہو گیا اور لوگ اپنے اپنے مسکن کی طرف روانہ ہو گئے، سعید اور عابدہ پھر ساتھ ساتھ چلے اور راستہ میں سعید نے کہا،

سعید:۔ عابدہ میں تمھیں عرصہ سے جانتا ہوں، لیکن تمھاری اس خوبی کا تو مجھے آج اور صرف آج علم ہوا، کمال کر دیا بھئی!

عابدہ:۔ وہ کون سی خوبی ہے جس کا آپ ذکر فرما رہے ہیں؟

سعید:۔ خطابت؟ —— بخدا تم بڑی اچھی اور بہت بڑی خطیب ہو، تم بڑے بڑے مجمعوں سے جو کام چاہو لے سکتی ہو!

عابدہ :۔ (مسکرا کر) شکریہ، اب زیادہ تعریف نہ کیجئے ورنہ میں مغرور ہو جاؤں گی !

سعید :۔ تمھیں اپنے وجود پر اپنی شخصیت پر، اپنے اثر اور کشش پر غرور کرنے کا جائز حق ہے، تم کیا کچھ ہو اس کا اندازہ مجھے اب ہوا !

عابدہ :۔ اب آپ تو (گلی کی طرف اشارہ کر کے) ادھر مڑ جائیں گے، میں آگے جاتی ہوں اپنی قیام گاہ کی طرف ——— خدا حافظ۔

سعید گلی میں مڑ گیا، لیکن اندھیرے میں بھی عابدہ اس وقت تک اسے دیکھتی رہی جب تک اس کا سایہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

---

(۸)

دل سے باتیں

عابدہ کو رخصت کر کے، سعید اپنی قیام گاہ میں آیا اس وقت وہ کچھ متفکر اور پریشان سا نظر آرہا تھا، تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں، چہرے پر انقباض کے آثار ظاہر تھے وہ کمرہ میں آیا، شمع جل رہی تھی اسے اٹھا کر کونے میں رکھا، بستر پر لیٹ گیا، روز کا معمول یہ تھا کہ باہر سے آنے کے بعد شب خوابی کا لباس پہنتا تھا، پھر کسی کتاب کا مطالعہ کرتا تھا، پھر سو جاتا تھا، آج یہ سارے معمولات دھرے کے دھرے رہ گئے، شب خوابی کے لباس کی طرف توجہ بھی نہ کی، کسی کتاب کا مطالعہ بھی نہیں کیا، باہر جانے کا لباس پہنے پہنے لیٹ گیا۔ کچھ دیر تک کروٹیں بدلتا رہا، لیکن حال یہ تھا کہ کسی پہلو قرار نہیں تھا، کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا، کبھی کھڑا ہو جاتا تھا، کبھی ٹہلنے لگتا تھا، آخر وہ بستر سے اٹھا، اور اپنی مسند پر بیٹھ کر کاغذات کے ایک انبار کو الٹنے پلٹنے لگا، اس میں سے ایک تصویر ملی، یہ تصویر کسی دوشیزہ کی تھی، ہرن کی سی بڑی بڑی آنکھیں، ناگن کی سی بل کھائی ہوئی زلفیں، ستواں ناک، بلند پیشانی ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم، شرم و حیا اور ناز و ادا اور رعنائی و زیبائی کا ایسا دلنواز پیکر، جسے دیکھ کر آنکھیں آسودگی محسوس کرتی تھیں، سعید نے اس تصویر کو کلیجہ سے لگایا، پھر آنکھوں پر رکھا، پھر چوما اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اس نے اپنے آپ سے دل ہی دل میں گفتگو شروع کر دی۔

لوگ کہتے ہیں بے وفائی محبت کی قاتل ہے، کم از کم میری حد تک تو یہ قول بالکل غلط ہے، میں تجھے اب بھی چاہتا ہوں، میں تیرے لیے اب بھی اپنی زندگی داؤ پر لگا سکتا ہوں بلکہ لگا رہا ہوں، مجھے اے بے وفا، اب بھی تجھ سے اتنا ہی والہانہ عشق ہے جتنا پہلے تھا، میرے دل میں صرف تیری جگہ ہے۔ نہیں کسی اور کی نہیں، ہاں عابدہ مجھ سے محبت کرتی ہے، مجھ پر جان دیتی ہے لیکن اپنے دل کو کیا کروں؟ میں اس سے محبت نہیں کر سکتا میں اس سے اُلفت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ مانتا ہوں، وہ خوبصورت ہے، حسین و جمیل ہے، بانکپن اور طرحداری اس پر ختم ہے، بلا کی ذہین ہے، تعلیم یافتہ ہے، علوم و فنون پر وسیع نظر ہے، خطاط بڑی اچھی ہے، اتنا اچھا خط ہے، کہ یہ معلوم ہوتا ہے صفحۂ قرطاس پر موتی جڑ دیے ہیں، لیکن ان خوبیوں کے باوجود میں اس سے محبت نہیں کرتا، کر ہی نہیں سکتا، بلاشبہ اس پر یہ ظاہر کرتا ہوں، فریفتہ ہوں مر رہا ہوں اس پر، لیکن یہ جھوٹ ہے، میں بالکل اسے نہیں چاہتا، وہ میری آلۂ کار ہے، مجھے اس سے کام لینا ہے، اگر اس کی محبّت ٹھکرا دوں، اگر اسے منہ نہ لگاؤں اگر اسکی آس توڑ دوں تو اس وفاداری سے پھر وہ میری خدمت نہ کریگی میرے اشاروں پر کیوں چلیگی؟ وہ اگر مجھ سے خفا ہو جائے تو پھر میری اسکیموں کا کیا ہوگا؟ میری تدبیریں کس طرح کامیاب ہونگی؟ اور میں تجھے کس طرح حاصل کرونگا تجھے حاصل کرنے کے لیے میں اپنے آپ کو تباہ کر ڈالوں گا، عابدہ کو قربان کر دوں گا، قرطبہ کی حکومت کا تختہ اُلٹ دوں گا۔ ساری دنیا میں تہلکہ مچا دوں گا۔ لیکن تجھے حاصل کروں گا، تُو میری زندگی ہے۔ اگر تُو نہ ملی تو خدا کی خدائی تاراج کر دوں گا، اس دنیا سے زندگی کا حق چھین لوں گا اسے ہرگز زندہ نہ رہنے دوں گا۔

مجھے عابدہ پر ترس آتا ہے، وہ دیوانہ وار مجھ سے محبت کرتی ہے، کاش میں بھی

اس سے محبت کر سکتا، کاش میں اس کی محبت کی قدر کر سکتا، لیکن نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا، اُسے دیکھ کر مجھے ترس آجاتا ہے، مجھے اس سے ہمدردی ہے، لیکن محبت؟ نہیں بالکل نہیں، محبت تو میں کسی اور سے کرتا ہوں، اُس سے جس نے مجھے ٹھکرا دیا، جس نے مجھے فراموش کر دیا، جس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔

میں سوچتا ہوں، اگر کہیں عابدہ نے بھی محسوس کر لیا کہ میں اسے دھوکا دے رہا ہوں، میں اسے بے وقوف بنا رہا ہوں، میں اس سے ذرا بھی محبت نہیں کرتا، لیکن اب تک اسے تاریکی میں رکھے ہوئے تھا تو وہ میرے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی؟ اس کی نظر میں میری کیا وقعت رہ جائے گی؟ وہ مجھے کتنا حقیر اور ذلیل سمجھنے لگے گی؟ سمجھے، سمجھا کرے میں مجبور ہوں، میں اس سے محبت نہیں کرتا، کر ہی نہیں سکتا! میرا دل میرے قبضہ میں نہیں، میرے پاس نہیں، میرا نہیں، پھر میں کیا کر سکتا ہوں؟

ساری رات سعید نے انہی تخیلات میں گزار دی، ساری رات وہ یہی باتیں سوچتا رہا، کاغذات کے انبار سے جو تصویر نکلی تھی، بس اسی کو دیکھتا رہا، اسی سے باتیں کرتا رہا اسی کو چومتا اور پیار کرتا رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا جس دوشیزہ کی یہ تصویر ہے اس سے والہانہ محبت کرتا ہے، یہ تصویر دیکھ دیکھ کر اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی، یہ ایک ایسا مشغلہ تھا، جس سے اسے سیری نہیں ہوتی تھی، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

صبح کی روشنی دیکھ کر وہ چونک پڑا، جلدی جلدی اٹھا، غسل کیا، کپڑے بدلے، ناشتہ کیا اور اپنے کتب خانہ میں پہنچ گیا، ابھی دن کا آغاز ہوا تھا۔ کتب خانہ میں سعید نے پہنچتے ہی جوہر سے دریافت کیا

کوئی آیا تو نہیں تھا؟

وہ بولا،

میرے آقا، بھلا اتنے سویرے کون آئے گا؟ ذرا دن چڑھ لینے دیجئے، پھر تو تانتا لگ جائے گا لوگوں کا۔

سعید نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لینے لگا یہ کتاب نکالی، کچھ ورق الٹے اور رکھ دی، وہ کتاب اٹھائی، کچھ دیکھا بھالا، اور سیر ہو کر اسے پھر وہیں رکھ دیا جہاں سے اٹھایا تھا، یک بیک اس کی نظر ایک کتاب پر پڑی اور وہ اسے غور سے دیکھنے لگا، یہ کتاب علم نجوم سے متعلق تھی، سعید کو اس فن سے دلچسپی تھی، اس کے اصول اور مبادیات سے وہ واقف تھا، بلکہ ایک زمانہ میں تو وہ اس کے تجربے بھی کیا کرتا تھا، آخر اس نے کتاب اٹھائی اور اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا، اور باقاعدہ مطالعہ کرنے لگا، اتنے میں عابدہ آگئی، عابدہ سے وہ اس خوش اخلاقی اور تپاک سے ملا، گویا واقعی، وہ اس کا عاشق صادق اور محبتِ جانباز ہے، اس کے کسی انداز، کسی بات کسی طریقہ سے عابدہ یہ نہ محسوس کر سکی کہ اس کی محبت بناوٹ ہے تصنّع ہے، یہ رات کو کسی اور سے صرف ایک تصویر سے چاہت کا اظہار کر رہا تھا، اور کہہ رہا تھا میں عابدہ کو نہیں چاہتا، میں اس سے محبت کر ہی نہیں سکتا میرا دل میرا نہیں ہے، وہ کسی اور کا ہو چکا ہے۔ میں اپنے دل کو مجبور نہیں کر سکتا کہ اسے چاہے، اور اُسے نہ چاہے وہ جسے چاہے گا۔ میں بھی بیتابانہ اس سے محبّت کرنے لگوں گا!

عابدہ سے کچھ ادھر ادھر کی باتیں کرتے کے بعد سعید پھر کتاب کے مطالعہ میں منہمک

ہو گیا، کچھ دیر تک تو وہ یہ کیفیت دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا۔

عابدہ :۔ کیا پڑھ رہے ہیں آپ ؟

سعید :۔ ایک کتاب ہے۔

عابدہ :۔ اتنا تو میں بھی سمجھ سکتی ہوں لیکن یہ کیسی کتاب ہے جس نے آپ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر رکھا ہے ؟

سعید :۔ بڑی دلچسپ ———— یہ فنِ نجوم کے متعلق ہے۔ تمہارا زائچہ اگر میرے سامنے ہوتا تو اس کی مدد سے ساری گذشتہ اور آئندہ باتیں بتا دیتا۔

عابدہ :۔ شکریہ، لیکن نہ مجھے اس فن سے کوئی دلچسپی ہے، نہ ماضی اور مستقبل سے میں تو حال کی قائل ہوں اور اسی سے دلچسپی لیتی ہوں!

سعید :۔ اس لیے کہ اس فن سے ناواقف ہو۔ اگر ذرا بھی واقف ہوتیں تو سارے کام چھوڑ کر بس اسی ایک کام میں مشغول ہو جاتیں۔

عابدہ :۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے چلا جانا چاہیے!

سعید :۔ واہ یہ کیوں ؟

عابدہ :۔ اس لیے کہ آپ اس فن سے دلچسپی رکھتے ہیں اور ضرور یہ چاہتے ہوں گے کہ سارے کام چھوڑ کر بس اسی ایک کام میں مشغول ہو جائیں۔

سعید :۔ (ہنس کر) ضرورت سے زیادہ ذہانت اچھی نہیں ہوتی، بیٹھو، کہو رات کیسی گذری ؟

عابدہ :۔ بہت اچھی ———— لیکن آپ بھی تو اپنی خیریت سے مطلع کیجئے۔

سعید :۔ خدا کا شکر ہے، اچھا ہوں، تندرست ہوں، یہ سوال کیوں آیا تمھارے

ذہن میں؟

عابدہ:۔ آنکھیں سرخ ہورہی ہیں، چہرہ اترا ہوا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے، ساری رات جاگ کر گذاری ہے آپ نے؟

سعید:۔ (جھینپ کر) ہاں پہچانا تو تم نے خوب واقعی رات بھر سو نہ سکا۔

عابدہ:۔ کیوں؟ کیا بات ہوئی؟

سعید:۔ کچھ نہیں کھٹملوں نے پریشان کر رکھا تھا۔

عابدہ:۔ صرف کل؟ روز تو آپ اچھی طرح سوتے تھے؟

سعید:۔ تم نے تفجرح شروع کردی، بھئی آدمی ہوں، کبھی کبھی انسان زیادہ زود حس ہو جاتا ہے!

عابدہ:۔ اچھا یہ بتائیے، اب دوسرا جلسہ کب ہوگا؟

سعید:۔ فکر نہ کرو، جلد ہوگا، اس مرتبہ تم بھی چلوگی؟

عابدہ:۔ شوق سے۔

سعید:۔ بس تو لے چلیں گے تمھیں!

اتنے میں سعید کی نظر فقیہ ابن عبدالبر پر پڑی، وہ اسی طرف آرہے تھے، سعید خیر مقدم کے لیے سروقد کھڑا ہوگیا، عابدہ نے کچھ شرماتے ہوئے ادب و تعظیم کے ساتھ سلام کیا، فقیہ ابن عبدالبر نے سعید کے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر کہا۔

ابن عبدالبر:۔ یہ کون سی کتاب ہے آپ کے ہاتھ میں؟

سعید:۔ یہ علم نجوم کے متعلق ایک بڑی کارآمد اور مفید کتاب ہے — ملاحظہ کیجیے!

علامہ ابن عبدالبر نے کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالی اور سعید کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

ابن عبدالبر:۔ ہاں میں اس کتاب کا مطالعہ کر چکا ہوں، پرانی کتاب ہے اور اپنے فن پر بڑی اچھی کتاب ہے! ——— یہ آج معلوم ہوا کہ آپ کو بھی سحر اور نیرنجات کے فنون سے دلچسپی ہے خوب!

سعید:۔ جی ہاں ہے تو، آپ کے مقابلہ میں تو خیر بالکل نوآموز ہوں ورنہ اس فن سے مجھے خاصی دلچسپی ہے ——— کہیئے آپ نے اپنا خطبہ تیار کر لیا جو سفرا کے سامنے آپ کو دینا ہے۔

ابن عبدالبر:۔ خوب یاد رکھا بھئی، ہاں اسے تیار کر لایا ہوں!

سعید:۔ معرکہ کی چیز ہوگا!

ابن عبدالبر:۔ ہاں، کچھ نہ کچھ تو ہے، بڑی محنت کی ہے میں نے اس پر!

عابدہ:۔ ہمارے ایسے نصیب، کہاں کہ اسے سن سکیں؟

ابن عبدالبر:۔ اگر آپ سننا چاہیں تو میں سنا دوں؟

عابدہ:۔ نیکی اور پوچھ پوچھ! زہے قسمت، ضرور سنائیے!

فقیہ ابن عبدالبر نے جیب سے ایک کاغذ نکالا اور سنانا شروع کر دیا، واقعی خطبہ بڑا معرکہ آرا تھا، فصاحت و بلاغت، اسلوب و انداز، سلاست اور روانی ہر اعتبار سے بے مثل تھا، یہ خطبہ سننے کے بعد سعید نے کہا۔

سعید:۔ میں پیشن گوئی کرتا ہوں کہ اب قاضی القضاۃ کا منصب بلند آپ کے سوا کسی اور کو نہیں ملے گا۔

ابن عبدالبر :۔ تقدیری امور پر پیش گوئی کرنا حماقت ہے، جو خدا چاہے گا، وہ ہوگا، لیکن ذرا اپنے فنِ نجوم سے تو مشورہ کیجئے۔

سعید :۔ سیاروں کی رفتار اس دن کیا ہوگی، یہ ابھی نہیں بتایا جا سکتا، البتہ اگر جلسہ کی تاریخ معلوم ہو جائے تو بتایا بھی جا سکتا ہے۔

ابن عبدالبر :۔ وہ تو معلوم ہے' ۱۱ ربیع الاول،

یہ سن کر سعید نے کتاب کے ورق الٹے پلٹے، پھر چونک کر کہا۔

"آپ سچ کہتے ہیں؟"

ابن عبدالبر :۔ ہاں مجھے تو یہی معلوم ہے کہ استقبالیہ جلسہ ۱۱۔ ربیع الاول کو ہوگا؟ کیوں کیا اس دن ستاروں کی رفتار ٹھیک نہیں ہوگی؟

سعید : اس دن ستاروں کی رفتار صرف آپ کے موافق ہوگی، اب تک تو میں مذاق کر رہا تھا، اب سنجیدگی کے ساتھ دعویٰ کرتا ہوں کہ قاضی القضاۃ صرف آپ ہوں گے، اور کوئی نہیں ہو سکتا —— لیکن اس دن اس خاکسار کو فراموش نہ کر دیجئے گا!

ابن عبدالبر :۔ بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہیں؟ آپ کو بھولنے کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنے آپ کو بھول جاؤں!

سعید :۔ استقبالیہ جلسہ میں میرے شریک ہو سکنے کی بھی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟

ابن عبدالبر :۔ کیوں نہیں ہو سکتی ہم لے چلیں گے۔

سعید :۔ تو میں کہاں تلاش کروں اس روز آپ کو؟

ابن عبدالبر :۔ دریائے وادی الکبیر کے کنارے باب الجناں کے پاس جو مسجد ہے،

وہ دیکھی ہے ؟

سعید:۔ جی ہاں کئی مرتبہ وہاں نماز پڑھ چکا ہوں !

ابن عبدالبر:۔ بس تو میں وہیں ملوں گا ، وہی قصرِ زہرا میں جانے کا قریب ترین راستہ ہے !

بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ یاسر آگیا، خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کا خواہرِ سرا، سعید اور ابن عبدالبر دونوں اس سے تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ ملے، یاسر نے عابدہ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا، وہ اس کے حسن وجمال اور رعنائی کو دیکھ کر ششدر رہ گیا، ابن عبدالبر نے عابدہ کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"یہ بڑی قابلِ قدر خاتون ہیں، علوم وفنون میں ماہر، فنِ خطاطی میں تو اپنا جواب نہیں رکھتیں، زبان دانی میں اپنی مثال آپ، حسن وجمال میں بے نظیر، رعنائی وزیبائی میں بدرِ منیر، ہمہ صفت موصوف۔"

عابدہ نے شرما کر سر جھکا لیا، یاسر ان باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے عابدہ کے بارے میں پوچھا۔

یاسر:۔ کیا یہ شعروشاعری سے بھی کچھ دلچسپی رکھتی ہیں ؟

سعید بول پڑا۔

"دلچسپی ؟ اجی جناب اس فن میں تو یہ یکتا ہیں !

یاسر:۔ واقعی تعجّب کی بات ہے !

ابن عبدالبر:۔ ہاں اس لیے کہ قرطبہ میں ایسی عورتیں کم ہیں !

یاسر:۔ حرم سرا میں ایک زہرا کو چھوڑ کر کوئی عورت ایسی نہیں، جسے ایک

شعر بھی ڈھنگ کا یاد ہو۔

سعید:۔ انھیں تو بلا مبالغہ ہزاروں شعر یاد ہوں گے!

یاسر:۔ بڑی خوشی ہوئی یہ سن کر، ہمارے امیرالمؤمنین کو شعر و شاعری سے بڑی دلچسپی ہے، سچ پوچھو تو زہرہ سے اتنی والہانہ محبت کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کی ہم مذاق ہے، ایسے ایسے اشعار سناتی ہے کہ کچھ نہ پوچھو، امیرالمؤمنین عبدالرحمٰن الناصر تو اس کے ایک ایک شعر پر پھڑک جاتے ہیں اور نقد جاں نثار کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

سعید:۔ اگر یہ بات ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ زہرہ ہماری عابدہ کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔

یاسر:۔ یہ تو ماننا ہی پڑتا ہے، کہاں یہ کہاں زہرہ!

اپنی تعریف کی باتیں سُن کر عابدہ اتنی شرمائی کہ اس کے لیے یہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا چنانچہ وہ دوسرے کمرہ میں چلی گئی، اس کے جانے کے بعد زیادہ آزادی کے ساتھ اس کے بارے میں بات چیت ہونے لگی۔

یاسر نے کہا،

یاسر:۔ میں تو ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ زہرہ کو اگر کوئی شکست دے سکتا ہے تو وہ صرف عابدہ ہے۔

سعید:۔ یہ تو مشکل نظر آتا ہے، وہ دیہی ہے!

یاسر:۔ نہیں بھائی میں نے خلیفہ کی محبوبہ زہرہ کو دیکھا ہے، روز دیکھتا ہوں، یقین کرو حسن و جمال کے اعتبار سے بھی عابدہ زہرہ سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔

سعید:۔ تمہاری باتوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اسے حرم سرائے سلطانی میں پیش کرنا چاہتے ہو؟

یاسر:۔ تم غلط نہیں سمجھے!

سعید:۔ لیکن ارادہ کہاں کا ہے؟

یاسر:۔ اس سوال کا مطلب میں نہیں سمجھا!

سعید:۔ پوچھنے کا مقصد یہ ہے کہ اسے ناصر کے حضور میں پیش کرنا چاہتے ہو، یا امیر عبداللہ کی بارگاہ میں؟

یاسر نے آنکھ کے اشارہ سے سعید کو منع کیا کہ فقیہ عبدالبر کے سامنے وہ ایسی باتیں نہ کرے، چنانچہ وہ خاموش ہو گیا اور ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں، تھوڑی دیر کے بعد فقیہ ابن عبدالبر بھی اپنے مطالعہ کے کمرے میں تشریف لے گئے، ان کے جانے کے بعد بڑی دیر تک یاسر سعید سے سرگوشی کرتا رہا، کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے لیکن سعید کے چہرہ کی بشاشت بتا رہی تھی کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سعید کے لیے خوش آئند اور مسرت بخش ضرور ہے، کیونکہ اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں!

(۹)

قرطبہ کی آرائش!

آج کیا بات ہے کہ قرطبہ دُلہن کی طرح آراستہ پیراستہ نظر آرہا ہے۔ ہر طرف چہل پہل نظر آرہی ہے، رونق اور گہما گہمی کی یہ کیفیت ہے کہ کھوے سے کھوا چھل رہا ہے، اور قصرِ زہرا کی آرائش وزیبائش کا تو کوئی ٹھکانا نہیں، خوش منظر قندیلیں جا بہ جا لٹک رہی ہیں۔ جھاڑ اور فانوس اپنی ضیا گستری سے آنکھوں کو چکا چوند کر رہے ہیں، اس محل کے سبک اور خوش قطع مکانات اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ چمن بندی نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی ہے۔ پھول مہک رہے، کلیاں کھل رہی ہیں۔ گل بوٹوں کی کثرت نظر کو حیران کئے ہوئے ہے، درختوں پر وجد کی کیفیت طاری ہے، نہروں میں صاف شفاف پانی اس طرح لہریں مار رہا ہے جیسے سانپ!

اس محل کے کئی پھاٹک تھے، اور ہر پھاٹک کا الگ الگ نام تھا، ان کے سامنے بلند و بالا، مضبوط اور مستحکم چبوترے تھے جن پر خوش گذران لوگ آکر بیٹھا کرتے تھے، سامنے دریائے وادی الکبیر کا پُل تھا۔ انسانی صنعت اور ہنر مندی کا یہ بہترین نمونہ تھا۔ اس کا طول آٹھ سو گز اور عرض دو سو گز تھا۔ اس پل پر اُنیس برج بنے ہوئے تھے جن کی خوشنمائی اور نظر فریبی نے منظر کے حسن میں چار چاند لگا دیے تھے۔

سعید کی قیام گاہ قرطبہ کے جنوبی حصہ میں واقع تھی۔ محل میں داخل ہونے

کے لیے اس طرف کے آنے والوں کو پُل بہر حال عبور کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ یوم موعود، اور وقت مقررہ پر عالمانہ سج دھج میں سعید اپنے خچر پر سوار ہوا اور قصر شاہی کی طرف چل پڑا۔ اندلس میں خچر کی سواری دولت مندوں اور مالداروں کے لیے مخصوص تھی، سعید جب پل پر پہنچا تو اس نے دیکھا ایک خلقت ہے کہ سفرائے قسطنطنیہ کے استقبالی جلسہ میں شرکت کے لیے اُمڈی آرہی ہے۔ بڑی مشکل سے پل کو عبور کر کے اس چبوترہ پر پہنچا۔ یہاں لوگوں کے انبوہ در انبوہ جمع تھے، جتنا جتنا سفیروں کی آمد کا وقت قریب آتا جاتا تھا اتنا اتنا ہجوم بڑھتا جاتا تھا، جیسے جیسے سعید اس ہجوم سے گذر کر مسجد میں پہنچا، وہاں اس نے خوب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر فقیہ عبدالبر نظر نہ آئے عین اس وقت جب وہ مایوسی کے عالم میں واپس جا رہا تھا، ایک چوبدار افتاں و خیزاں اس کی تلاش میں سرگرداں نظر آیا، جیسے ہی وہ سعید کے قریب پہنچا اس نے کہا۔

"میرے آقا ابن عبدالبر نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔"!

سعید کی جان میں جان آئی اُس نے کہا۔

"لیکن وہ خود کہاں ہیں؟"

وہ بولا:۔

"بڑی دیر تک انہوں نے یہاں آپ کا انتظار کیا۔ جب آپ کسی طرح نہ آئے تو پھر وہ اپنی دولت سرا میں تشریف لے گئے اور وہیں آپ کے منتظر ہیں!

سعید جھنجلا گیا۔

"لیکن ہمیں تو آج کا جلسہ دیکھنا تھا۔ فقیہ کے گھر پر دعوت کھانے تو ہم نہیں آئے ہیں!"

چوبدار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے آقا آپ تشریف لے چلیں وہاں —— وہاں سے جلسہ کا منظر بہت اچھی طرح نظر آئے گا۔"

اب سعید نے بحث و گفتگو غیر ضروری سمجھی اور چوبدار کے ساتھ ہولیا، واقعی فقیہ ابن عبدالبر اس کے انتظار میں ٹہل رہے تھے، اسے دیکھتے ہی لپکے اور پُرتپاک طور پر اس کا استقبال کرتے ہوئے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

ابن عبدالبر:۔ —— بہت انتظار کرایا آج آپ نے۔

سعید:۔ لیکن غور تو کیجئے، آج سارا قرطبہ اُمنڈ پڑا ہے، کیا کروں؟ راستہ چلنا دشوار ہو رہا تھا۔

ابن عبدالبر:۔ خیر تو کوئی مضائقہ نہیں، آپ کی یہ زحمت رائگاں نہ جائے گی، آج کا جلسہ واقعی قابل دید ہے آپ بہت محظوظ ہوں گے، اور یہاں سے خوب جی بھر کر دیکھ سکیں گے۔

سعید کو لے کر فقیہ ابن عبدالبر اپنی اقامت گاہ کے ایک ایسے حصہ میں لے گئے جہاں سے محل کی ساری چہل پہل نظر آرہی تھی۔ سپاہیوں کا اِدھر سے اُدھر دوڑنا۔ غلاموں کا پہرہ، حبشیوں اور ترکوں کی صف بندی،

فقیہ ابن عبدالبر نے پوچھا،

"کہئے دیکھ رہے آپ اچھی طرح سے ——؟"

سعید نے کہا۔

جی ہاں دیکھ رہا ہوں، لیکن میں تو اس جلسہ میں باقاعدہ شرکت چاہتا ہوں!

ابنِ عبدالبر نے مُسکرا کر کہا۔

" آئیے میں آپ کو اچھی طرح سیر کراتا ہوں!

---

(۱۰)

شاندار منظر!

فقیہ ابن عبدالبر نے سعید سے راستہ چلتے چلتے کہا۔

"ذرا شمال کی طرف تو ایک نظر ڈالو!"

سعید نے گردن موڑ کر دیکھا تو عجیب دل افروز اور روح پرور منظر اُسے دکھائی دیا، چھوٹے چھوٹے نازک اور سبک محل ایک قطار میں ایسے دلکش نظر آ رہے تھے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ پھر ان میں باغیچوں کی کثرت نے اور زیادہ زیبائی اور دلکشی پیدا کر دی تھی، نہروں میں صاف شفاف پانی جھل مل جھل مل کر رہا تھا، نقرئی اور طلائی حوضوں کی جگمگاہٹ عجیب سماں پیدا کر رہی تھی، ان حوضوں میں شیر اور دوسری قسم کے مجسمے موجود تھے جن کے منہ سے فوارے ابل رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر سعید نقشِ حیرت بن گیا۔

ابن عبدالبر:۔ میرے دوست کیا بات ہے تم تو ایسا معلوم ہوتا ہے کھو گئے!

سعید:۔ (چونک کر) آپ نے صحیح فرمایا، یہ منظر ہر شخص کو تصویرِ حیرت بنا دینے کے لیے کافی ہے۔

ابن عبدالبر:۔ (مسکرا کر) یہ جنت کا ٹکڑا ہے، قصر زہرا نہیں۔

سعید:۔ بے شک یہی معلوم ہوتا ہے، ہم جنت میں ہیں، جنت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی۔ جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

ابن عبدالبر:۔ یہی خیال میرا بھی ہے،

اگر فردوس بر روئے زمین است!

ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است!

خدا امیرالمؤمنین کی عمر دراز کرے، انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں ایسی شاندار اور عظیم المرتبت عمارتیں بنا کر دنیا کو ششدر کر دیا ہے۔

سعید:۔ واقعی، باہر سے جو لوگ یہاں آتے ہیں وہ مرعوب ہو کر جاتے ہوں گے!

ابن عبدالبر:۔ تم نے سفیروں کو ابھی تک نہیں دیکھا، میں دیکھ چکا ہوں، اتنے مرعوب نظر آتے ہیں کہ کچھ نہ پوچھو!

سعید:۔ یہ تو بتائیے، ان نہروں میں، حوض میں، فواروں میں پانی کہاں سے آتا ہے؟ میرا خیال ہے دریا سے آتا ہوگا؟

ابن عبدالبر:۔ آج معلوم ہوا، تم اتنے تعلیم یافتہ اور واقفِ اسرار و رموز ہونے کے باوجود ضرورت سے زیادہ سادہ لوح اور بھولے ہو!

سعید:۔ یہ کیوں جناب؟

ابن عبدالبر:۔ ارے بھائی، ذرا سوچو تو دریا کا پانی اتنی بلند جگہ پر کیونکر پہنچ سکتا ہے؟ کیا سیڑھیاں لگا کر؟

سعید:۔ تو پھر یہ کیا راز ہے؟ پانی کہاں سے آرہا ہے؟

ابن عبدالبر:۔ یہ پانی پہاڑوں سے آرہا ہے، یہ دیو پیکر اور سر بفلک پہاڑ جو تمھیں نظر آرہے ہیں نا؟ یہیں سے!

سعید:۔ لیکن کیونکر؟ میری سمجھ میں تو یہ بات اب تک نہیں آئی!

ابن عبدالبر:۔ یہ پانی سیسہ کی نالیوں کے ذریعہ آرہا ہے!

سعید:۔ اچھا یہ بات ہے؟ اب میں سمجھا لیکن اس طرح تو بے دریغ روپیہ صرف ہوگیا ہوگا؟

ابن عبدالبر:۔ اس میں کیا شک ہے، خود ہی غور کرلو، چٹانوں کو توڑنے، کھودنے، سیسہ کی نالیوں کو بنوانے اور نصب کرانے میں کتنا روپیہ خرچ ہو گیا ہوگا۔ لگا سکتے ہو حساب؟

سعید:۔ جی نہیں! اتنی بڑی رقم کا حساب کون لگا سکتا ہے!

ابن عبدالبر:۔ پھر ان تصویروں کو دیکھو کیسی نادر ہیں، ان مجسموں پر نظر ڈالو، کیسے عجیب و غریب ہیں، ان مورتوں کو دیکھو کیسی دلفریب ہیں۔

سعید:۔ جی ہاں دیکھ رہا ہوں۔ اور خدا کی قدرت یاد کر رہا ہوں۔ لیکن اگر آپ اجازت دیں تو ایک سوال کروں؟

ابن عبدالبر:۔ شوق سے، بے تکلّف پوچھو؟

سعید:۔ ان تصویروں اور مجسّموں کو امیرالمومنین نے کیسے جائز سمجھ لیا، ضرور آپ سے فتویٰ لے کر سب کچھ کیا ہوگا۔!

ابن عبدالبر:۔ بے وقوف ہو تم تو، ایسی باتوں میں دل کا فتویٰ لیا جاتا ہے عالمِ دین سے فتویٰ نہیں لیتے۔

اتنے میں پل کی طرف سے شور و غوغا کی آوازیں شدّت کے ساتھ بلند ہونا شروع ہوئیں، دونوں نے مڑ کر اس طرف دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ سفیروں کا جلوس آرہا ہے، اور خلقت بے تابی کے ساتھ انھیں دیکھنے کے لیے ٹوٹی پڑ رہی ہے،

ہر ایک اس فکر میں ہے کہ وہ سب سے آگے پہنچ جائے اور بہ چشمِ خود جلد از جلد سفیروں کا نظارہ کرلے۔ ساتھ ساتھ زرق برق پوشاکوں میں ملبوس فوج کے نوجوان شاندار گھوڑوں پر سوار گشت کر رہے تھے۔ کچھ شہر کی آرائش، کچھ اسلامی فوج کا باوقار انداز، کچھ شاہی محلات کی شوکت، کچھ قصرِ زہرا کا ناقابلِ مثال نظارہ، ان سب چیزوں نے واقعی سفیروں کو مرعوب کر رکھا تھا، ان کے چہروں سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس جاہ وجلال کے منظر سے بہت زیادہ مرعوب ومتاثر ہوئے ہیں اور شاید عبدالرحمٰن الناصر کا مقصد بھی یہی تھا!

فقیہ ابن عبدالبر نے سعید سے کہا۔

ابن عبدالبر:۔ کیوں جناب آپ کچھ سمجھے بھی کہ اس شان وشکوہ سے مقصد کیا ہے امیر المومنین کا؟

سعید:۔ بتائیے، میری سمجھ میں تو کوئی خاص بات نہیں آئی۔

ابن عبدالبر:۔ آپ دیکھ رہے ہیں، سڑک پر دورویہ سواروں کی صفیں ایستادہ ہیں، حبشی اور ترکی غلام فوق البھڑک اور شاندار لباس میں ملبوس ہر ہر قدم پر کھڑے ہیں، طرح طرح کی چیزیں ان کے ہاتھ میں ہیں، ان سب باتوں کا مقصد یہ ہے کہ ان سفرا پر ہمارا رعب بیٹھے۔

سعید:۔ میرے خیال میں ان بیچاروں پر ضرورت سے زیادہ رعب بیٹھ چکا ہے مجھے تو ترس آنے لگا ہے ان کی قابلِ رحم حالت دیکھ کر!

ابن عبدالبر:۔ (ہنس کر) بات تو یہی ہے —— دیکھتے ہو پل پر غلامان مشکیں کمند کی صفیں کس شان سے کھڑی ہیں۔ باب العنان پر دیکھو کیسے شاندار پھریرے

لہرا رہے ہیں، اور فوج کے سوار جو اپنے قد و قامت کے لحاظ سے مرعوب کن ہیں کس شان اور تجمّل سے کھڑے ہوئے ہیں، وُہ دیکھنا دوسرے دروازے پر تیر اندازوں کا پرا کھڑا ہے، جو کمان اور ترکش کاندھے پر لٹکائے تصویر جلال بنے کھڑے ہیں۔

سعید :۔ ہاں عجیب نظارہ ہے!

ابن عبدالبر:۔ جب ہم لوگ جو اپنے ہیں مرعوب اور دہشت زدہ ہوئے جا رہے ہیں تو دوسروں کا جو یہاں کے رہنے والے نہیں کیا حال ہوگا!

سعید :۔ وہ تو دیکھ رہے ہیں۔

ابن عبدالبر :۔ آؤ چلیں!

سعید :۔ ہاں چلئے اب ہمیں جلسۂ خیر مقدم میں پہنچنا چاہیئے، اگر دیر ہوگئی تو پھر ٹھیک جگہ نہیں ملے گی، اور سارا مزا کرکرا ہو جائے گا۔

ابن عبدالبر :۔ بڑے جلد باز ہو بھئی، جلسہ کی فکر تم سے زیادہ مجھے ہونی چاہیئے، میری تو تقریر ہے!

سعید :۔ تو پھر چلئے۔

ابن عبدالبر :۔ پھر وہی اصرار۔

سعید :۔ مجھے ڈر ہے جلسہ نہ شروع ہو جائے۔

ابن عبدالبر :۔ بغیر میرے پہنچے ہوئے جلسہ کیسے شروع ہو سکتا ہے۔

سعید :۔ لیکن سفرا تو وہاں پہنچ چکے ہیں!

ابن عبدالبر :۔ پہنچ جانے دو، ہم تمھیں ایسے راستے سے لے چلیں گے کہ سب سے

پہلے وہاں پہنچیں گے۔

پھر فقیہ ابن عبدالبر نے سعید کو کچھ دیر تک سیر کرائی، اور اس کے بعد ایک خچر کو چھوڑ کر آگے روانہ ہوئے، سعید پر محل کے مناظر سے حیرت طاری تھی۔ ابن عبدالبر نے کہا،

"تم ان معمولی محلات کو دیکھ کر اتنے حواس باختہ ہو رہے ہو، جب قصرِ زہرا کو دیکھو گے تو شاید بے ہوش ہو جاؤ!"

سعید:۔ قصرِ زہرا، کیا ان محلات سے اچھا ہے؟

ابن عبدالبر:۔ ارے میاں، قصرِ زہرا کے سامنے تو جنت بھی ہیچ ہے۔ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے، ایک معمولی بات وہاں کی یہ ہے کہ متعدد عمارتیں سونے اور چاندی کی ہیں۔

سعید:۔ (نفرت سے) کیا امیر المومنین کے لیے یہ جائز ہے کہ سونے چاندی کے محلات میں رہیں!

ابن عبدالبر:۔ یہ بحث پھر کریں گے، آؤ، واقعی کافی دیر ہو گئی ہے!

---

(۱۱)

قصرِ زہرا!

آخر مختلف محلوں، باغیچوں اور دل آرا سبزہ زاروں کی سیر کرتے ہوئے سعید اور نقیبہ ابن عبدالبر خاص قصرِ زہرا میں داخل ہوئے، یہ محل واقعی ہر اعتبار سے یکتا اور بے نظیر تھا اس کی دیواروں پر اس خوبی سے میناکاری کی گئی تھی اور چھتوں پر اس ہنرمندی سے نقش و نگار بنائے گئے تھے، کہ دیکھ کر آدمی عش عش کر اٹھتا تھا، قدم قدم پر ہر طرح کے مجسمے نظر آتے تھے، ان کا آرٹ اتنا مکمل تھا کہ معلوم ہوتا تھا، بس اب بولا ہی چاہتے ہیں، یہ سارا منظر ایسا حسین، نظر فریب اور دلربا تھا کہ قدم آگے بڑھنے کی بجائے ٹھٹھک کر رہ جاتے تھے، جی چاہتا تھا یہیں ٹھہرے رہو اور انسان کی ہنرمندی اور صنعت گری کا اوج و کمال دیکھتے رہو۔

محل کے ہر چہار طرف ان گنت خادم دربان اور چوبدار طرح طرح کے خوشنما اور قیمتی وردیوں میں ملبوس بڑی مستعدی اور چوکسی سے اپنے فرائضِ منصبی انجام دے رہے تھے، کمر میں سنہرا پٹکا، پٹکے میں جڑاؤ خنجر، ٹوپیوں پر طرّے کی طرح کلغی لگی ہوئی جو ہوا میں لہراتی ہوئی بڑی اچھی معلوم ہوتی تھی، یہ منظر دیکھ کر سعید دہشت زدہ سا ہو گیا اس کی سٹی گم ہو گئی، وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ جب قصرِ زہرا کی دلکشی اور زیبائی کا باہر سے یہ عالم ہے تو اندر سے تو نہ جانے یہ کیا چیز ہو گا، جہاں اس وقت قسطنطنیہ کے سفیر اور دوسرے ممالک کے نمائندے رونق افروز ہوں گے، وہ یہ سوچ ہی رہا تھا

کہ ایک خادم دوڑتا ہوا فقیہہ ابن عبدالبر کے پاس آیا۔ وہ جانتا تھا، فقیہہ صاحب شہزادہ عبداللہ کی ناک کے بال ہیں، امیرالمومنین بھی ان کے علم و فن کے قائل تھے، شہر میں بھی ان کی بڑی مان دان ہے۔ اس نے بڑے ادب و احترام کے ساتھ کہا۔

"آئیے اندر تشریف لے چلیئے"۔

فقیہہ عبدالبر نے سعید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن میرے ساتھ میرے ایک دوست بھی ہیں"

اس نے عرض کیا۔

"تو کیا ہوا؟ آپ کے ساتھ جو بھی آئے، وہ آسکتا ہے، کس میں ہمت ہے کہ آپ سے بازپرس کر سکے، یا اس سے کسی قسم کی پوچھ گچھ کرنے کی جرأت کرے؟ آئیے تشریف لائیے"!

یہ سن کر فقیہہ صاحب تبسم کناں آگے بڑھے، سعید بھی کان دبائے ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا، سنگِ مرمر کی سیڑھیاں طے کر کے یہ لوگ ایک ایوان میں پہنچے یہ ایوان اپنی سجاوٹ اور آرائش کے اعتبار سے خاص طور پر قابلِ دید تھا، فرشِ زمین پر نہایت اعلیٰ درجہ کے قالین اور غالیچے بچھے ہوئے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے نشست گاہیں نصب تھیں، کمرہ کے وسط میں تخت شاہی بچھا ہوا تھا، اس پر موتی، ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کا کام کیا ہوا تھا، تخت پر ایک چتر تھا، یہ بھی ہیروں اور موتیوں کی آب و تاب سے جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا، نظر کا ٹھہرنا محال تھا، سونے اور چاندی کی انگیٹھیوں میں عود اور عنبر سلگ رہے تھے، ابھی تک امیرالمومنین خلیفۃ المسلمین عبدالرحمٰن الناصر تشریف فرما نہیں ہوئے تھے،

انہی کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ اور اس وجہ سے لوگ اب تک اپنی اپنی نشستوں پر نہیں بیٹھے تھے، یہ دونوں بھی ایک جگہ کھڑے ہو گئے اور خاموشی سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ دفعتہً سعید کی نظر یاسر پر پڑی۔ سعید نے اشارہ سے اسے بلایا، وہ قریب آیا تو کہا۔

سعید:۔ یہاں تک تو فقیہ کے ساتھ میں پہنچ گیا اب تم دستگیری کرو تو کام بنے!

یاسر:۔ میں ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔

سعید:۔ تو بس کسی طرح، اندر قصرِ شاہی کے پاس بٹھا دو۔

یاسر:۔ معاف فرمائیے گا، یہ نہیں ہو سکتا، جب تک امیر المومنین تشریف فرما نہ ہو جائیں کوئی بھی ادھر نہیں جا سکتا، ورنہ مجھے کوئی عذر نہ تھا۔

سعید:۔ تو پھر مجھے یہیں کھڑا رہنا چاہیے!

یاسر:۔ میں کیا عرض کر سکتا ہوں ـــــ ہاں ایک بات ہو سکتی ہے۔

سعید:۔ وہ کون سی بات؟ کہو شاید مطلب برآری کی کوئی صورت نکل سکے۔

یاسر:۔ میرے خیال میں بہتر یہ ہو گا کہ آپ وہ سامنے جو دروازہ نظر آ رہا ہے، وہاں چلیے، وہاں سے سب کچھ آسانی کے ساتھ نظر آئے گا۔ پھر جب امیر المومنین تشریف لے آئیں، تب آپ بھی سب کے ساتھ اندر آ کر فقہا اور علما کی صف میں آرام سے بیٹھ جائیے گا۔

سعید:۔ فقہا اور علما کی صف میں مجھے کس طرح جگہ مل سکے گی؟

یاسر:۔ بڑی آسانی سے، آخر آپ تنہا تو ہیں نہیں، فقیہ ابن عبدالبر آپ کے ساتھ ہیں!

سعید نے یاسر کی اس ترکیب پر عمل کیا اور دوسرے دروازہ پر پہنچ گیا۔ واقعی وہاں سے سارا منظر دکھائی دے رہا تھا، اور رہر آئیند و روند کا نظارہ ہو رہا تھا۔ اتنے میں مجمع کے اندر ایک ہلچل سی پیدا ہوئی، خواجہ سرا اور غلام مستعد ہو کر اپنی اپنی جگہ پر ایستادہ ہو گئے۔ سعید نے نظر اٹھا کر دیکھا، تو فقیہ ابن عبدالبر بھی گھبرائے ہوئے نظر آنے لگے، اس نے پوچھا۔

سعید:۔ کیا بات ہے آپ کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہیں!

ابن عبدالبر:۔ ہاں امیر المؤمنین تشریف لا رہے ہیں۔

سعید:۔ تو آپ مضطرب کیوں ہیں؟

ابن عبدالبر:۔ نہیں کوئی خاص بات نہیں، اب جلسہ کی کارروائی بہت جلد شروع ہونے والی ہے!

سعید سمجھ گیا، یہ اضطراب اس خطبہ کے سلسلے میں ہے، جو فقیہ ابن عبدالبر آج کے اجتماع میں دینے والے ہیں۔ اتنے میں واقعی امیر المؤمنین کی سواری آگئی، خلیفہ عبدالرحمٰن ناصر کا رنگ گورا تھا رخساروں پر خون کی سُرخی جھلک رہی تھی، آنکھیں نیلگوں تھیں لیکن ان میں ذہانت اور فراست کی چمک تھی۔ چہرہ سے داب شاہی اور جلالِ شہر یاری ہویدا تھا۔ ماتھا چوڑا۔ آواز باوقار، اس کا لباس مرصع اور سج دھج بالکل وہی تھی جو کسی زمانہ میں خلفائے بنو اُمیہؓ کی ہوا کرتی تھی، اس کے ہاتھ میں عصا تھا، جسے ٹیکتا ہوا خراماں خراماں حاضرین کے سلام کا جواب دیتا۔ اور مسکراتا آگے بڑھ رہا تھا، اگرچہ وہ بوڑھا ہو چکا تھا لیکن ذہانت اور شگفتہ مزاجی اس کی ایک ایک حرکت سے نمایاں تھی۔

سعید ہکّا بکّا خلیفہ کی صورت دیکھ رہا تھا، اس نے ذہن میں خلیفہ کی بہت سی تصویریں بنا رکھی تھیں، لیکن یہ تصویر کسی سے مشابہ نہیں تھی، اس صورت میں اور ذہن کی بنائی ہوئی تصویروں میں زمین و آسمان کا فرق تھا، اس میں رُعب تھا، جلال تھا، جاذبیت تھی، کشش تھی، وہ خلیفہ کے بارے میں بہت بری رائے رکھتا تھا۔ اس کی جان لینے کا تہیّہ کر چکا تھا، اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کی خفیہ جدوجہد کر رہا تھا لیکن آج جب اُس نے خلیفہ کو دیکھا تو وہ مرعوب ہو گیا۔ اس کے عزائم اب بھی قائم تھے، اس کے ارادوں میں کسی طرح کا تزلزل نہیں تھا، اس کا پروگرام وہی تھا، جو وہ طے کر چکا تھا، لیکن یہ سب چیزیں اپنی جگہ پر تھیں، اور خلیفہ کی وجاہت اپنی جگہ۔ فقیہہ ابن عبدالبر نے اس کی یہ محویت دیکھ کر کہا۔

"دیکھا تم نے خلیفہ کو؟"

وہ بولا!

"ہاں دیکھ لیا!"

فقیہہ نے پوچھا۔

"کیسا پایا"

وہ کہنے لگا۔

"جیسا ایک شاندار فرماں روا کو ہونا چاہیے، واقعی خلیفہ کے چہرے پر وہ رعب اور وقار ہے جو صرف ایک اولوالعزم فرماں روا کا حصہ ہوتا ہے!"

(۱۲)

قسطنطنیہ کے سفیروں کی آمد!

دربار میں خلیفہ کے پہنچتے ہی رنگ ہی دوسرا ہو گیا، سب کی گردنیں جھک گئیں اور ایک سناٹا سا چھا گیا۔ خلیفہ اطمینان سے تختِ شاہی پر متمکن ہوا، اتنے میں دروازہ پر اس کی نظر پڑی اور تبسّم اس کے ہونٹوں پر کھیلنے لگا، سعید کو اس تبسّم پر حیرت تھی لیکن جب اس نے دروازہ کی طرف دیکھا تو اس کی حیرت جاتی رہی، خلیفہ کا ولی عہد سلطنت امیر حکم آ رہا تھا۔ خلیفہ اس سے بے اندازہ محبت کرتا تھا، جب وہ قریب آگیا، تو خلیفہ نے اسے اپنے پہلو میں داہنی طرف جگہ دی، حکم بھی بڑا جامہ زیب، خوب رو، خوش اندام وجیہہ اور بارعب شخصیّت کا مالک تھا، خلیفہ کو اگر اس سے اتنی غیر معمولی محبّت تھی تو بے وجہ نہ تھی، حکم اس کی امیدِ دل اور آرزوؤں کا مرکز تھا، اس میں سعادت تھی، محبت تھی، اخدمت تھی، اطاعت تھی، ایک باپ کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی اور مسرت کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ اس کا بیٹا صالح اور سعید ہو، اور حکم میں یہ خصوصیّت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی لہٰذا جب وہ اسے دیکھتا تھا، اس کا غنچۂ دل کھل اٹھتا تھا، اور وہ اپنی مسرّت نہیں چھپا سکتا تھا۔ حکم کو باپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی ہو گی کہ شہزادہ عبداللہ آتا ہوا نظر آیا، یہ حکم کا چھوٹا بھائی تھا۔ خلیفہ نے اس کی بھی محبّت اور توجہ کے ساتھ پذیرائی کی، اور اپنے پہلو میں بائیں طرف بٹھا لیا۔ فقیہ کا تعلق شہزادہ عبداللہ سے تھا، اس نے سعید سے پوچھا۔

"کہو شہزادہ عبداللہ کو تم نے دیکھ لیا"؟

سعید:۔ جی ہاں بہت اچھی طرح ۔

ابن عبدالبر:۔ ان کے بارے میں کیا رائے قائم کی تم نے ؟

سعید:۔ اگر میری صحیح رائے دریافت کرنا چاہتے ہیں تو مجھے یہ عرض کرنے میں تامل نہیں کہ میں نے شہزادہ عبداللہ کو سب سے بہتر پایا۔

ابن عبدالبر:۔ (خوش ہو کر) لیکن آخر اس کی کوئی وجہ بھی تو ہو گی ؟

سعید:۔ وضع دیکھئے کتنی سادہ ہے، لباس میں بھی شاہانہ زیبائش اور آرائش کا نام نہیں اور درحقیقت تو سب کے علم میں ہے کہ شہزادہ کو علم سے، کتابوں سے مطالعہ سے عشق ہے ۔ مجھے تو ایسے ہی آدمی سے لگاؤ ہوتا ہے !

ابن عبدالبر:۔ (اور زیادہ خوش ہو کر) واقعی تم نے سچ کہا !

سعید:۔ اور میرا خیال تو یہ ہے کہ خود شہزادہ کو، یہ زندگی دل سے پسند نہ ہو گی !

ابن عبدالبر:۔ کیا مطلب ؟

سعید:۔ اپنے مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے شہزادہ، شہزادہ نہیں عالم ہے، ادیب ہے، شاعر ہے، فقیہ ہے، اُسے ٹھاٹھ کی زندگی سے کیا سروکار ہو سکتا ہے ؟

ابن عبدالبر:۔ بہت خوب، بہت خوب تمہاری رائے بالکل درست ہے !—— بلکہ مجھے تو تمھاری فراست اور روشن ضمیری پر حیرت ہے !

سعید:۔ یہ کیوں جناب ؟

ابن عبدالبر:۔ تم نے جتنی باتیں کہیں سب سچ ہیں، واقعی شہزادے کی طبیعت اس ٹھاٹھ

کی زندگی کو لپند نہیں کرتی ۔ زہد و تقویٰ کا مادہ ان میں بہت زیادہ ہے، کسی خواجہ سرا کی مجال نہیں کہ ان کے محل کی دہلیز پہ قدم رکھ سکے، نماز، روزہ مطالعہ، بس یہی مشاغل ہیں شہزادے کے، اس کے برعکس باپ اور بڑے بھائی یعنی ولی عہد میں دنیاداری کی پوری شان موجود ہے!

سعید:۔ کاش یہ ولی عہد ہوتے! ایسے شخص کے ہاتھ میں اگر خلافت کی باگ آ جائے تو بخدا کایا پلٹ جائے۔ حالات سدھر جائیں، اور اصلاح ملی کا کام خود بخود انجام پا جائے۔ یہ جتنی خرابیاں نظر آتی ہیں سب دور ہو جائیں، حکام عمال میں جتنے نقائص ہیں پھر ان کا پتہ بھی نہ لگے گا۔

ابن عبدالبر:۔ یا تو یہ نقائص نہ رہیں گے ورنہ پھر یہ حکام اور عمال برسر اقتدار نہ رہیں گے۔

سعید:۔ (ہنس کر) بجا ارشاد فرمایا آپ نے ـــ میری تو دلی دعا ہے کہ خلافت اس جوانِ صالح کے ہاتھ میں آ جائے!

ابن عبدالبر:۔ (آہستہ سے) ایسی باتیں یہاں نہ کرو، دیوار ہم گوش دارد، اگر کسی کے کان میں بھنک بھی پڑ گئی تو نہ تمہاری خیر ہے، نہ میری۔

ابن عبدالبر کی اس تنبیہ سے سعید خاموش ہو گیا اور پھر جلسہ گاہ کا نظارہ کرنے لگا، تھوڑی دیر کے بعد دوسرے شہزادے عبدالعزیز، اصبغ اور مروان بھی آ گئے۔ خلیفہ نے خواجہ سرا یاسر سے کہا کہ قبیلہ مروان کے تمام لوگوں کو اندر بلا لیا جائے۔ چنانچہ اس کے سرگروہ منذر، عبدالجبار اور سلیمان آ گئے اور تخت کے پاس اپنی اپنی نشست پر متمکن ہو گئے، پھر وزرائے حکومت آئے، یہ بھی درجہ بدرجہ

آآکر اپنے اپنے مقام پر بیٹھ گئے، اس کے بعد علما اور فقہا کا گروہ آیا، یہ بھی علی قدر مراتب اپنی اپنی نشست پر جلوس فرما ہو گئے، اس کے بعد فوج کے لوگ آئے، یہ مختلف دستے تھے، ہر دستہ، اپنی شان اور ٹھاٹھ دکھاتا ہوا آیا اور اس کے آتے ہی دربار پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ کیفیّت اور اثر آفرینی کا یہ عالم تھا کہ وقت کے بڑے بادشاہوں، اور سلطانوں کے دربار میں بھی اس رعب، اس تزک و احتشام اس دبدبہ اور طنطنہ اس دابِ شہریاری اور وقار کج کلاہی کا ایک شمہ بھی نظر نہیں آتا تھا، جو یہاں اس وقت دکھائی دے رہا تھا، اتنے میں یاسر افتاں و خیزاں حاضر ہوا، خلیفہ کے سامنے دونوں ہاتھ سینہ سے باندھ کر اور سر جھکا کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے فرمایا:۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ گردن جھکائے جھکائے ادب سے بولا:۔

"قسطنطنیہ کے سفیر، دربار ہال کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ اگر حکم عالی ہو تو ان کی پیشوائی کر کے دربارِ والا میں لے آؤں؟

خلیفہ نے لطف و عنایت کے لہجہ میں جواب دیا:۔

"ہاں، جاؤ اور انھیں پورے اعزاز و احترام کے ساتھ لے آؤ، ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں!"

سفرا کی آمد آمد سے حاضرینِ دربار بھی سراپا اشتیاق و انتظار بن گئے۔ کیونکہ بڑی دیر سے وہ اسی لیے بیٹھے تھے کہ سفیر آئیں، اور جلسہ کی کارروائی شروع ہو تھوڑی دیر میں یاسر خلیفہ کے حسب الحکم، ان سفیروں کے ساتھ نمودار ہوا۔ ان

کی تعداد زیادہ نہ تھی، صرف چند آدمی تھے، لیکن ان کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ یہ ایک بہت بڑی مملکت کے نمائندے تھے، وجاہت اور شان ان کے چہروں سے برس رہی تھی، اس جماعت کا جو سردار تھا، وہ سب سے پہلے اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے اس کے دوسرے ساتھی پہنچے، تختِ شاہی کے سامنے پہنچ کر سفیروں کے سربراہ نے ادب و احترام کا اظہار اس طرح کیا کہ اپنے سر سے ٹوپی اُتار لی اور دوسرے ہمراہیوں نے بھی یہی کیا، پھر جب یہ لوگ تختِ خلافت کے بالکل قریب پہنچ گئے، تو ان پر خلیفہ کا رعب اس درجہ طاری ہوا کہ کھڑے نہ رہ سکے، سجدہ میں گر پڑے، پھر اٹھے اور چند قدم چلنے کے بعد پھر سجدہ ریز ہو گئے جب بالکل پاس آ گئے تو خلیفہ نے سامنے کی مسندوں پر انہیں بیٹھنے کی اجازت دی، یہ مسندیں تختِ شاہی سے کوئی دس گز کے فاصلہ پر ہوں گی، ان لوگوں کے ساتھ ایک آدمی اور تھا، اس کے ہاتھ میں ایک تحفہ تھا، اس کا لباس بھی سفرا سے الگ اور ممتاز تھا۔ اس نے سجدہ تو نہیں کیا، لیکن ہر مرتبہ جب اس کے سفیر ساتھی سجدہ ریز ہوتے تھے تو اپنا سر رکوع کی حد تک جھکا دیتا تھا۔ اس کے تمام ساتھی مسند پر بیٹھ گئے۔ لیکن یہ بدستور تحفہ ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑا رہا، خلیفہ نے بھی اس طرف کچھ توجہ نہ کی اور دربار کی کارروائی شروع ہو گئی ——

(۱۴)

شاہِ قسطنطین کا تحفہ!

خلیفہ ناصر، سفرا کی طرف متوجہ ہوا، تو سب سے پہلے ان سفیروں کے سربراہ نے ادب سے کھڑے ہو کر خلیفہ کو دو زانو ہو کر سلام کیا، پھر اس شخص نے جس کے ہاتھ میں تحفہ تھا ایک سونے کا صندوقچہ پیش کیا، اُسے کھولا گیا، تو اس میں سے سنہرے حرفوں میں لکھا ہوا ایک مکتوب برآمد ہوا، مکتوب کے ایک حصّہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر تھی، اور دوسرے حصہ پر شاہِ قسطنطین اور اس کے ولیعہد کی تصویر تھی، خلیفہ نے الٹ پلٹ کر خط دیکھا، پھر ترجمان کی طرف بڑھا دیا کہ وہ اس کا ترجمہ سنائے، ترجمان نے خط سناتے ہوئے کہا، شاہ قسطنطین اس امر پر فخر اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ انھیں آپ سے شرفِ مکاتبت حاصل ہوا، ان کے دل میں آپ کی بے پایاں عزت اور عظمت ہے ان کے لیے اس سے بڑھ کر مسرت بخش بات کوئی نہیں ہو سکتی، اور اس امر سے بڑھ کر مایۂ فخر کوئی اور کام نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے آپ کو امیرالمؤمنین کے نیازمندوں اور دوستوں میں شمار کریں شاہ قسطنطین دل سے آپ کی درازئ عمر اور ترقئ اقبال کے لیے خدائے قدوس کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں!

خط سنایا جا رہا تھا، اور خلیفہ کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑتی جا رہی تھی، معلوم ہو رہا تھا، خلیفہ شاہ قسطنطین کے اس اظہارِ فروتنی سے بہت خوش ہوئے،

خط سننے کے بعد انھوں نے سربراہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا،

ہم کسی سے دشمنی نہیں رکھتے، ہمارا مذہب ہمیں تعصب اور تنگ دلی سے دور رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اس کی تعلیم ہے کہ جو تم سے دوستی اور خلوص کا اظہار کرے تمھیں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے۔ شاہِ قسطنطین کو ہمارا یہ پیام پہنچا دیا جائے کہ اس کے اس اظہارِ نیاز و مودت سے ہم خوش ہوتے اور اسے اپنا دوست کہنے میں ہم مسرت محسوس کرتے ہیں!

پھر سربراہ نے کہا۔

"اگر تاج دارِ ذی وقار اجازت دیں تو وہ فہرست تحائف بھی خدمت عالی میں پیش کردوں جو میرے شہنشاہ نے مجھے مرحمت فرمائی ہے!

خلیفہ نے جواب دیا۔

"ہاں تمھیں اس کی اجازت ہے"!

چنانچہ اس نے فہرست پیش خدمت کی۔ خلیفہ نے اسے بھی الٹ پلٹ کر دیکھا پھر ترجمان کی طرف بڑھا دیا، ترجمان نے وہ فہرست خلیفہ کو سنادی، اس میں تین کتابوں کا ذکر بھی تھا۔ ایک یونانی میں عہدِ قدیم کی لکھی ہوئی نباتات پر کتاب تھی۔ اس میں جن نباتات کا ذکر تھا، ان کی تصویریں بھی تھیں، دوسری کتاب لاطینی زبان میں تھی، یہ بھی بہت قدیم تھی اس کا موضوع طب اور حفظانِ صحت تھا۔ ایک تیسری کتاب اور تھی، یہ بھی قدیم ترین کتابوں میں تھی، لیکن قسطنطین کے علمائے دربار اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھے کہ کس زبان میں ہے اور اس کا موضوع کیا ہے؟

خلیفہ کا چہرہ اب پہلے سے زیادہ بشاش ہوگیا۔ ان نادر کتابوں کو بطور تحفہ قبول کرنے سے اُسے واقعی بڑی خوشی ہوئی تھی اس نے سفیروں کے سربراہ کو پہلے سے زیادہ لطف و عنایت کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے کہا،

شاہ قسطنطین کے اس تحفہ کو ہم دلی شکریہ کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ یہ نادر کتابیں بھیج کر انھوں نے ہمیں ممنون کرلیا ہے۔ ہمارے یہ الفاظ ان تک پہنچا دیجئے کہ ہم ان کے ممنون ہیں۔ یہ انمول اور بے بہا تحفہ ہم فخر کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ شاہِ قسطنطین نے شاید یہ بات کسی طرح معلوم کرلی ہے کہ ہم کتابوں سے کتنا غیر معمولی شغف رکھتے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے یہ گراں مایہ تحفے ہمیں بھیجے ہیں! ہم ان کی اس فراست کی قدر کرتے ہیں۔

ان رسمیات کے بعد ولی عہد سلطنت شہزادہ حکم نے فقیہ ابن عبدالبر سے استدعا کی کہ وہ تشریف لائیں اور خطبہ دیں، فقیہ وقار اور متانت سے اسٹیج پر آئے، انھوں نے فصیح و بلیغ عربی میں ایک برمحل اور پاکیزہ خطبہ دیا۔ لیکن چونکہ وہ اتنے بڑے اور ایسے ہیبت افزا جلسوں میں خطبہ دینے کے عادی نہیں تھے۔ اس لیے گھبرا گئے، خطبہ بہت اچھا تھا، لیکن اس اچھائی کو طرزِ ادا میں نباہ نہ سکے، فقیہ ابن عبدالبر کے بعد اسمٰعیل نے ایک اچھی تقریر کی، بعدازاں فقیہ منذر ابن سعید نے ایک نہایت عمدہ خطبہ دیا، طرزادا کے اعتبار سے یہ خطبہ خلیفہ کو اتنا پسند آیا کہ وہ بعد میں قاضی القضاۃ بنا دیے گئے۔

حکم کا طرزِ عمل فقیہ ابن عبدالبر کو کھٹکا کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ ولی عہد سلطنت جس چاؤ، محبت اور اپنائیت کے ساتھ منذر سے پیش آیا، ان سے

نہیں آیا۔ لیکن انھوں نے اس بات کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی، لیکن سعید تاک میں تھا کہ کسی طرح فقیہ ابن عبدالبر کو حکم سے برگشتہ کردے، اس لیے کہ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے جلسہ ختم ہونے کے بعد ایسی باتیں شروع کردیں جن کا یہی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ حکم اور فقیہ ابن عبدالبر میں ایسی خلیج پیدا ہو جائے جو کبھی نہ پٹ سکے، چنانچہ اس نے کہا۔

سعید:۔ آج کا جلسہ یوں تو بہت کامیاب رہا، لیکن ایک بات سے مجھے بہت دکھ پہنچا۔

ابن عبدالبر:۔ وہ کون سی بات ہے میرے عزیز؟

سعید:۔ شہزادہ حکم کا برتاؤ آپ کے ساتھ کچھ اچھا نہیں تھا۔

ابن عبدالبر:۔ (اس موضوع کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے) نہیں یہ بات تو نہیں، نہ جانے تم نے یہ رائے کیسے قائم کر لی، مجھے تو ولی عہد سے کوئی شکایت نہیں ہے، میری نظر میں وہ مرد معقول ہیں۔

سعید:۔ میں انھیں بالکل نامعقول سمجھتا ہوں۔

ابن عبدالبر:۔ (مسکرا کر) کیوں بھئی کیوں؟

سعید:۔ وہ بدتمیز ہے، شوخ چشم ہے، علم کا دشمن ہے!

ابن عبدالبر:۔ الزامات کی فہرست کب تک سناتے رہوگے، کوئی بات بھی تو کہو۔

سعید:۔ اس کا برتاؤ منذر کے ساتھ عقیدت مندانہ تھا اور آپ کے ساتھ حاکمانہ؟

ابن عبدالبر:۔ (کچھ سوچتے ہوئے) یہ تم نے کس طرح جانا؟

سعید :۔ آپ کو حکم نے جب خطبہ دینے کے لیے بلایا تو صرف فقیہ کے لفظ سے یاد کیا۔ آپ جب اسٹیج پر پہنچے تو وہ آپ کے استقبال کے لیے کھڑا نہیں ہوا، آپ سے کوئی گفتگو نہیں کی، آپ کا تعارف حاضرین سے نہیں کرایا۔ آپ کے بارے میں کوئی کلمۂ خیر نہیں کہا۔

ابن عبدالبر :۔ ہاں تو؟

سعید :۔ اور منذر کو جب اس نے بلایا تو بہت سے تعظیمی الفاظ استعمال کئے۔ سرو قد کھڑا ہو کر استقبال کیا، اس کے تعارف میں ایک تقریر جھاڑ ڈالی، اس سے معانقہ کیا اور تقریر کے دوران میں بار بار "مرحبا" اور "حبذا" (شاباش اور آفرین) کے الفاظ حوصلہ افزائی کے لیے استعمال کرتا رہا! ـــــ کیا یہ آپ کی کھلی ہوئی توہین نہیں ہے؟ تعجب ہے ایسا شخص ولیعہد سلطنت بنایا جا رہا ہے!

ابن عبدالبر :۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) ہاں بھئی اپنی اپنی رائے ہے۔ ولیعہد صاحب منذر سے زیادہ متاثر ہیں، میری ان کی نظر میں کوئی خاص وقعت نہیں۔

سعید :۔ لیکن میرے دل میں تو ہے، ہمارے دل میں تو ہے، قرطبہ کے ایک ایک باشندے کے دل میں تو ہے، یہ توہین فقیہ ابن عبدالبر کی نہیں، علم کی ہے، انسانیت کی ہے، شرافت کی ہے، میں اس حقیقت کا گواہ ہوں کہ عوام کے دلوں میں آپ کی کتنی بے پایاں منزلت اور وقعت ہے، بلکہ میں تو یہ دیکھ رہا تھا کہ حکم کے اس طرزِ عمل

کو حاضرین نے پسند نہیں کیا۔

ابن عبدالبر:۔ اچھا ——!

سعید:۔ جی، —— آپ تو صرف ایک عالم ہیں، لوگوں کی طرف نہ آپ متوجہ ہوتے ہیں نہ ان کی پروا کرتے ہیں، آپ سر جھکائے اپنی جگہ بیٹھے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ لوگ کتنی حقارت اور ناپسندیدگی کی نظروں سے حکم کو دیکھ رہے تھے!

ابن عبدالبر:۔ ہاں ہوگا، میں نے تو اس طرف توجہ نہیں کی!

سعید:۔ بخدا، یہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ ولی عہد بنایا جائے!

ابن عبدالبر:۔ لیکن یہ چیز ہمارے تمھارے اختیار سے باہر ہے، خلیفہ کے اس حق میں کون مداخلت کر سکتا ہے؟ وہ جسے چاہے اپنا ولی عہد نامزد کر دے!

سعید:۔ میں نہایت ادب کے ساتھ آپ کی اس رائے سے اختلاف کرتا ہوں!

ابن عبدالبر:۔ یہ کیوں بھئی؟

سعید:۔ اس لیے کہ جسے آج ولی عہد نامزد کیا جا رہا ہے، وہ کل خلیفہ ہوگا۔ ہم پر حکمرانی کرے گا۔ اس کے اشارۂ چشم و ابرو پر ہم سب کو چلنا پڑے گا، اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ہم پر واجب ہوگی۔

ابن عبدالبر:۔ ہاں یہ سب کو کرنا ہی پڑے گا؟

سعید:۔ تو ہم ایسے شخص کے ہاتھ میں اپنی قسمت کی باگ کیسے دے دیں، جو جاہل ہے، جو علم کی قدر نہیں کر سکتا، جو عالموں اور فقیہوں اور

خطیبوں سے بے ادبی کرتا ہے، جو ان کی منزلت اور مقام سے ناواقف ہے۔

ابن عبدالبر:۔ ٹھیک ہے، لیکن یہ تو سوچو ہو کیا سکتا ہے؟

سعید:۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے!

ابن عبدالبر:۔ تو بتاؤ!

سعید:۔ شہزادہ عبداللہ کو کیوں نہ ولی عہد بنایا جائے؟

ابن عبدالبر:۔ ناممکن!

سعید:۔ آخر کیوں؟

ابن عبدالبر:۔ خلیفہ ہرگز اسے یہ منصب نہ دیں گے!

سعید:۔ وہی تو دریافت کرنا چاہتا ہوں!

ابن عبدالبر:۔ خلیفہ کی مرضی ـــــ ولی عہد وہی ہوگا جسے وہ چاہیں!

سعید:۔ اچھا میرے ایک سوال کا جواب دیجئے،

ابن عبدالبر:۔ پوچھو!

سعید:۔ عبداللہ اور حکم میں کیا نسبت ہے؟

ابن عبدالبر:۔ سوال واضح نہیں ہے میں نہیں سمجھا تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟

سعید:۔ حکم زیادہ قابل ہے یا عبداللہ؟

ابن عبدالبر:۔ عبداللہ کی قابلیت اظہر من الشمس ہے، دشمن بھی اس کے علم و فضل، وسعتِ نظر اور ذوقِ مطالعہ کے مداح و معترف ہیں، اس کا علمی پایہ کسی بڑے عالم سے کم نہیں ہے کیا سمجھتے ہو اسے؟

سعید:۔ کردار اور سیرت کے اعتبار سے آپ ان دونوں میں کسے ترجیح

دیتے ہیں ؛

ابن عبدالبر :- بھائی میری رائے کا جہاں تک تعلق ہے، مجھے تو عبداللہ حکم سے کہیں زیادہ جلیل القدر نظر آتا ہے، وہ کون سی خوبی ہے جو اس میں نہیں اور سچ کہتا ہوں بُرائی ڈھونڈے سے بھی نظر نہیں آتی ظالم میں !

سعید :- مانتا ہوں، اچھا ایک سوال کا جواب اور دے دیجئے، تدبر، معاملہ فہمی دور اندیشی اور اصابت رائے کے اعتبار سے حکم کا پلہ بھاری ہے یا عبداللہ کا !

ابن عبدالبر :- اس معیار سے بھی عبداللہ اپنے بڑے بھائی حکم سے بہت آگے ہے بہت آگے !

سعید :- پھر ہم اسے ولی عہد کیوں نہ بنائیں، بتائیے ؛

ابن عبدالبر :- میرے عزیز میں کہہ چکا ولی عہد مقرر کرنا خلیفہ کا کام ہے، میرا یا تمھارا نہیں !

سعید :- جی نہیں، ہم خلیفہ کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ اسے ولی عہد بنائے جسے ہم چاہتے ہوں !

ابن عبدالبر :- یہ نہیں ہوگا۔ سن لو کان کھول کے۔

سعید :- وجہ بتائیے !

ابن عبدالبر :- عبدالرحمٰن الناصر جس شخص کا نام ہے وہ لچکنا نہیں جانتا، اسے جھکایا نہیں جا سکتا، اُسے اپنی رائے بدلنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

سعید :- بہت خوب اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک ملحد اور زندیق بلکہ فاسق و

فاجر کو اپنا امام، اپنا سردار، اپنا سرگروہ مان لیں؟ یہ نہیں ہوسکتا۔

ابن عبدالبر:۔ یہ الفاظ کس کے لیے کہہ رہے ہو؟ کون مُلحد ہے؟ زندقہ کا الزام کس پر ہے؟ فاسق و فاجر کسے بنا رہے ہو میرے بھائی؟

سعید:۔ آپ کے ممدوح، اور اپنے معتوب شہزادہ حکم کو۔

ابن عبدالبر:۔ یہ بالکل نئی بات میں نے آج سنی ہے ــــ تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ وہ تو اچھا خاصا مردِ مسلمان ہے۔

سعید:۔ جی، مردِ مسلمان ہے، فلسفہ زدہ ــــ!

ابن عبدالبر:۔ فلسفہ زدہ اور شہزادۂ حکم؟

سعید:۔ جی وہی ــــ وہی ہے، جو فلسفہ سے ذوق رکھتا ہے، جو فلسفہ کی کتابیں پڑھتا ہے، جو فلسفہ کی دی ہوئی عقل سے مذہب کو جانچتا ہے، جس پر فلسفہ اس درجہ حاوی ہوگیا ہے کہ وہ مذہب کی مملکت سے باہر نکل چکا ہے، اب اس کی نظر میں کتبِ فلسفہ کی جو وقعت ہے وہ مذہبی کتابوں کی نہیں!

ابن عبدالبر:۔ لاحول ولا قوۃ ــــ یہ تم نے کیسے جانا؟

سعید:۔ یہ نہ پوچھئے، مگر یہ حقیقت ہے، میں حلفِ شرعی اٹھا سکتا ہوں اس دعوے پر!

ابن عبدالبر:۔ پھر تو یہ بڑی افسوسناک بات ہے،

سعید:۔ صرف افسوسناک؟ شرمناک نہیں؟ ناقابلِ برداشت نہیں؟

ابن عبدالبر:۔ ہاں، شرمناک بھی، ناقابلِ برداشت بھی؟

سعید :۔ پھر بھی آپ اس کی ولی عہدی کی تائید کریں گے؟

ابن عبدالبر :۔ میں کب تائید کرتا ہوں؟ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں ہم بے بس ہیں!

سعید :۔ جی نہیں، جس بات کا عزم کر لیا جائے، اس کا حصول دشوار نہیں ہوتا۔ اگر ہم عزم کر لیں کہ اس ملحد اور زندیق شہزادے کو ولی عہد نہیں بننے دیں گے، تو خلیفہ ناصر کیا دنیا کی کوئی طاقت بھی اسے ولی عہد نہیں بنا سکتی!

ابن عبدالبر :۔ (مسکرا کر) اچھا ہم نے عہد کر لیا کہ ہم اسے ولی عہد نہ بننے دیں گے، اب کیا ہوگا؟

سعید :۔ وہی جو آپ نے کہا ہے۔

ابن عبدالبر :۔ میں تمھاری ان باتوں کو بالکل طفلانہ سمجھ رہا ہوں۔

سعید :۔ لیکن ایک وقت آئے گا کہ آپ دیکھ لیں گے۔

ابن عبدالبر :۔ میری سمجھ میں نہیں آتا جب خود میں اپنی توہین پر زیادہ متاثر نہیں ہوں تو تم اس درجہ برہم کیوں ہو رہے ہو؟ جانے دو، ہٹاؤ اس قصہ کو، خدا پر چھوڑ دو یہ معاملہ!

سعید :۔ خدا کا نام لے کر، آپ نے مجھے تو مشتعل کر دیا!

ابن عبدالبر :۔ یہ کس لیے؟

سعید :۔ میں تو آپ کے سامنے طفلِ مکتب اور جاہلِ مطلق ہوں، لیکن بتائیے، جب خدا پوچھے گا کہ تم نے ایک فاسق و فاجر اور ملحد و زندیق

شخص کو کیوں اپنا امام اور سردار مان لیا تو آپ کیا جواب دیں گے؟ ہوگا آپ کے پاس کوئی جواب؟ اور میں تو صاف کہہ دوں گا کہ جب فقیہ ابن عبدالبر جیسے شخص نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی، تو میں نے بھی کر لی، کیا کرتا، میں کوئی ان سے بڑا عالم اور فقیہ تو تھا نہیں!

ابن عبدالبر:۔ میں ہرگز ایسے بد اطوار شخص کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتا۔ مجھے خدا کو منہ دکھانا ہے۔

سعید:۔ جزاک اللہ ـــــ یہی میں بھی چاہتا تھا، یہ جواب ہے آپ کے رُتبۂ علم و فضل کے شایانِ شان، الحمدللہ، جو توقع آپ کی ذات گرامی سے تھی وہ پوری ہوئی۔

ابن عبدالبر:۔ لیکن میرے بھائی، سوال بدستور اپنی جگہ پر قائم ہے، میں بیعت نہیں کروں گا۔ ضرورت ہوئی تو یہاں سے ہجرت کر جاؤں گا۔ مانتا ہوں تم بھی یہی کرو گے، لیکن دوسرے لوگ کیا کریں گے؟ انھیں بیعت سے کس طرح روکا جائے گا؟

سعید:۔ ہم روکیں گے انھیں۔

ابن عبدالبر:۔ (حیرت سے) تم؟

سعید:۔ جی میں ـــــ اگرچہ میری حیثیت ایک مشتِ خاک سے زیادہ نہیں، لیکن الحمدللہ، میرا سینہ مذہبی جذبہ سے معمور ہے، میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا، مگر یہ کام نہ ہونے دوں گا، کبھی نہیں، کسی حالت میں اور کسی قیمت پر نہیں!

ابن عبدالبر :۔ اچھا اب خاموش ہو جاؤ، بر سرِ عام اس طرح کی باتیں مناسب نہیں، پھر کسی وقت اطمینان سے بیٹھ کر ان مسائل پر غور کریں گے!

(۱۳)

جادُو چل گیا!

سعید سے رخصت ہوتے وقت ابن عبدالبر نے کہہ دیا تھا کہ وہ کتاب عقد الفرید لے کر شام کو شہزادہ عبداللہ کے در دولت پر حاضر ہو، سعید نے آنے کا وعدہ کر لیا تھا، اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ عابدہ میرے ساتھ ہوگی، اس سے رخصت ہو کر وہ گھر پہنچے بہت تھک گئے تھے، کھانا کھایا اور آرام کرنے لیٹ گئے، لیکن نیند نہ آئی، شہزادہ حکم کے بارے میں سعید نے اتنا اکسا دیا تھا کہ وہ بار بار آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرتے تھے، لیکن حکم کا خیال کانٹے کی طرح ان کی آنکھوں میں چبھنے لگتا تھا اور نیند کوسوں دور بھاگ جاتی تھی۔ اس کا الحاد، اس کا زندقہ، اس کا فسق و فجور، وہ ایک ایک بات پر غور کرتے تھے، اور ان کی نفرت کا پارہ لمحہ بہ لمحہ اونچا ہوتا جاتا تھا، سعید نے کچھ اس معصومیت سادگی اور معصومیت کے ساتھ انھیں حکم کے خلاف بھڑکایا تھا کہ انھوں نے اس کی ضرورت ہی نہ سمجھی کہ غور کریں اس میں صداقت اور واقعیت کہاں تک ہے؟ حکم بیچارے پر یہ اتہام اور الزام تو نہیں؟ وہ بے سوچے سمجھے اس سے برہم اور متنفر ہو چکے تھے، اور اب حالت یہ تھی کہ نہ اس کے بارے میں کوئی کلمۂ خیر سن سکتے تھے، نہ کہہ سکتے تھے۔

بڑی دیر تک وہ اسی کشمکش میں بستر پر پڑے کروٹیں بدلتے رہے، یہاں تک کہ دن ڈھل گیا اور نیند سے مایوس ہو گئے، اتنے میں ان کا خادم دیرینہ داخل

ہوا اسے اس طرح ناوقت اور بے موقع آتا دیکھ کر وہ چونک پڑے،

"کیا بات ہے، ہمارے آرام میں خلل ڈالنے تو کیوں آگیا؟"

اس نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا،

"شہزادہ عبداللہ کا خادم آیا ہے"!

فقیہ نے پوچھا۔

"کیا پیام لایا ہے؟"

وہ عرض گذار ہوا،

"شہزادے صاحب نے آپ کو ابھی اسی وقت یاد فرمایا ہے"!

یہ سن کر فقیہ صاحب بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور خادم سے کہا۔

"ہمارا خچر تیار کرو"!

جلدی جلدی کپڑے بدلے اور خوب اچھی طرح ٹھیک ٹھاک ہو کر باہر تشریف لائے۔ خچر تیار کھڑا تھا۔ اس پر بیٹھے اور شہزادہ عبداللہ کے در دولت پر پہنچ گئے، محل میں فقیہ کو بغیر اذن و اطلاع جانے کی عام اجازت تھی، پھر بھی احتیاطاً خواجہ سرا سے پوچھ لیا کرتے تھے، اس وقت بھی انھوں نے یہی کیا اور عبداللہ کے خادم خاص سائر سے دریافت کیا۔

"شہزادہ صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں؟"

اس نے جواب دیا۔

"وہ کتب خانہ میں بیٹھے کتابوں کا مطالعہ کر رہے ہیں — کیا آپ کی اطلاع کر دوں جا کر؟"

فقیہ نے استغنا سے کہا۔

"نہیں اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں خود لائبریری چلا چلتا ہوں، وہاں مل لوں گا۔"

کتب خانہ کے دروازے پر شہزادہ عبداللہ کھڑا تھا۔ اس کے دل میں فقیہ کی بڑی عزت تھی، وہ فقیہ کی پیشوائی کے لیے لپکا، مصافحہ کیا اور بڑے اخلاق سے کہا!

"آئیے تشریف لائیے، میں آپ سے ملنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا!"

ابن عبدالبر:۔ کیوں خیر تو ہے؟

عبداللہ:۔ یونہی کئی دن ہو گئے، آپ سے کسی علمی مسئلہ پر گفتگو نہیں ہوئی اب سرکاری مصروفیتیں آپ کی بھی ختم ہو گئیں میری بھی تو میں نے کہا آپ کو زحمت دوں، لیکن میری اس طلبی سے آپ کے معمولات میں کوئی خلل تو نہیں پڑا؟

ابن عبدالبر:۔ بالکل نہیں، مجھے خود آپ کے پاس آکر، آپ کے پاس بیٹھ کر بڑی مسرت ہوتی ہے۔ یہ کوئی نئی کتاب ہے؟

عبداللہ:۔ جی ہاں آپ کا خیال درست ہے، بالکل نئی کتاب ہے — ایک زندہ مصنّف کی، اور خوش قسمتی سے وہ مصنّف یہیں قرطبہ میں موجود ہے۔

ابن عبدالبر:۔ کون ہو سکتا ہے وہ مصنّف؟

عبداللہ:۔ اسمٰعیل بن قاسم!

ابن عبدالبر :۔ اوہ میں سمجھ گیا۔ اپنے آپ کو بہت بڑا فلسفی سمجھتا ہے!

عبداللہ :۔ اور ہے بھی!

ابن عبدالبر :۔ یہ کتاب خود اس نے آپ کے حضور میں نذر گزاری ہے؟

عبداللہ :۔ جی نہیں، یہ کتاب مصنف نے ولی عہد سلطنت کی خدمت میں پیش کی تھی، انھوں نے مطالعہ کے لیے مجھے مرحمت فرمائی ہے، اگر پسند آگئی تو نقل کرا کے کتب خانہ میں رکھ لوں گا!

ابن عبدالبر :۔ تو یہ ٹھاٹھ ہیں حضرت کے!

عبداللہ :۔ کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں آپ؟

ابن عبدالبر :۔ اسمٰعیل بن قاسم کے بارے میں اس کا فرض تھا کہ وہ کتاب آپ ہی کی خدمت میں پیش کرتا، وہ جانتا ہے خاندانِ خلافت میں شہزادہ عبداللہ سے بڑھ کر علم کا شائق، عالموں کا سرپرست اور فنون وصناعات کا کوئی مربّی نہیں ہے پھر بھی اس نے تغافل برتا۔

عبداللہ :۔ جی ہاں، اُس نے شاید بھائی صاحب کی خدمت میں اس لیے پیش کر دیا کہ وہ ولی عہد مملکت ہیں، ممکن ہے کچھ انعام بھی دیں اور قیمت الگ!

ابن عبدالبر :۔ تو انعام دینے میں آپ کب بخیل ہیں!

عبداللہ :۔ (مسکرا کر) ہوگا، یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے اہمیّت دی جائے۔ میں نے تو اس پر غور بھی نہیں کیا۔

ابن عبدالبر :۔ جی نہیں، یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی دُور رس نتائج کی حامل ہوتی ہیں!

ابن عبدالبر:۔ تو کیا نتیجہ نکالا آپ نے؟

ابن عبدالبر:۔ شاید میرے نتیجہ سے آپ اختلاف کریں۔ شاید میرے نکالے ہوئے نتیجہ سے آپ برہم ہوں!

عبداللہ:۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا، بے تکلف فرمائیے، میں آپ کی وقعت کرتا ہوں، آپ کے خیالات کی میرے دل میں عزت اور منزلت ہے!

ابن عبدالبر:۔ بات یہ ہے کہ اسمٰعیل صاحب بھی فلسفی ہیں اور ولی عہد صاحب کو بھی فلسفہ سے لگاؤ ہے، ان دونوں کا یہ ارتباط تو مجھے خطرناک نظر آتا ہے۔

عبداللہ:۔ میں نہیں سمجھتا اس میں خطرہ کی کیا بات ہو سکتی ہے!

ابن عبدالبر:۔ دیکھئے جناب ہم مسلمان ہیں، ہمیں اپنے دین پر، مذہب پر، شریعت پر ناز ہے۔

عبداللہ:۔ بے شک ہر مسلمان کو ناز ہونا چاہیے، کسے نہیں ہے؟

ابن عبدالبر:۔ حضراتِ فلسفہ کو، ان لوگوں کو جو اپنے آپ کو فلسفی کہتے ہیں، جو اپنی عقل کو امام اور رہبر مانتے ہیں، جو دین اور مذہب کا مذاق اڑاتے ہیں، جن کی نظر میں مذہبی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں۔

عبداللہ:۔ یہ آپ کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟ کیا بھائی صاحب کے بارے میں؟

ابن عبدالبر:۔ بے شک!

عبداللہ:۔ لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ ایسے نہیں ہیں!

ابن عبدالبر:۔ یہ آپ نہیں کہہ رہے ہیں، حق نہیں بول رہا ہے، صداقت کی یہ آواز نہیں ہے، یہ بھائی بول رہا ہے، یہ خون کی آواز ہے، لیکن میں آپ

سے کہوں گا، تھوڑی دیر کے لیے رشتہ سے قطع نظر کیجئے، اور حقائق پر غور کیجئے!

عبداللہ:۔ بالکل عجیب بات سن رہا ہوں، اور وہ بھی پہلی مرتبہ! اب اس سے پہلے آپ نے یہ سب کچھ کیوں نہیں فرمایا؟

ابن عبدالبر:۔ اس لیے کہ اصلاح کی امید تھی، حالات کے سازگار ہو جانے کی توقع تھی، اور اب وہ امید منقطع ہو چکی ہے، وہ توقع ناکام ہو چکی ہے!

عبداللہ:۔ کیوں؟ یہ بھی تو بتائیے!

ابن عبدالبر:۔ میں آپ سے زیادہ حکم کو جانتا ہوں۔ میں نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ وہ اب راہِ راست پر نہیں آسکتا، لہٰذا وہ ولی عہدی کا بھی مستحق نہیں ہے، ہرگز نہیں!

عبداللہ:۔ (بے انتہا حیرت زدہ ہو کر) یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟

ابن عبدالبر:۔ میں بالکل درست کہہ رہا ہوں، مجھے اپنی رائے پر اصرار ہے، اپنے خیال کی صداقت پر یقین ہے۔

عبداللہ:۔ (تلخی کے ساتھ) لیکن میں ان باتوں پر اعتماد نہیں کرتا!

ابن عبدالبر:۔ آج نہیں کرتے تو کل کرنا پڑے گا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المؤمنین نے آپ جیسے لائق فائق اور عالم فاضل بیٹے کی موجودگی میں، حکم کو ولی عہد بنا کیسے دیا؟

عبداللہ:۔ وہ مجھ سے بڑے ہیں!

ابن عبدالبر:۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے؟

عبداللہ :۔ انہی کا حق تھا !

ابن عبدالبر :۔ یہ بھی غلط ــــ حق عمر کی بنا پر نہیں ہوتا، استحقاق کی بنا پر ہوتا ہے اور حکم کو اس منصب کا کسی طرح بھی استحقاق نہیں، کیا گذشتہ خلافتوں میں ایسی مثالیں نہیں ملتیں کہ بڑی اولاد کی موجودگی میں چھوٹا لڑکا ولیعہد بنادیا گیا ہو؟

عبداللہ :۔ ضرور ملتی ہیں، لیکن ایسی مثالیں تلاش کرنے سے حاصل کیا ہوگا؟

ابن عبدالبر :۔ یہی کہ ان اچھی مثالوں کی پیروی کی جائے !

عبداللہ :۔ یعنی حکم کی ولی عہدی منسوخ کردی جائے؟

ابن عبدالبر :۔ جی ہاں صاف الفاظ میں کہتا ہوں، میرا یہی مطلب ہے!

عبداللہ :۔ (ناگواری کے ساتھ) خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کیجئے، آپ میرے استاد ہیں، بزرگ ہیں، محترم ہیں، میری نظر میں، اس لیے یہ باتیں میں نے سن لیں، ورنہ ایسی باتیں میں نہیں برداشت کرسکتا، مجھے اپنے باپ سے عقیدت ہے اور اس کے فیصلہ سے میں کامل طور پر متفق ہوں، مجھے اپنے بڑے بھائی سے محبّت ہے، اور میں اس کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا کہ اس کی ولی عہدی منسوخ کردی جائے، اور یہ منصب مجھے سونپ دیا جائے، باتیں کرنے کے لیے اور بھی بہت سے موضوع ہیں، کسی اور موضوع پر بات چیت کیجئے، لیکن اسے چھوڑیئے!

ابن عبدالبر :۔ آپ کی خاطر سے میں خاموش ہوجاؤں گا، چپ سادھ لوں گا، لیکن دوسروں کا کیا کیجئے گا؟

عبداللہ :۔ دوسرے کون ؟

ابن عبدالبر :۔ ساری مخلوق، قرطبہ کا ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ ولی عہد حکم کی بجائے عبداللہ ہو۔ کس کس کو آپ منع کریں گے، کس کس کی آپ زبان پکڑیں گے، کس کس پر آپ قدغن لگائیں گے، یہ تو سارے قرطبہ کی آواز ہے، ایک اکیلے ابن عبدالبر کی نہیں!

عبداللہ :۔ کچھ بھی ہو، مجھے یہ باتیں پسند نہیں، میں ایسی باتیں بالکل نہیں سننا چاہتا۔

ابن عبدالبر :۔ اگر آپ نے یہ باتیں سننے سے انکار کر دیا تو جانتے ہو کیا ہوگا ؟

عبداللہ :۔ کچھ نہیں ہوگا !

ابن عبدالبر :۔ جی نہیں بڑی خوفناک صورت رونما ہو جائے گی ۔

عبداللہ :۔ یعنی کیا ہوگا ؟ ـــــ کیا غدر ہوگا ؟ بغاوت ہو جائے گی ؟ شورش برپا ہو جائے گی ؟

ابن عبدالبر :۔ ہاں یہی ہوگا، آپ نے یہ باتیں طنزاً پوچھی ہیں، اور میں آپ سے عرض کرتا ہوں، بلکہ آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ مواد پک چکا ہے، ذرا سی ٹھیس پر وہ باہر نکل آئے گا !

عبداللہ :۔ آج آپ نہ جانے کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں، آپ کو بھائی صاحب سے یہی شکایت ہے نا کہ ان پر فلسفہ کا زیادہ غلبہ ہے ؟

ابن عبدالبر :۔ جی ہاں، صرف مجھی کو نہیں سب کو شکایت ہے ۔

عبداللہ :۔ تو میں اس کا تدارک کر دوں گا، مطمئن رہیے !

ابن عبدالبر:۔ تدارک؟ ۔ آپ تدارک کس طرح کر دیں گے!

عبداللہ:۔ میں بھائی صاحب کو سمجھا دوں گا، وہ آئندہ ایسی باتیں نہیں کیا کریں گے، آپ حضرات کو اب کسی شکایت کا موقع نہیں دیں گے، بس؛

ابن عبدالبر:۔ (مسکرا کر) بہت خوب، یہ آپ کی خام خیالی ہے۔ پڑھے لکھے جن کسی کے سکھائے نہیں سیکھتے!

---

(۱۴)

چنگاری آگ بن رہی ہے

فقیہ ابن عبدالبر اور شہزادہ عبداللہ میں باتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ شہزادہ کا خادم خاص سائر حاضر ہوا۔ شہزادہ نے پوچھا،

"کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

وہ بولا،

دروازے پر ایک کتب فروش کھڑا ہے، جو شہزادۂ والا مرتبت سے ملنا چاہتا ہے، میں نے نام پوچھا تو سعید بتایا، اگر اجازت ہو تو حاضر خدمت کروں؟

عبداللہ (فقیہ کی طرف متوجہ ہو کر) کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟

ابن عبدالبر:۔ خوب جانتا ہوں، آپ سے اس کا ذکر بھی آ چکا ہے، یہ وہی شخص ہے، جس کے پاس عقد الفرید ہے۔

عبداللہ:۔ اوہ میں سمجھ گیا (سائر سے مخاطب ہو کر) فوراً بلاؤ ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔

تھوڑی دیر میں سعید حاضر ہو گیا اس کے ہاتھ میں ایک ریشمی جز دان تھا، جس میں کتاب تہ کی ہوئی تھی، شہزادہ عبداللہ نے سعید پر ایک نظر ڈالی اور فرشِ زریں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لطف و عنایت کے لہجہ میں فرمایا،

"آؤ بیٹھو!"

سعید بڑے ادب کے ساتھ دوزانو ہو کر سلام گذار ہوا، پھر مسند پر بیٹھ گیا

عبداللہ:۔ "کیا تم وہ کتاب لائے؟"

سعید:۔ "جی ہاں لایا ہوں!"

یہ کہہ کر اس نے کتاب شہزادہ عبداللہ کی خدمت میں پیش کر دی، شہزادے نے جزدان سے کتاب نکالی، اور اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، پھر اس نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

عبداللہ:۔ نہایت پاکیزہ خط ہے، کس نے لکھی ہے یہ کتاب؟

فقیہہ:۔ شاید آپ کو یاد نہیں رہا، پہلی بار جب میں نے آپ سے سعید کا ذکر کیا تھا تو عرض کیا تھا، یہ ایک خاتون کی تحریر ہے اور کتنی دلکش؟

عبداللہ:۔ واقعی بہترین خط ہے۔

سعید:۔ جناب والا وہ بہترین خطاط ہی نہیں عالمہ اور فاضلہ بھی ہے، وہ شعر بھی کہتی ہے، علوم و فنون پر بھی اس کی نظر ہے، یہ ہمارے محترم فقیہہ صاحب تو اس سے مل چکے ہیں!

فقیہہ:۔ تم نے غلطی کی، تمھیں چاہیے تھا اُسے لیتے آتے تاکہ شہزادہ سے اس کی ملاقات ہو جاتی!

سعید:۔ وہ میرے ساتھ حاضر ہوئی ہیں، اگر اذنِ باریابی ملے تو ابھی حاضر ہو جائیں گی انھیں خود شہزادۂ والا مرتبت سے ملنے کا اشتیاق ہے۔

عبداللہ:۔ ہاں میں اس خاتون سے ملوں گا، لیکن ذرا دیر کے بعد، پہلے یہ بتائیے آپ کے پاس کوئی اور کتاب بھی ہے!

سعید:۔ بہت سی کتابیں اس خادم کے پاس ہیں!

عبداللہ:۔ میرا مطلب ہے کوئی نئی کتاب؟

سعید:۔ جی ہاں نئی کتابیں بھی ہیں!

عبداللہ:۔ (اپنے ہاتھ کی کتاب سعید کی طرف بڑھاتے ہوئے) آپ اس کتاب الامالی کا ذکر تو نہیں کر رہے ہیں، جو اسمٰعیل بن قاسم نے لکھی ہے؟

سعید:۔ (کتاب ہاتھ میں لے کر ورق گردانی کرنے کے بعد) جی نہیں اس کتاب کے بارے میں تو میں عرصہ سے جانتا ہوں، مجھے معلوم تھا کہ ولی عہد بہادر کے لیے یہ کتاب تالیف ہو رہی ہے، چنانچہ ان کی اس پر مہر بھی ہے، واقعہ یہ ہے کہ کتابوں پر وہ بے دریغ روپیہ صرف کرتے ہیں، مصنفوں اور مؤلفوں کی جتنی قدردانی اور حوصلہ افزائی وہ فرماتے ہیں، اس زمانہ میں کوئی نہیں کرتا۔

عبداللہ:۔ تو پھر آپ کے پاس کون سی کتاب ہے؟

سعید:۔ جی ہاں ایک دوسری کتاب ہے!

عبداللہ:۔ لیکن اس کا نام کیا ہے مرد خدا؟

سعید:۔ میں صرف یہ عرض کر سکتا ہوں کہ وہ اس کتاب سے قدر و قیمت میں کہیں زیادہ ہے!

عبداللہ:۔ مصنف یا مؤلف کا نام کیا ہے؟

سعید:۔ جی ———

عبداللہ:۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے آپ اس کا ذکر کرنا نہیں چاہتے، لیکن میں

نہیں سمجھتا اس میں اخفا کی کیا ضرورت ہے؟ کم از کم نام تو بتا دیجیے۔

سعید:۔ بات یہ ہے کہ غلام امانت میں خیانت نہیں کرنا چاہتا، میرا اپنے اُوپر نفرین کرنے کو جی چاہ رہا ہے کہ میں نے آپ کے سامنے اس کا ذکر ہی کیوں کیا؟

عبداللہ:۔ عجیب بات ہے!

فیقنہ:۔ کیا اس کا نام ظاہر کرتے میں کسی کا خوف مانع ہے؟

سعید:۔ جی یہی بات ہے!

فیقنہ:۔ کیا اس ملک میں کوئی ایسا شخص بھی ہے، جس کا خوف ہمارے شہزادہ سے زیادہ کیا جائے!

سعید:۔ امیر المومنین خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے بعد اگر کسی سے ڈرا جا سکتا ہے، تو وہی ہے۔

عبداللہ:۔ شاید آپ کی مراد میرے برادر بزرگ شہزادہ حکم سے ہے؟

سعید:۔ شہزادہ کا خیال بالکل صحیح ہے۔

عبداللہ:۔ لیکن یہاں کی بات وہاں نہیں پہنچ سکتی، آپ بغیر کسی اندیشہ کے کہیئے!

فیقنہ:۔ اب تمھیں ذرا بھی تامّل نہ کرنا چاہیے۔ شہزادہ کی حکم عدولی بڑا جرم ہے!

سعید:۔ لیکن مجھے اپنی جان کا خطرہ جو ہے!

فیقنہ:۔ تم بے وقوف ہو، بھلا شہزادہ عبداللہ کی امان اور پناہ میں آنے کے بعد کسی کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؟

عبداللہ:۔ کوئی اندیشہ نہ کرو، صاف صاف کہدو وہ کون سی کتاب ہے؟

سعید :۔ میں جانتا ہوں، شہزادۂ حکم کے ذوق میں اور آپ کے ذوق میں زمین و آسمان
کا فرق ہے، وہ ایک ادبی کتاب ہے اور صرف آپ ہی کے لیے موزوں
ہو سکتی ہے۔

فقیہ :۔ یعنی وہ فلسفہ کے موضوع پر نہیں ہے جس سے ولی عہد صاحب کو غایت
درجہ کی دلچسپی ہے؟

سعید :۔ نہیں یہ بات تو نہیں، اگر انھیں ادب سے دلچسپی نہ ہوتی تو ایسی لاجواب
کتاب کس طرح عالم وجود میں آتی؟

عبداللہ :۔ اس بحث کو چھوڑو، کتاب کا نام بتاؤ۔

سعید :۔ اس کتاب کا نام اغانی ہے یہ فنِ موسیقی پر سب سے بڑی اور عجیب و غریب
کتاب ہے اس میں راگوں کی تاریخ ہے مجلسی واقعات ہیں بادشاہوں
اور کجکلاہوں کی داستانیں ہیں، مغنیوں اور مطربوں کی کہانیاں ہیں،
تہذیب اور تمدّن کے واقعات ہیں، ماضی کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے کہ
باید و شاید، سچ تو یہ ہے کہ اپنے موضوع پر لاجواب اور بہترین کتاب ہے،
محاوراتِ عرب اور ادبیاتِ عرب میں اپنی مثال آپ ہے۔

عبداللہ :۔ لیکن اس کا مصنّف کون ہے؟ کیا موصلی؟

سعید :۔ جی نہیں اس کا مصنّف ابوالفرج اصبہانی ہے، شعر و ادب میں یکتا
تاریخ، رجال میں بے مثل، راگ اور موسیقی کا امام، محاضرات اور تاریخ
اور انساب کا پیشوا۔

عبداللہ :۔ میں سمجھ گیا، واقعی ابوالفرج کی قابلیت اور حاضر دماغی کا کوئی جواب

نہیں، لیکن تمھیں یہ گراں مایہ کتاب کب اور کِس طرح ملی؟

سعید :- یہ نہ پُوچھئے، میں بغداد گیا تھا۔ وہاں اس کے چند ورق ایک جگہ میری نظر سے گذرے، پڑھتے ہی میں لوٹ پوٹ ہوگیا، یہاں آیا تو معلوم ہوا ولی عہد کو اس کی خبر پہنچ چکی ہے اور وہ اس کے حصول کی کوشش کر رہے ہیں، بس پھر میں خاموش ہوگیا۔

فقیہ :- یعنی ولی عہد ہی اس کتاب سے مستفید ہو سکتے ہیں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا یہ کیا بات ہوئی ؟

سعید :- میں کیا عرض کر سکتا ہوں ؟

فقیہ :- بہرحال وہ کتاب شہزادہ عبداللہ کے کتب خانہ میں آئے گی، بہت جلد آئے گی اور یہ کام سعید تمہی کو انجام دینا پڑے گا۔

سعید :- میں حاضر ہوں، لیکن ایسا نہ ہو معتوب ہو جاؤں ۔

فقیہ :- نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، بھلا یہ ممکن ہے کہ تم شہزادہ کے لیے ایک کام کرو۔ اور کوئی تمھیں گزند پہنچانے کی جرأت کرے ؟

عبداللہ :- تعجب ہے بھائی صاحب، اب علم و ادب کے ہر میدان میں جولانیاں دکھا رہے ہیں !

فقیہ :- جی ـــ اور یہ تو ابھی ابتدا ہے ـــــــــــ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا ؟ ـــــــــــ بہرحال وہ کتاب آئے گی اور ضرور آئے گی !

عبداللہ :- (عقد الفرید دیکھتے ہوئے) واقعی اس کتاب کا خط بہت پاکیزہ ہے،

دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔

سعید :۔ جناب مشہور عالم اور یگانہ خطاط ابن مقلہ سے واقف ہوں گے ، ملاحظہ فرمائیے ، شانِ خط بالکل وہی ہے یا نہیں ؟

عبداللہ :۔ ہاں واقعی بالکل وہی ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک عورت نے لکھا ہے ——— ؟

سعید :۔ یہ نو عمر خاتون جس نے یہ کتاب لکھی ہے ابن مقلہ کی شاگرد رہی ہے !

یہ کہہ کر سعید نے کتاب کا ایک خاص حصّہ جو امیر معاویہ کے تزک و احتشام اور حضرت عمر کی سادگی پر مشتمل تھا ، عبداللہ کے سامنے پیش کر دیا ، عبداللہ نے پڑھنا شروع کیا تو اس میں لکھا تھا :۔

"جب حضرت عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف شام کے سفر پر روانہ ہوئے تو قبل اس کے کہ شہر میں داخل ہوں ، امیر معاویہ نے شہر سے باہر آ کر بڑی دھوم دھام سے دونوں بزرگوں کا استقبال کیا حضرت عمرؓ اس وقت پاپیادہ چل رہے تھے ، انہیں پیادہ دیکھ کر امیر معاویہ کو بھی پیدل چلنا پڑا ، عبدالرحمٰن بن عوف نے جب تھکن کے آثار معاویہ کے چہرے پر دیکھے تو حضرت عمر سے کہا۔

امیر المومنین آپ نے آج معاویہ کو تھکا دیا۔

حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن کو کوئی جواب نہیں دیا ، اور معاویہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں نے سنا ہے تمہارے دروازے پر حاجتمندوں کا ہر وقت ہجوم

رہتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟ کیا یہ واقعہ ہے؟

معاویہ نے کہا۔

"امیرالمومنین بالکل بجا ارشاد فرماتے ہیں، واقعی یہی صورت ہے"۔

حضرت عمر نے کہا،

"لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے"؟

معاویہ نے جواب دیا۔

"ہم ایک ایسے مُلک میں مقیم ہیں جہاں ان لوگوں کی اکثریت ہے جو ہمارے دین، ہمارے مذہب، ہماری تہذیب اور ہمارے چلن سے ناواقف ہیں۔ انہوں نے ایرانیوں اور رومیوں کا جاہُ جلال دیکھا ہے، اگر یہ ہماری سادگی دیکھیں گے تو اس سے متاثر اور مرعوب نہ ہوں گے۔ انہیں متاثر اور مرعوب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسی شان و شوکت سے رہیں جس کے نظارہ کے یہ عادی رہ چکے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو کامیاب نہ ہوں گے ناکام ہو جائیں گے۔ لیکن میں بہرحال تابع فرمان ہوں جیسا حکم ہوگا وہی کروں گا!

حضرت عمر نے معاویہ کی یہ باتیں سُنکر فرمایا:۔

"اگر تم سچ کہتے ہو تو ٹھیک کہتے ہیں اور اگر جھوٹ بولتے ہو تو مجھے دھوکا دیتے ہو!

عبداللہ نے اس واقعہ کو غور سے پڑھا اور دل ہی دل میں کہا، میرے

والدمعاویہ کے طرزِ عمل کو رہنما بنا رہے ہیں۔ عمر کے طرزِ عمل کی پیروی نہیں کرتے، فقیہ صاحب سچ ہی تو کہہ رہے تھے۔ یہ لوگ امامت اور خلافت کے مستحق نہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خلافت کو ذاتی جاگیر بنا لیا ہے!

پھر عبداللہ نے کتاب فقیہ ابن عبدالبر کی طرف بڑھاتے ہوئے انہی اوراق کے بارے میں کہا۔

"ذرا یہ ملاحظہ فرمائیے!"

جب فقیہ صاحب نے امیر معاویہ اور حضرت عمر کا واقعہ پڑھ کر کتاب شہزادہ کو دی تو وہ گویا ہوا۔

عبداللہ:۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟

فقیہ:۔ (ٹھنڈی سانس لے کر) ہاں دیکھ لیا۔

عبداللہ:۔ کتنا بڑا فرق ہو گیا ہے جب میں اور اب میں؟

فقیہ:۔ بے شک زمین و آسمان کا فرق خلافتِ راشدہ کا دَور ہماری رُوحانی اور اخلاقی معراج کا دَور تھا، وہ لوگ ہمہ صفت موصوف تھے خدا سے ڈرتے تھے۔ خدا کے بندوں کا خیال رکھتے تھے۔ بیت المال کو قوم کی امانت سمجھتے تھے، لاکھوں کروڑوں روپیہ ان کے پاس آتا تھا، لیکن سب قوم پر خرچ کر دیتے تھے، اپنے اُوپر کچھ صرف نہیں کرتے تھے، فاقے کرتے تھے پھٹے پُرانے کپڑے پہنتے تھے، پیوند لگاتے تھے۔ اپنا جوتا آپ گانٹھ لیتے تھے، انہی کے دَم سے اسلام کا نام روشن تھا، انہی کی ذات تھی جس سے مُسلمانوں کا بھرم قائم تھے، دُشمن ان سے کانپتے تھے۔ دوست ان کا

ادب کرتے تھے، اپنے ان پر فخر کرتے تھے۔ انہوں نے مغرب و مشرق میں شمال و جنوب میں، دُنیا کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں اسلام کا نام بلند کیا، ان کا کردار اتنا پاک ان کی سیرت اتنی بے داغ اور ان کا اخلاق اتنا روشن تھا کہ جو انہیں دیکھ لیتا تھا، والا و شیدا بن جاتا تھا۔ اسلام کا کلمہ پڑھنے لگتا تھا، اور پھر ان کے بعد امیر معاویہ کے وقت سے شخصی سلطنت کا دور شروع ہوا۔ دو ایک مثالوں کو چھوڑ کر دیکھئے جتنے خلفا گزرے ہیں یہ سب خلافت سے ذاتی منفعت اٹھاتے تھے، قوم، ملت، مُلک اور مذہب سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا، آہ کاش وہ مبارک زمانہ پھر واپس آجاتا، کاش مسلمانوں کی حالت سدھر جاتی، کاش مسلمانوں پر وہ لوگ حکمران ہوتے جو اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھتے!

عبداللہ:۔ کاش ایسا ہوتا!

سعید:۔ سب کچھ ہو سکتا ہے، اگر ہم چاہیں، دل پر رکھ لینے کے بعد کوئی کام مشکل نہیں رہتا۔

عبداللہ:۔ تمہارے خیال میں حالات کی اصلاح ہو سکتی ہے؟

سعید:۔ ضرور ہو سکتی ہے، اور بہت اچھی طرح ہو سکتی ہے!

عبداللہ:۔ کیونکر؟

سعید:۔ نظامِ حکومت بدلنے سے!

عبداللہ:۔ وہ کیسے بدل سکتا ہے؟

سعید:۔ ولی عہدی کا مسئلہ از سرِ نو طے کرنے سے!

عبداللہ:۔ یعنی؟

سعید:۔ جی ہاں، امیرالمومنین نامرنے حکومت کرلی اور رعایا نے اس حکومت کو برداشت کرلیا امیرالمومنین کے عہد میں بھی اسلامی نقطہ نظر سے خامیاں ہیں، لیکن ان خامیوں کو ایک عرصہ سے لوگ دیکھتے اور برداشت کرتے چلے آرہے ہیں، لیکن اب ان میں شعورِ قومی اور احساسِ حق بیدار ہو رہا ہے امیرالمومنین کے بعد یہ نظام اس طرح نہیں چل سکے گا لوگ شہزادہ حکم کی حکومت نہیں برداشت کرسکیں گے۔ جب کہ وہ فلسفی مذاق بھی رکھتے ہیں، اُن کی نظر میں مذہب کی وہ وقعت نہیں جو ہونی چاہیئے۔

عبداللہ:۔ آپ کی نظر میں کون شخص ہمارے خاندان میں ولی عہدی کا مستحق ہے؟

سعید:۔ اگر خوشامد اور چاپلوسی کا الزام نہ لگایا جائے تو میں بے تامل شہزادہ عبداللہ کا نام لے سکتا ہوں ــــ!

فقیہ:۔ بے شک اس خاندان میں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں، ساری ملت اسلامیہ میں اپنی سلامتی طبع۔ زہد و تقویٰ، مذاق علم، نیک طینتی اور خوش کرداری کے اعتبار سے ہمارے شہزادے کا کوئی حریف نہیں!

عبداللہ:۔ آپ کی بات مان بھی لی جائے تو بھی اس کا عمل پذیر ہونا قطعاً ناممکن ہے

سعید:۔ یہ کیوں جناب والا؟

عبداللہ:۔ اس لیے کہ اس طرح فتنہ و فساد کا احتمال ہے!

فقیہ:۔ میں آپ کی اس رائے سے اختلاف کرتا ہوں!

سعید:۔ فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے تو ہم یہ تجویز پیش کر رہے ہیں، اور آپ فرماتے ہیں کہ

اس طرح امن وامان غارت ہو جائے گا۔ میرے محترم سردار اگر ہماری تجویز بروئے کار نہ آئی تو بے شک خوں ریزی بھی ہو گی اور خانہ جنگی بھی، اور بھی نہ جانے کیا کیا!

عبداللہ:۔ آپ کو کیسے معلوم ؟

سعید:۔ میں ایک شہری ہوں، میں مسجدوں میں جاتا ہوں، خانقاہوں میں بیٹھتا ہوں گلیوں اور کوچوں کی سیر کرتا ہوں، خود میرا کتب خانہ مختلف العقائد اور مختلف الخیال لوگوں کا مرکز اور مرجع بنا رہتا ہے، میں اگرچہ کچھ نہیں کہتا، یہ باتیں میں نے صرف آپ کے سامنے کی ہیں لیکن سنتا سب کی ہوں۔

عبداللہ:۔ سب کی یہی رائے ہے ؟

فقیہ :۔ بے شک !

سعید:۔ واقعۃً سب کی یہی رائے ہے، میں آپ کو مطلع اور متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کے سوا ولی عہدی کا سہرا کسی اور کے سر باندھا گیا تو قرطبہ کے لوگ بغاوت کر دیں گے۔

عبداللہ:۔ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیئے اس طرح ہماری ہوا خیزی ہو گی۔

سعید:۔ بے شک آپ صحیح فرماتے ہیں، لیکن اس خطرناک صورت حال سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ نظامِ خلافت صالح ہاتھوں میں آئے، ایسا شخص اس کام کے لیے متعین کیا جائے جس سے عوام عقیدت رکھتے ہوں، جس کی سیرت اور کردار پر لوگ بھروسہ کرتے ہوں جس کی اصابتِ رائے، دور اندیشی اور معاملہ فہمی کے معترف ہوں صرف وہی اس ناؤ کو ساحلِ مراد تک پہنچا سکتا ہے !

(۱۵)

رہزنِ تمکین و ہوش

کچھ دیر کے بعد سعید نے شہزادہ سے عرض کیا۔

"اب اجازت مرحمت ہو تو واپس جاؤں!"

فقیہہ:- اور اس خاتون کو پیش نہیں کرو گے، جس نے یہ کتاب لکھی ہے؟

عبداللہ:- ہاں، باتیں ایسی چھڑیں کہ خیال ہی نہیں رہا، کیا وہ خاتون یہیں موجود ہے؟

سعید:- جی ہاں!

عبداللہ:- اسے فوراً بلاؤ۔

پھر عبداللہ نے اپنے خادمِ خاص سائرہ کو بلایا اور حکم دیا۔

باہر ایک خاتون کھڑی ہے جو ہمارے مہمان سعید کے ساتھ آئی تھی اسے فوراً لے کر آؤ۔

تھوڑی دیر میں سائرہ عابدہ کو لے کر آ گیا، عبداللہ کی جب اس پر نظر پڑی تو یہ دیکھ کر واقعی ہو قفِ حیرت ہو گیا کہ صورت شکل کے اعتبار سے بھی وہ لاکھوں میں ایک ہے، وہ اس کا قدِ زیبا، وہ اس کی سحر طراز آنکھیں، وہ اس کی ساعدِ سیمیں وہ اس کی ساقِ بلوریں، وہ اس کے پھول سے رخسار، وہ شرماتی، لجاتی، دبتی سکڑتی آئی اور ادب سے سلام کر کے کھڑی ہو گئی، عبداللہ کچھ دیر اس کی طرف نگراں رہا۔ پھر اس نے گفتگو شروع کی۔

عبداللہ:- محترم خاتون تم کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ!

وہ بیٹھ گئی۔

عبداللہ:- تمہارا نام کیا ہے؟

عابدہ:- کنیز کو عابدہ کہتے ہیں۔

عبداللہ:- سعید سے معلوم ہوا تھا کہ تمھیں عرب شعراء کے لاتعداد اشعار یاد ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ کچھ سناؤ!

عابدہ:- کنیز کو تعمیلِ ارشاد میں عذر نہیں، لیکن یہ ارشاد ہو کہ کس قسم کے شعرا کا کلام مرغوبِ طبع ہے۔

عبداللہ:- تمھیں کس قسم کے شعرا کا کلام یاد ہے؟

عابدہ:- میں شعرائے جاہلیت کا کلام بھی سُنا سکتی ہوں، عہدِ اسلامی کے شعرا کا کلام بھی مجھے یاد ہے اور عصرِ حاضر کے شعرا میں سے آپ جس کا چاہیں کلام سُنا دوں۔

عبداللہ:- (متحیر ہو کر) کیا تمھیں ابو زید کی جمہرۃ الاشعار کا کچھ حصّہ یاد ہے؟

عابدہ:- جی ہاں مجھے اس کے خاص خاص اشعار یاد ہیں۔ بحتری کے دیوان کے اشعار بھی سُنا سکتی ہوں اور ابن قتیبہ کی طبقات الشعر کا خلاصہ بھی عرض کر سکتی ہوں!

عبداللہ:- (مسکرا کر) پھر تو واقعی تم بڑی صاحبِ کمال ہو!

سعید:- حضور والا اس کو بہت کچھ آتا ہے، یہ موسیقی کے فن سے آشنا ہے۔ خود شعر کہہ لیتی ہے۔ تاریخ کے واقعات اسے ازبر ہیں، ادب، فصاحت

بلاغت کی ماہر ہے، سچ تو یہ ہے کہ ہر فن مولا ہے، عقد الفرید کے مضامین پر بھی یہ حاوی ہے، اور اس کی کتابت تو اسی کے دستِ نازک کا کرشمہ ہے۔

عابدہ:۔ (عبداللہ سے) کیا جناب کے دستِ مبارک میں امالی ہے؟

عبداللہ:۔ (متحیر ہو کر) ہاں ——— کیا تمھاری نظر سے یہ کتاب گزر چکی ہے؟

عابدہ:۔ جی میں اس کا مطالعہ کر چکی ہوں، اگر اجازت ہو تو آپ کے اجداد بنو اُمیہ کے کچھ حالات جو اس کتاب میں درج ہیں گوش گذار کروں؟

عبداللہ:۔ (خوش ہو کر) ضرور سنیں گے، سناؤ دیکھیں تمھیں کیا یاد ہے!

عابدہ:۔ میں عبدالملک بن مروان کا ایک واقعہ حضور والا کو سناتی ہوں۔

عبداللہ:۔ سناؤ ہم گوشِ ہوش سے سُن رہے ہیں!

عابدہ:۔ عبدالملک بن مروان جب تختِ خلافت پر بیٹھا تو اسے طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے بڑا مسئلہ عبداللہ بن زبیر کی خلافت کا تھا، ان کا بھائی مصعب عراق کا فرماں روا تھا، عبدالملک نے فیصلہ کیا کہ مصعب کا خاتمہ کرنا چاہیئے، چنانچہ شام سے وہ بہ نفسِ نفیس اس مہم پر روانہ ہوا۔ اس کی بیوی نے لاکھ لاکھ روکا، منع کیا لیکن وہ نہ مانا کسی اور کو بھیجنے پر رضامند نہ ہوا خود گیا اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوا، اُس نے نہ صرف مصعب کو شکست دی بلکہ رفتہ رفتہ محض اپنی استقامت اور حوصلہ کے بل پر تمام مخالفوں پر غالب آگیا، جس پر غالب آیا اُسے قتل کر دیا، یہاں تک کہ بے غل وغش خلافت کرنے لگا کوئی حریف بھی میدان میں نہ رہ گیا۔

اگر وہ ذرا بھی کمزوری دکھاتا تو خود بھی ختم ہو جاتا اور حکومت بھی ختم ہو جاتی!

عبداللہ بڑی توجہ سے عابدہ کی تقریر سُن رہا تھا، جب وہ کہہ چکی تو اس نے محوّیت کے عالم سے سر اُٹھایا اور کہا۔

عبداللہ :۔ ماشااللہ بہت خوب ——— واقعی تمھاری زبان میں غضب کا اثر ہے، اس واقعہ سے کبھی میں اتنا متاثر نہیں ہوا، جتنا آج تمھاری زبان سے سنکر متاثر ہوا ہوں، اگر کوئی اور واقعہ بھی یاد ہو تو بیان کرو!

نفیتہ :۔ میری رائے یہ ہے کہ اب ان سے کچھ اشعار سُنیئے!

عبداللہ :۔ اچھا وہی سہی۔

عابدہ :۔ زہیر ابن سلمیٰ کے کچھ اشعار یاد آ گئے ہیں اس وقت وہی پیش کرتی ہوں۔ زہیر کہتا ہے :۔

جو شخص اپنی عزت اور ناموس کو تلوار سے نہیں بچا سکتا۔ اس کی قسمت میں ذِلّت لکھی ہے۔

جو دوسروں پر سختی نہیں کر سکتا، اسے تیار رہنا چاہیئے کہ دوسرے اس پر سختی کریں۔

جو شخص بُروں کے ساتھ بھلائی کرے گا وہ اپنے لیے بُرائی کا مرتکب ہو گا، جو کیچڑ میں ڈھیلا پھینکے گا، ممکن نہیں کہ اس پر چھینٹے نہ پڑیں۔

جو غیر مستحق پر احسان کرے گا، وہ ثنا اور صفت کا حقدار نہیں، خجالت اور ندامت کا سزاوار ہے!"

عبداللہ:۔ واقعی کس غضب کا گانا ہے اور کس غضب کا کلام ہے۔

فیقہ:۔ عہدِ جہالت کے شعرا ہیں کچھ اثر ہی بلا کا ہوتا ہے!

عبداللہ:۔ لیکن طبیعت سیر نہیں ہوتی کچھ اور سناؤ!

عابدہ:۔ کنیز کے لیے یہ فخر ہے کہ وہ شہزادہ کے حکم کی تعمیل کرے۔

پھر بڑی دیر تک وہ مختلف قسم کے گیت اور راگ سناتی رہی جس سے عبداللہ بہت محظوظ ہوا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ دستر خوان چنا جائے، تھوڑی دیر میں انواع و اقسام کے کھانے دستر خوان پر ڈھیر ہو گئے، بڑی دیر تک کھانے کا اور کھانے کے دوران میں باتوں کا سلسلہ جاری رہا، کھانے کے بعد پھر اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔

عبداللہ:۔ کیا تم جس طرح گانے کے فن میں کمال رکھتی ہو، باجہ بھی بجا لیتی ہو؟

عابدہ:۔ جی ہاں تھوڑا بہت!

عبداللہ:۔ تو بتاؤ کس باجہ کی تمہیں مشق ہے۔ تاکہ وہ منگا دیا جائے۔

عابدہ:۔ میرا باجہ میرے پاس ہے، پھر اُس نے جیب سے کچھ تار نکالے، کچھ کھونٹیاں نکالیں انہیں ایک خاص ترتیب سے مرتب کیا اور کچھ اس طرح بجایا کہ سب پر سکتہ طاری ہو گیا، عبداللہ نے پوچھا،

"اس باجہ کا نام کیا ہے؟"

عابدہ:۔ اسے قانون کہتے ہیں!

عبداللہ:۔ کیا یہ وہی باجہ ہے جسے ہمارے دور کے مشہور فلسفی ابونصر فارابی نے ایجاد کیا ہے؟

عابدہ :۔جی یہ وہی ہے !

عبداللہ :۔مجھے معلوم ہے، وہ ابھی زندہ ہے لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کے حضور میں ہر کوئی نہیں پہنچ سکتا، پھر تم کیسے وہاں پہنچ گئیں۔

عابدہ :۔(مسکرا کر) جوئندہ یابندہ !

سعید :۔یہ وہی باجہ ہے جسے سیف الدولہ کے دربار میں فارابی نے بجایا تھا اور سب کو مدہوش کر دیا تھا !

عبداللہ :۔ہاں میں اس کی تعریف سُن چکا ہوں اور جیسا سُنا تھا ویسا ہی پایا !۔

عابدہ کیا تم ہمارے پاس رہو گی ؟

سعید :۔ہم دونوں آپ کے خادم ہیں، جو حکم ہو !

عبداللہ :۔کیا تم بھی رہنا چاہتے ہو ؟ اگر ایسا ہو تو مجھے بہت خوشی ہوگی، تم میرے کتب خانہ کو سنبھال لو اور اسے یکتائے روزگار بنا دو، عابدہ میری حرم میں میری مطربہ، مغنیہ اور مشیر کی حیثیت سے رہے گی اس سے میں علمی اور ادبی مذاکرے کرتا رہوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے علم اور مہارت نے مجھے اس کا قدردان بنا دیا ہے۔

سعید :۔بندہ نوازی ہے شہزادہ والا قدر کی !

عبداللہ :۔تو تم نے کیا فیصلہ کیا ؟

سعید :۔فیصلہ کا کیا سوال ہے، ہم تو حکم کے بندے ہیں !

عبداللہ :۔لیکن تمہارا جو کتب خانہ ہے۔ اسے کیا کرو گے ؟

سعید :۔ایسے ایسے دس ہزار کتب خانے ہیں، شہزادہ عبداللہ کی خوشنودی پر

نثار کر سکتا ہوں، میرے لیے اس سے بڑھ کر مسرت اور فخر کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ اپنی زندگی کے ایام میں آپ کے قدموں میں بسر کروں۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ عابدہ سے زیادہ دُور بھی نہیں رہ سکتا!

عبداللہ:۔ تم عابدہ کے بارے میں فکر نہ کرو تمھارے لیے ہم اس محل کے اندر ایک مکان کا انتظام کئے دیتے ہیں۔ اس میں رہو، عابدہ سے ملتے رہنا اور کتب خانہ کو اپنی تحویل میں لے لو۔

سعید:۔ بہت خوب!

پھر عبداللہ نے سائرہ سے کہا۔

"وہ مکان جو ہمارے کتب خانہ سے متصل ہے سعید کے لیے بہترین قسم کے فرنیچر سے آراستہ کر دیا جائے (سعید سے) کل سے تم یہاں مستقل طور پر آجاؤ۔ (سائرہ سے عابدہ کی طرف اشارہ کر کے) انہیں محل میں لے جاؤ، اور خواتینِ محل سے ان کا تعارف کرادو!"

اس گفتگو کے بعد عابدہ حرم سرا میں چلی گئی، اور سعید، فقیہ ابن عبدالبر کے ساتھ رخصت ہو گیا۔

(۱۷)

کھچڑی پکتی رہی!

فقیہ ابن عبدالبر اور سعید پاس پاس دو بستروں پر لیٹ گئے اور باتیں کرنے لگے سعید دِل سے یہ چاہتا تھا کہ رات فقیہ کے پاس گزارے، تاکہ اُسے حصولِ مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنا سکے اور فقیہ کی خود بھی یہ تمنا تھی کہ سعید آج کی رات یہاں بسر کرے تاکہ اس سے شہزادہ عبداللہ کے بارے میں ایک متعین پالیسی طے کر کے کوئی پروگرام بنایا جائے، اور اس پر عمل درآمد شروع کر دیا جائے، گفتگو کا آغاز فقیہ کی طرف سے ہوا۔

فقیہ :- آج کی گفتگو بہت دلچسپ اور کارآمد رہی، کیوں سعید کیا خیال ہے تمہارا؟

سعید :- میں آپ سے متفق ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھے شہزادہ عبداللہ سے کچھ محبت سی ہوگئی ہے، اتنا قابل، اتنا ذہین، اتنا دانشمند اور ساتھ ہی ساتھ اتنا سادہ مزاج اور خوش اطوار۔

فقیہ :- کچھ نہ پوچھو وہ آدمی کے رُوپ میں فرشتہ ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے تم آدمی بنا کر رہو گے۔

سعید :- یہ تو آپ نے عجیب بات فرمادی کیا وہ اس وقت آدمی نہیں ہیں؟

فقیہ :- میرا مطلب یہ ہے کہ تم نے آج انہیں ایسی پٹی پڑھائی ہے کہ ضرور اس وقت وہ سوچ رہے ہوں گے کہ تختِ خلافت کس طرح حاصل کیا جائے؟

سعید:- انہیں یہ سوچنا چاہیئے اور میری دیانتداری کے ساتھ یہ رائے ہے کہ ان سے بڑھ کر اس منصب کا کوئی اہل نہیں۔

فقیہ:- یہ تو ٹھیک ہے لیکن بندۂ خدا یہ تو سوچو اگر ان کے دل میں کسی طرح یہ بات جم گئی تو اس کا انجام کیا ہوگا؟

سعید:- کیا ہوگا انجام؟

فقیہ:- خوں ریزی، قتل و غارت، ہنگامہ، فساد،!

سعید:- کوئی پرواہ نہیں، ایک نیک کام کے لیے یہ سب کچھ جائز ہے

فقیہ:- گویا تم ہر قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو؟

سعید:- قطعاً —— اور آپ کو بھی تیار رہنا چاہیئے!

فقیہ:- لیکن اگر خود شہزادہ صاحب پیچھے ہٹ گئے تو کیا ہوگا؟

سعید:- ہاں یہ آپ نے صحیح فرمایا ہمارے شہزادہ عبداللہ میں ضرورت سے زیادہ انکسار ہے وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہی نہیں! —— واقعی یہ ایک کمزوری ہے اور اسے دور ہونا چاہیئے!

فقیہ:- دُور ہونا چاہیئے یہ تو ٹھیک ہے، لیکن کس طرح دُور ہو، اس کا بھی کوئی جواب ہے؟

سعید:- ہاں ہے کیوں نہیں؟ اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں، ذرا مجھے ان کی خدمت میں دخیل ہونے دیجیئے، پھر دیکھیئے گا وہ آمادہ ہوتے ہیں یا نہیں؟

فقیہ:- اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ تم ان کے کتب خانہ کے ناظم بن گئے۔ ان کے
ب خانہ کے ناظم بن گئے۔ ان کے

مشیر قرار پائے، ان کی خدمت میں ہر وقت حاضر ہونے کی اجازت مل گئی، خاص محلسرا کے اندر رہنے کے لیے ایک عمدہ سا مکان مل گیا، عابدہ بھی متوسلینِ دربار میں شامل کر لی گئی، اب اور کیا چاہیئے بندۂ خدا؟

سعید:- یہ تو ٹھیک ہے لیکن پھر بھی ان کا مزاج سمجھنے میں اور اپنے آپ کو سمجھانے میں اور حالات کا جائزہ لینے میں کچھ وقت لگے گا یا نہیں؟

نفیتہ:- ہاں یہ تو ہے لیکن اس کے لیے بہت تھوڑی مدّت کی ضرورت ہے!

سعید:- یہ مانتا ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ انشا اللہ ہم عبداللہ کے سر پر تاجِ حکومت رکھ کر رہیں گے خواہ کچھ بھی ہو۔

نفیتہ:- خدا وہ دن جلد لائے، میں تو اس مبارک دن کا منتظر ہوں۔

سعید:- سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہیئے کہ عبداللہ کا عندیہ لینا چاہیئے، ایسا نہ ہو ہم تو جان کی بازی لگا دیں اور وہ حضرت پورس کے ہاتھی کی طرح ہمی کو کچل کر بھاگ کھڑے ہوں!

نفیتہ:- نہیں یہ نہیں ہو سکتا، شہزادے صاحب کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ یا تو کسی کام میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ یا ڈالتے ہیں تو پھر اسے ختم کئے بغیر چین نہیں لیتے!

سعید:- تو ایسا کیجئے، کل اس مسئلہ کو چھیڑیئے!

نفیتہ:- یہ نہیں ہو سکتا، آج اس مسئلہ کو میں نے چھیڑا تھا، اور میرا خیال ہے وہ مجھ سے کافی بد گمان ہو گئے ہیں۔

سعید:- اچھا اگر موقع ہوا تو میں خود سلسلہ جنبانی کروں گا، لیکن آپ میرا ساتھ تو

دیں گے؟ یا اس سے بھی انکار ہے؟

فیتحہ :- سائنہ ضرور دوں گا، آج ہی میں نے تمھاری کیسی کیسی تائید کی تھی بھول گئے؟

اِدھر تو یہ باتیں ہو رہی تھیں اور اُدھر شہزادہ عبداللہ بستر پر لیٹا ہوا کروٹیں بدل رہا تھا۔ اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ فکرمند نظر آرہا تھا۔ اس کی زندگی بڑے امن اور اطمینان کی زندگی تھی۔ وہ اپنی زندگی پر قانع تھا۔ وہ بڑے سکون کی زندگی بسر کر رہا تھا، جو چاہتا تھا وہ میسر ہو جاتا تھا۔ بہترین کتب خانہ تھا اور وقت کا بڑا حصہ وہیں گذرتا تھا۔ اُس نے اپنے باپ کی موت اور بڑے بھائی حکم کی جانشینی پر آج تک غور نہیں کیا تھا حکم کے بارے میں اس کی رائے بہت اچھی تھی وہ اس کی عزت کرتا تھا، اس سے محبت کرتا تھا۔ اس کی عقیدت رکھتا تھا، اپنے دل میں وہ ہر اعتبار سے حکم کو خاندانِ خلافت کا گل سر سبد سمجھتا تھا۔ ہر معاملہ میں اسے فائق اور برتر تسلیم کرتا تھا۔ لیکن کیا آج اس کی یہی کیفیت تھی؟ کیا آج بھی وہ اسی روش پر قائم تھا؟

——— نہیں ———!

آج اس کے تخیلات کی عمارت منہدم ہو گئی تھی!

زندگی میں بالکل پہلی مرتبہ آج وہ سوچ رہا تھا، حکم کا انتخاب غلط ہے وہ لائقِ عہد کا مستحق میں ہوں!

آج صرف آج اس کے ذہن و دماغ میں یہ خیال گھوم رہا تھا کہ خلافت مجھی کو ملنا چاہیئے۔

وہ ان خیالات کو دل کے گوشہ سے دھکے دے دے کر نکالنا چاہتا تھا، لیکن

کامیاب نہ ہوتا تھا۔

وہ بار بار کروٹیں بدلتا تھا۔ سعید کے متعلق سوچنے لگتا تھا۔ فتنہ کے بارے میں غور کرنے لگتا تھا۔ عابدہ کی تصویر سامنے آ جاتی تھی، اس سے باتیں کرنے لگتا تھا، اس کا گانا سننے لگتا تھا۔ اس کے لحن و ترنم کی داد دینے لگتا تھا، لیکن چند ہی لمحوں میں یہ سب چیزیں تصور کے پردہ سے غائب ہو جاتی تھی، اور حکم اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا تھا!

اور وہ نفرت سے منہ پھیر لیتا تھا۔ وہ حکم کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اسے اپنے راستہ کا پتھر سمجھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا

کیا یہ ممکن ہے کہ حکم کی ولی عہدی منسوخ کر دی جائے اور میری نامزدگی کر دی جائے؟

لیکن اس سوال کا کوئی شافی اور واضح جواب اُسے نہیں ملتا تھا۔ آخر وہ پھر دوسری طرف عنانِ توجہ مرکوز کر دیتا تھا۔ رات بیتی جا رہی تھی، لیکن نیند کا کہیں کوسوں پتہ نہیں تھا۔ ہمیشہ وہ بستر پر لیٹتے ہی سُکھ اور چین کی نیند سو جاتا تھا، لیکن آج وہ اس طرح غائب ہوئی تھی کہ کہیں دُور و نزدیک اس کا پتہ نہیں چلتا تھا!

امیر المومنین خلیفہ عبدالرحمٰن ناصر کی عقیدت اور اُلفت سے اس کا دل بھرا رہتا تھا۔ وہ اپنے باپ کی عظمت کا پرستار تھا۔ اسے اپنے باپ کے کردار میں وہ بلندی اور رفعت نظر آتی تھی کہ پہاڑ اور آسمان بھی اس کے سامنے ہیچ نظر آتے تھے لیکن وہی باپ آج عبداللہ کے تصوّر کی عدالت میں ایک مجرم کی طرح کھڑا تھا، اور وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

آپ نے حکم جیسے نالائق اور نا اہل کو مجھ پر ترجیح کیوں دی؟ کیا صرف اس لیے کہ وہ عمر میں مجھ سے بڑا ہے؟ لیکن یہ تو کوئی چیز نہیں —— بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال۔ رعایا مجھ سے محبت کرتی ہے۔ اس سے نفرت کرتی ہے، میری قدر کرتی ہے۔ اسے حقیر خیال کرتی ہے، مجھے اہل اور مستحق سمجھتی ہے، اسے نالائق اور نا اہل قرار دیتی ہے آخر اس بیچاری کے سر پر وہ کیوں مسلط کیا جا رہا ہے؟

اگر رعایا اس انتخاب کو ماننے سے انکار کر دے تو کیا ہوگا؟

کیا اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ ایسے شخص کو اپنا امیر مان لے۔ جس سے وہ نفرت کرتی ہے جس کی بڑائی اور عظمت کی وہ قائل نہیں؟

اور اگر مجبور کیا جائے تو کیا وہ سرِ اطاعت خم کر دے گی؟ آخر بغاوت کیوں ہوتی ہے؟ کیا اس کے اسباب ایسے ہی نہیں ہوتے؟ لوگ جب ناپسندیدہ اور نامرغوب بن کران سے تنگ آ جاتے ہیں۔ تو بغاوت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آخر امیر المومنین کو یہ کیا سوجھی کہ انہوں نے ایسے شخص کو اپنا جانشین بنانے کا اعلان کر دیا جو کسی اعتبار سے بھی پسندیدہ اور مرغوب حکمران نہیں بن سکتا —— یا اللہ کیا ہوگا میں کیا کروں!

---

(۱۸)

نغمہ کا سحر!

ساری رات کروٹیں لیتے گذری۔ صبح ہوتے ہی عبداللہ کی آنکھ لگ گئی۔ نماز پابندی کے ساتھ پڑھتا تھا۔ لیکن آج فجر کی نماز قضا ہو گئی۔ دن چڑھے سو کر اٹھا حسبِ معمول غسل کیا۔ کپڑے بدلے، ناشتہ سے فارغ ہوا اور اپنے کتب خانہ میں پہنچ گیا اور مطالعہ کتب میں مشغول ہو گیا۔

وہی کتابیں جو اس کی بہترین دمساز، ہمدم اور رفیق تھیں، آج اجنبی اور غیر مانوس نظر آ رہی تھیں۔ ورق کے ورق پڑھ جاتا تھا، لیکن کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کیا پڑھا؟ جب اسی طرح بڑی دیر گذر گئی تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور ٹہلنے لگا۔ خیالات تھے کہ کسی طرح یکسو نہ ہوتے تھے۔ اضطراب دل تھا کہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ دل ہی دل میں وہ فقیہ ابن عبدالبر اور سعید کا انتظار کر رہا تھا کہ یہ لوگ آئیں کچھ باتیں ہوں تو دل بہلے لیکن آج ہی ان لوگوں کو بھی لیٹ ہونا تھا۔

ایک عجیب اضطراب کی کیفیت اس وقت شہزادہ عبداللہ پر طاری تھی۔ کبھی وہ ٹہلنے لگتا تھا۔ کبھی چپ چاپ بیٹھ جاتا تھا۔ کبھی کچھ سوچنے لگتا تھا۔ کبھی آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگتا تھا۔ کبھی کتابوں کی ورق گردانی شروع کر دیتا تھا۔ آخر جب کسی طرح طبیعت یکسو نہ ہوئی تو اس نے دستک دے کر ساٹر کو بلایا۔ وہ آواز سنتے ہی فوراً آ موجود ہوا۔ اس نے ادب سے سر جھکا کر دریافت کیا۔

سائر:۔ میرے آقا غلام حاضر ہے۔ ارشاد ہو کہ اسے کیوں یاد فرمایا ہے؟

عبداللہ:۔ ابھی تک فقیہ ابن عبدالبر نہیں تشریف لائے؟

سائر:۔ نہیں میرے آقا!

عبداللہ:۔ اور سعید؟ ۔۔۔ ہمارے کتب خانہ کا نیا منتظم؟

سائر:۔ وہ بھی ابھی تک نہیں حاضر ہوا۔ جیسے ہی آئے گا فوراً حاضر خدمت کیا جائے گا۔

عبداللہ:۔ عابدہ کا کیا حال ہے؟

سائر:۔ وہ محل میں ہیں اور خوش و خرم ہیں!

عبداللہ:۔ اسے ہمارے حضور میں پیش کیا جائے!

سائر نے سر جھکایا اور چلا گیا۔ چند لمحے مشکل سے گذرے ہوں گے کہ عابدہ آتی ہوئی نظر آئی، آج اس پر غضب کا نکھار تھا، یوں بھی وہ غیر معمولی حسین تھی، لیکن آج کی سج دھج نے اس کے حسن و جمال میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ شہزادہ اس سے ویسے ہی متاثر تھا۔ لیکن اس وقت تو اس کے تاثر کی کیفیت بیان کرنا ناممکن ہے۔ عابدہ خاموشی سے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی، عبداللہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد عابدہ نے قفل سکوت توڑا۔

عابدہ:۔ سائر نے مجھے کہا تھا کہ شہزادہ عبداللہ مجھے یاد کر رہے ہیں۔

عبداللہ:۔ ہاں ۔۔۔۔۔۔ ہم نے تمھیں بلا کر زحمت تو نہیں دی؟

عابدہ:۔ بالکل نہیں ۔۔۔۔۔ میں تو آپ کی کنیز ہوں۔ زحمت کا کیا سوال؟

عبداللہ:۔ یہ نہ کہو تم جیسی شاعرہ اور ادیبہ کو اپنے پاس رکھ کر ہم فخر اور مسرت محسوس

کرتے ہیں۔

عابدہ:۔ بندہ پروری ہے، شہزادہ والا مرتبت کی، لیکن اگر گستاخی نہ سمجھی جائے تو کنیز یہ دریافت کرنے کی جرأت کرے۔ آج چہرۂ مبارک پر کچھ تکدّر کے آثار نظر آ رہے ہیں —— خیر تو ہے؟

عبداللہ:۔ ہاں کوئی بات نہیں، رات اچھی طرح نیند نہیں آئی!

عابدہ:۔ تو اب سو رہیئے۔

عبداللہ:۔ نہیں ہم ناوقت سونے کے عادی نہیں ہیں! —— ہاں، لیکن تم ہماری یہ تکان اگر چاہو تو دُور کر سکتی ہو۔!

عابدہ:۔ وہ کیونکر میرے آقا؟

عبداللہ:۔ گانا سناؤ —— تمھارے لحن و ترنم میں غضب کا سوز و گداز ہے تمھاری آواز میں ایسی جاذبیت اور کشش ہے کہ بے ساختہ دل کھنچنے لگتا ہے اس طرف؟

عابدہ:۔ کنیز کو تعمیل ارشاد میں کوئی تامل نہیں، لیکن ——

عبداللہ:۔ لیکن کیا؟

عابدہ:۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اس اضمحلال کے عالم میں اگر آپ نے گانا سُنا تو زیادہ محظوظ نہ ہو سکیں، شاید —— اگر اجازت ہو تو کوئی تاریخی واقعہ سناؤں؟ کوئی داستان پیشِ خدمت کروں؟

عبداللہ:۔ ہم جانتے ہیں تاریخ پر تمھاری کتنی اچھی نظر ہے، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ داستانیں بھی تمھیں بڑی اچھی اچھی یاد ہیں۔ لیکن ہمارا دل اس وقت صرف گانے

ہی سے بہلے گا —— گاؤ عابدہ گاؤ۔

عابدہ :۔ بہت خوب!

اور عابدہ گانے لگی —— ۔ وہ گا رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی موسیقی کے سحر اور اعجاز سے، شجر و حجر اور بام و در تک مسحور ہو رہے ہیں۔ شہزادے کی یہ کیفیت تھی کہ وہ دم بخود تھا۔ ایسا گانا اس نے کبھی نہیں سنا تھا۔ ایسے اشعار اس کے کانوں میں کبھی نہیں پہنچے تھے۔ ایسے تاثرات اس پر کبھی طاری نہیں ہوئے تھے، ایسی کیفیت سے اُسے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا، واقعی یہ گانا نہیں تھا —— سحر تھا اعجاز تھا!

سائر نے کئی قسم کے باجے، ساز اور مزامیر لا کر سامنے رکھ دیئے لیکن عابدہ نے کسی میں ہاتھ نہیں لگایا، کسی کو چھوا بھی نہیں، وہ یونہی گا رہی تھی، بغیر کسی ساز کے بغیر کسی باجہ کے، بغیر کسی سہارے کے، خود اس پر بھی غضب کی محویت طاری تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا، وہ خود بھی اپنے سحر موسیقی سے مسحور ہو رہی ہے، خود اسے بھی اس کی آواز کا جادو بے خود اور بیقرار کئے ہوئے ہے! —— وہ خود کھوئی ہوئی سی تھی، عبداللہ اسے دیکھ رہا تھا اور وہ سعید کے تصوّر میں مگن تھی!

۱۹

آگ بھڑکنے لگی!

بڑی دیر اسی طرح گزر گئی!

نہ عابدہ کے سحرِ موسیقی میں کمی آئی، نہ عبداللہ کے ذوقِ طرب کو تسکین ہوئی۔ دونوں بے خودی کے ساتھ اپنے کام میں منہمک تھے۔ یکایک سائر آیا اور ہاتھ باندھ کر خاموش کھڑا ہو گیا، عبداللہ سائر کی وفاداری اور نمک حلالی سے بہت خوش تھا۔ لیکن اس وقت اس کی آمد بہت بُری معلوم ہوئی۔ اس نے گھور کر اسے دیکھا اور کہا۔

"تم کیوں آئے ہو؟ تمھیں یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟

سائر کانپ گیا۔

میرے آقا ——

عبداللہ نے گرجتے ہوئے کہا۔

"واپس جاؤ اور کبھی ہمارے لطف میں خلل ڈالنے کی جرأت نہ کرو"!

لیکن سائر بدستور کھڑا رہا، اُسے یوں کھڑا دیکھ کر عبداللہ کو غصہ آ گیا، اس نے کہا۔

"کیا تو بہرا ہے؟ —— کیوں نہیں دفع ہوتا یہاں سے؟

سائر نے آہستہ سے عرض کیا۔

"میرے آقا، ولی عہدِ سلطنت شہزادہ حکم کا خط آیا ہے"؟

یہ سُنکر عبداللہ چکرا گیا،

"ولی عہد کا خط؟ —— کس کے نام —— ؟

سائرہ نے عرض کیا۔

"میرے آقائے ولی نعمت کے نام!

اور یہ کہہ کر اس نے خط شہزادہ کی طرف بڑھا دیا!

شہزادہ کو حیرت تھی کہ اس وقت ولی عہد کا خط آنے کے کیا معنی ہیں! لیکن بہت جلد اسے جواب مل گیا۔ اس نے خط پڑھنا شروع کیا، مشکل سے چند سطریں پڑھی ہوں گی کہ تیوریاں چڑھ گئیں، آنکھیں سُرخ ہو گئیں، چہرہ کا رنگ بدل گیا، ناک کے نتھنے پھڑکنے لگے۔

خط پڑھ چکنے کے بعد اُس نے تکیہ کے نیچے رکھ دیا، اور برہمی کے عالم میں کہا "ہم نے پڑھ لیا!"

سائرہ:۔ لیکن جواب؟

عبداللہ:۔ کوئی جواب نہیں ایسے خطوں کا جواب نہیں دیا جا سکتا!

سائرہ:۔ لیکن ولی عہد کا خادم دروازے پر کھڑا ہے میرے آقا!

عبداللہ:۔ اسے دھکے دے کر نکال دو اور کہہ دو کہ اب اگر کبھی ہمارے دروازے پر اس نے قدم رکھا، تو سر سلامت واپس نہ لے جائے گا!

جاؤ!

عبداللہ کی برہمی اور آشفتہ مزاجی دیکھ کر سائرہ نوک دم بھاگا اور باہر پہنچا۔ شہزادہ

حکم کا قاصد دروازے پر اب تک کھڑا تھا، اس نے ساثر کو دیکھتے ہی پوچھا۔

"جواب لے آئے؟ —— بڑی دیر کردی یار تم نے؟ اگر ولی عہد صاحب خفا ہوئے تو تمھارا تو کچھ نہ بگڑے گا۔ مفت میں میری جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

بات بالکل صحیح تھی اور ساثر کو اس بیچارے کے ساتھ ہمدردی بھی تھی، لیکن وہ کیا کر سکتا تھا، اُس نے کہا۔

"تم جاؤ، جواب بعد میں آجائے گا!"

قاصد یہ سنتے ہی بگڑ گیا، اُس نے کہا۔

"واہ یہ بھی خوب رہی، کیا واقعی میری جان کے گاہک بنے ہو، بغیر جواب لئے اگر وہاں پہنچا تو گردن ماردی جائے گی میری، بھیا خدا کے لیے مجھ غریب پر رحم کرو۔ میں بغیر جواب لئے یہاں سے جانے کا نہیں، چاہے کچھ ہو جائے۔

ساثر نے تسلّی اور دلدہی کے لہجہ میں کہا۔

"لیکن بتاؤ، میں کیا کروں؟ شہزادے صاحب نے یہی کہا ہے کہ ہم جواب بھیج دیں گے، اب میں تو ان کے پاس جا نہیں سکتا، جس طرح تمہیں اپنی جان عزیز ہے مجھے بھی ہے، نا بھیا میں تو نہیں جاتا۔ تم اگر جانا چاہو تو شوق سے چلے جاؤ بندہ منع نہیں کرتا!"

ولی عہد کا قاصد —— ساثر کی باتیں سُن رہا تھا۔ اتنے میں فقیہ صاحب آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ انہوں نے جو ولی عہد کے قاصد کو دیکھا تو پہچان لیا، بہت تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ دریافت کیا۔

"ارماں خیریت؟ یہاں کیسے"؟

فقیہ صاحب کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی، اس نے ساری رام کہانی

ازاول تا آخر سنادی اور بڑے عاجزانہ لہجہ میں عرض کیا۔

خدا کے لیے آپ ہی کچھ مدد کیجئے، شہزادے صاحب سے کہئے، دو حرف جواب کے لکھ دیں، تاکہ میری جان تو بچ جائے!

فیقہ صاحب نے دلاسا دیا۔

"اچھا تم ٹھہرو، میں ابھی شہزادہ صاحب کے پاس جاتا ہوں اور جواب بھجواتا ہوں۔"

فیقہ صاحب، عبداللہ کی طرف چلے، لیکن ان کا دِل زور زور سے دھڑک رہا تھا، وہ سوچ رہے تھے یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ کس طرح کا خط ہے؟ اس میں ایسی کیا بات لکھی ہے کہ شہزادہ عبداللہ کو اتنا غصّہ آیا کہ اس نے جواب ہی دینے سے انکار کر دیا۔ وہ ہانپتے کانپتے عبداللہ کے حضور میں پہنچے تو دیکھتے کیا ہیں، ایک طرف عابدہ سہمی ہوئی بیٹھی ہے، دوسری طرف عبداللہ پیکرِ جلال نظر آ رہا ہے۔ اور زیادہ گھبرا گئے، قریب پہنچکر بڑے محبّت بھرے لہجہ میں کہا۔

فیقہ:۔ باہر ولی عہد کا قاصد کھڑا ہے۔ کیا آپ کو اس کی اطلاع ہے؟

عبداللہ:۔ لیکن وہ کیوں کھڑا ہے؟ اسے میری حکم عدولی کی جرأت کیسے ہوئی، کیا میں نے کہلا نہیں دیا تھا کہ وہ جائے؟

فیقہ:۔ بے شک کہلا دیا تھا، لیکن وہ کیسے جا سکتا ہے؟

عبداللہ:۔ کیوں نہیں جا سکتا؟

فیقہ:۔ غریب کو اپنی جان عزیز ہے! ——— اگر جواب لے کر نہ گیا تو مار ڈالا جائے گا!

عبداللہ :۔ لیکن میں تو جواب نہیں دوں گا!

فقیہ :۔ آخر کیوں ؟

عبداللہ :۔ مہمل، ذلیل اور لغو باتوں کا جواب کم از کم میں تو نہیں دے سکتا۔ ایسی باتوں کا جواب صرف خاموشی ہی سے دیا جا سکتا ہے!

فقیہ :۔ آخر کیا لکھا ہے ولی عہد نے؟ کیا آپ مجھے بھی نہ بتائیں گے!

عبداللہ :۔ نہیں آپ سے کوئی پردہ نہیں ہے، آپ کو ضرور بتاؤں گا، (خط بڑھاتے ہوئے) لیجئے ملاحظہ فرمایئے اسے!

فقیہ نے خط پڑھنا شروع کیا لکھا تھا،

"ولی عہد مملکت حکم کی طرف سے برادر عزیز شہزادہ عبداللہ کو بعد سلام مسنون کے معلوم ہو کہ ہم نے سنا ہے کہ تمھارے پاس ایک شاعرہ، ادیبہ مغنیہ مطربہ، غرض ہمہ صفت موصوف لڑکی عابدہ آئی ہے جسے تم نے ملازم رکھ لیا ہے۔ ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں اور اس کے ان کمالات کا بچشم خود مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں، چند روز کے لیے اُسے ہمارے پاس بھیج دو۔!

خط پڑھ کر فقیہ صاحب سناٹے میں آ گئے۔ انہوں نے خط شہزادے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پڑھ لیا میں نے!"

عبداللہ :۔ بتائیے ایسے نامعقول خطوں کا جواب دیا جا سکتا ہے؟

فقیہ :۔ کیوں نہیں دیا جا سکتا، ـــــ دینا ہی پڑے گا!

عبداللہ:- آپ کی رائے یہ ہے کہ اس مہمل مطالبہ کو مان لوں ؟

فقیہ :- ہرگز نہیں ۔

عبداللہ :- پھر جواب کیا لکھوں ؟

فقیہ :- کتنا اچھا ہوتا ۔ اگر اس وقت سعید ہوتا ۔ اسے بلائیے اس کا مشورہ یقیناً صائب اور مبنی بر حکمت ہوگا !

عبداللہ :- لیکن وہ اب تک نہیں آیا ، میں خود بڑی دیر سے اس کا منتظر ہوں ۔

فقیہ :- واقعی اس وقت سعید کا نہ ہونا بہت بُرا ہُوا !

عبداللہ :- بس تو آپ قاصد سے کہہ دیجئے کہ وہ واپس جائے ۔

فقیہ :- ایسا کیوں نہ کیجئے کہ جواب لکھ دیجئے اس طرح قاصد کی جان بھی بچ جائے گی ، اور آپ کا مقصد بھی پُورا ہو جائے گا ۔

عبداللہ :- (کچھ سوچتے ہوئے) ہاں یہ ہو سکتا ہے ، آپ مسودہ تیار کیجئے ، میں دستخط کر دوں گا ۔

فقیہ صاحب نے فوراً قلم دوات کاغذ لے کر جواب لکھنا شروع کیا ۔

"شہزادہ عبداللہ کی طرف سے ولی عہد سلطنت شہزادہ حکم کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ آپ کا خط ملا ، افسوس آپ نے ایسا مطالبہ کیا ہے جسے میں پورا نہیں کر سکتا ، امید ہے آپ مجھے معاف کریں گے !"

عبداللہ نے مسودہ پر ایک نظر ڈالی اور دستخط کر کے فقیہ کی طرف بڑھا دیا ، فقیہ صاحب نے باہر جا کر وہ خط سائر کے حوالہ کیا ، اور واپس آ کر پھر عبداللہ

کے پاس بیٹھ گئے ۔ یہاں کی فضا بدستور مکدّر تھی، عابدہ اب تک سہمی سہمی سی تھی۔ عبداللہ کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے! عابدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ البتہ یہ ضرور اُس نے محسُوس کر لیا تھا کہ کوئی بڑا اہم اور سنجیدہ معاملہ ہے! لیکن کیا؟ —— اس کے بارے میں وہ کچھ سوچ ہی نہیں سکتی تھی!

فقیہ صاحب نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے آخر ولی عہد صاحب کو یہ سُوجھی کیا؟"

عبداللہ:۔ کچھ نہیں میری سعادت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، لیکن میں جب تک چُپ ہُوں ہُوں اگر کسی دن میرا پارہ چڑھا تو قیامت آجائے گی ——!

فقیہ:۔ بے شک شہزادہ کے مزاج سے جتنا میں واقف ہوں، اور کون ہو سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ہوا کیا؟ —— کیوں؟

عبداللہ:۔ میں کیا بتا سکتا ہوں؟ جائیے ولی عہد صاحب سے نیاز حاصل کر کے دریافت کر آیئے! —— اور ان سے کہہ دیجئے: اب ایسی جرأت کبھی نہ کریں ورنہ ترکی بترکی جواب ملے گا!

فقیہ:۔ نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خود ہی اب احتیاط کریں گے۔ ان چند سطروں سے انہیں اندازہ ہو جائے گا کہ انہوں نے جتنی بڑی غلطی کی تو ویسا ہی جواب بھی مِل گیا!

عبداللہ نے عابدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ساڑے سے کہا۔

"یہ اتنی دیر سے یہاں بیٹھی ہیں اور تم نے کچھ خاطر تواضع بھی نہیں کی؟ —— لیکن اب کھانے کا وقت ہو گیا ہے دسترخوان بچھاؤ۔ ہم تینوں یہیں کھانا کھائیں گے۔"

(۲۰)

آخر ٹھن گئی!

شہزادہ عبداللہ، فقیہ ابن عبدالبر اور عابدہ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ چکا تھا کہ ساڑا آیا، اور اس نے عرض کیا کہ کتب خانہ کا نیا منتظم سعید در دولت پر حاضر ہے اور باریابی کی اجازت چاہتا ہے یہ سُنکر عبداللہ نے حکم دیا۔ ہم اس کے منتظر تھے فوراً اسے ہماری خدمت میں پیش کرو۔ تھوڑی دیر میں سعید حاضر ہوگیا۔ اُسے دیکھ کر شہزادہ عبداللہ نے اضطراب اور اشتیاق کے ساتھ کہا۔

ارے بھئی تم کہاں رہ گئے تھے؟ کتنی دیر سے تمھارا انتظار ہورہا ہے؟

بھلا فقیہ صاحب اس موقع پر کیوں خاموش رہتے۔ انہوں نے فرمایا اب تم شہزادے کے ملازم ہو، فرائض کی بجا آوری کا احساس ہونا چاہیئے تم ہیں۔

سعید نے شرمندگی اور ندامت کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرلی اور کھڑے کھڑے کہا واقعی بہت شرمندہ ہوں، لیکن کیا کروں رات سے طبیعت خراب ہے۔ میرا تو ارادہ ہی نہیں تھا آج آنے کا۔ پھر خیال آیا شہزادہ صاحب کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔ اس لیے حاضر ہوگیا،

عابدہ یہ سُن کر کہ سعید کی طبیعت خراب تھی، بیقرار ہوگئی۔ اُس نے آدابِ مجلس کو بالائے طاق رکھ کر پریشانی کا مجسمہ بن کر دریافت کیا۔

"اگر طبیعت خراب تھی تو مجھے کیوں نہیں اطلاع دی۔ اب کیسی ہے طبیعت؟

سعید نے آنکھوں آنکھوں میں اُسے بتایا کہ تم فکر نہ کرو بالکل اچھا ہوں، میری غیر حاضری میں بھی مصلحت تھی، تم میری طرف توجہ نہ کرو۔ شاہزادہ پر یہ اثر ڈالو کہ تمہاری فکر و نظر کا مرکز وہ ہے۔ پھر کہا۔

یُونہی ذرا سر بھاری ہو رہا تھا۔ اب بالکل اچھا ہوں ——— یہ تو بتاؤ تم نے ہمارے آقا کا جی بہلایا؟

عابدہ سعید کے اشارے سب کچھ سمجھ چکی تھی۔ اُس نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"آئی تو اسی لیے تھی۔ شہزادہ کے لطف و عنایت نے مجھے ان کا اسیر کر لیا ہے۔ لیکن بہترین کوششوں کے باوجود وہ کچھ مکدّر سے نظر آتے ہیں۔

یہ کہتے کہتے عابدہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے!

سعید نے شہزادہ عبداللہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

عابدہ سچ کہتی ہے، واقعی آج میں آپ کو افسردہ اور پریشان سا دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے؟

عبداللہ نے ایک پُر سوز تبسم کے ساتھ جواب دیا۔

کوئی خاص بات نہیں، آؤ پہلے کھانا کھا لو!

سعید بھی آکر بیٹھ گیا۔ اور سب کھانا کھانے لگے، بھلا امیر المومنین الناصر کے چہیتے بیٹے کے دسترخوان پر کمی کس چیز کی ہو سکتی تھی؟ طرح طرح کے کھانے آن کی آن میں چُن دیئے گئے کھانے کے دوران میں شہزادہ بالکل خاموش رہا۔ فقیہ صاحب پورے استغراق اور انہماک کے ساتھ لذیذ کھانوں پر ہاتھ مارتے رہے۔ سعید کھانا بھی کھاتا رہا اور اشارہ اشارہ میں عابدہ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس مدت میں اُس

نے بہت کچھ عابدہ سے کہہ دیا، اور بہت کچھ سُن لیا، کھانے کے بعد سب لوگ پھر اُس بڑے کمرے میں آکر بیٹھ گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ شہزادہ عبداللہ اس وقت اتنا متاثر تھا کہ اس سے کھانا بھی نہ کھایا گیا۔ سعید اور عابدہ شکم سیر تھے۔ انہوں نے کھانے پر ذرا بھی توجہ نہ کی، زیادہ وقت ایک دوسرے کو آنکھوں کے اشارے سے اپنا حال بتانے میں صرف کیا۔ البتہ ایک فقیہہ صاحب ایسے تھے جو دنیا و مافیہا سے بے خبر کھانا کھا رہے تھے۔ اس کمرہ میں واپس آنے کے بعد سعید نے پھر وہی بات چھیڑ دی اُس نے بڑے محبت بھرے لہجہ میں کہا، آخر کیا بات ہے کہ آج آپ اتنے افسردہ نظر آ رہے ہیں؟ میں اچھی طرح سے دیکھ رہا تھا آپ سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ مشکل سے چند لقمے آپ نے کھائے ہوں گے۔ وہ بھی ہم لوگوں کی خاطر سے، اگر آپ ہمیں بھی اپنا محرم اسرار نہیں بنا سکتے، تو لعنت ہے ہماری زندگی پر، پھر یہاں رہنے سے کیا حاصل، ہم تو یہ سوچتے ہیں کہ ضرورت ہو تو اپنی جان آپ کے قدموں پر نثار کر دیں، اور آپ کی بے نیازی کا یہ عالم ہے کہ خواہ دل پہ کچھ ہی کیوں نہ گذر جائے، مگر آپ نہیں بتاتے کہ چہرہ اُترا ہوا کیوں ہے؟ پریشانی اور افسردگی کیوں طاری ہے آپ پر؟

عبداللہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا کوئی خاص بات نہیں ہے، اگر ہوتی تو بھلا تم سے نہ کہتا، لیکن یہ بتاؤ اگر بڑا بھائی اور ولی عہد سلطنت اپنے جاہ و اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھانے پر تُل جائے تب کیا کرنا چاہیئے؟

سعید نے بالکل انجان بنتے ہوئے کہا، میں اپنے آقا کے ان الفاظ کا مطلب نہیں سمجھا۔ آخر ولی عہد صاحب کو اپنے بے ضرر چھوٹے بھائی سے وجہ شکایت کیا ہو سکتی ہے؟ وہ امورِ مملکت میں مصروف ہیں اور آپ اپنا سارا وقت کتابوں کے مطالعہ میں صرف

کرتے ہیں۔ ان کے پاس لونڈیوں کے پرے کے پرے ہیں، خوبصورت اور طرحدار نازنینانِ حرم ہیں، غلمان صورت ملازم ہیں آپ ان سب باتوں سے الگ ہیں، چپ چاپ ایک گوشہ میں بیٹھے مطالعہ اور تحقیقِ علمی میں مصروف ہیں۔ اب پہلی مرتبہ آپ نے ایک کنیز،

عابدہ ــــ اپنے دربار میں رکھی ہے، اس لیے نہیں کہ وہ بڑی خوب صورت ہے، حسین وجمیل ہے، بلکہ اس لیے کہ آپ کی ہم مذاق ہے، شاعرہ ہے، ادیبہ ہے فرض کیجئے وہ اس کو طلب کرلیں تو یہ بڑی عجیب بات ہوگی! افسوسناک بھی اور ناقابلِ برداشت بھی!

یہ بات ایسی حکمت سے سعید نے کہی کہ جو اس کا مقصد تھا پُورا ہوگیا، عبداللہ کے دِل کی کھٹک ایک خلش بن گئی، اس نے کہا فرض کرو ایسا ہی ہو تو مجھے کیا کرنا چاہیئے کیا کروں میں؟

سعید نے بڑی سادگی سے کہا، ایسی صورت میں آپ کیا کریں میں نہیں عرض کر سکتا، عورت فتنہ وفساد کی جڑ ہوتی ہے۔ خود آپ ہی فیصلہ کرسکتے ہیں، میرا مقصد یہ تو نہیں کہ بھائیوں بھائیوں کو لڑا دوں۔

فقیہہ صاحب بڑی دیر سے خاموش بیٹھے ان دونوں کی باتیں سُن رہے تھے، اب ضبط نہ کرسکے، کہنے لگے لیکن ایک غیرت مند مرد کو ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیئے؟ جناب سعید صاحب یہ تو بتائیے۔

سعید نے کہا۔ غیرت مند مرد کو وہی کرنا چاہیئے جو ایک غیرت مند مرد کرتا ہے

یعنی؟ ــــــ!

عبداللہ نے پوچھا" وہ کیا کرتا ہے یہ بھی تو بتاؤ؟ کیا وہ ایسے ناواجب مطالبات کو منظور کر سکتا ہے؟"

ہرگز نہیں،

سعید نے جواب دیا۔ اور پھر خاموشی چھا گئی!

اور عبداللہ دل میں سوچنے لگا۔ اس سے بڑھ کر میری توہین و تذلیل کیا ہو سکتی ہے کہ حکم نے عابدہ کو طلب کیا۔ خواہ تلواریں میان سے نکل آئیں، لیکن میں اس مطالبہ کے آگے سر نہیں جھکا سکتا۔ شاید حکم میری غیرت کا امتحان لینا چاہتا ہے، اگر ایسا ہے تو میں ہر بات سے نپٹنے کے لیے تیار ہوں۔

فقیہ اور سعید اور عابدہ خاموش بیٹھے تھے، اور عبداللہ بھی باتیں سوچ رہا تھا کہ سعید نے شہزادے سے مخاطب ہو کر کہا، آپ نے تو گفتگو ہی بند کر دی، میرا مطلب یہ ہے کہ کیا یہ سلسلۂ گفتگو ختم ہو گیا؟

عبداللہ نے جواب دیا اگر تم کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہو۔

سعید نے کہا میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اس سلسلہ میں خود عابدہ کی بھی رائے لے لی جائے۔ ان کا کیا خیال ہے؟ یہ ایسے موقع پر کیا کریں گی؟

قبل اس کے کہ عبداللہ کچھ کہتے، عابدہ بول پڑی، جی میں کوئی زرخرید لونڈی نہیں ہوں حکم صاحب کی، نہ مالِ تجارت ہوں کہ یہاں سے وہاں پھینک دی جاؤں۔ میں اپنے شہزادہ عبداللہ کی خدمت میں اس لیے کنیز بن کر رہ گئی کہ وہ میرے ہم مذاق ہیں۔ ان کا ذوق علمی ہے۔ مجھے اس پر فخر ہے کہ میں ان کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں۔ مجھے اس پر بھی فخر ہے کہ میرے دل میں ان کی محبت موجزن ہے، میں اس پر بھی نازاں

ہوں کہ وہ مجھ سے شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ میرا خیال کرتے ہیں، میری دل دہی کرتے ہیں، میں اس گھر سے اس در سے مرکر نکلنا چاہتی ہوں؟ اگر واقعی ایسا موقع پیش آجائے تو میری لاش تو یہاں سے جا سکتی ہے، لیکن میں نہیں جا سکتی خواہ وہ ولی عہد حکم ہوں یا امیر المومنین "الناصر"!

ان الفاظ نے عبداللہ پر جادو کا سا اثر کیا۔ وہ بیتاب ہو گیا۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا، عابدہ، تمہارے ان الفاظ نے میرے دل میں تمھاری قدر و منزلت دوچند کر دی ہے، اور تم اطمینان رکھو کہ جن مفروضات پر گفتگو ہو رہی ہو، وہ اگر واقعی رونما ہوئے تو دیکھ لوگی، عبداللہ اپنی جان دے دینا پسند کرلے گا، لیکن اپنی غیرت اور وقار پر حرف نہیں آنے دے گا۔

فیقتہ نے لقمہ دیا، بے شک مجھے یقین ہے آپ ایسا ہی کریں گے میں آپ کی سیرت اور کردار سے جتنا واقف ہوں اور کون واقف ہو سکتا ہے۔

سعید نے مصالحانہ انداز میں کہا یہ تو صحیح ہے لیکن فقیہ صاحب یہ بھی تو سوچئے معاملہ کس کا ہے؟ بھلا کس میں ہمت ہے کہ ولی عہد سے مقابلہ کر سکے؟ سارے قرطبہ میں کوئی ایسی شخصیت ہے؟ معاملہ کا بگاڑنا بہت آسان ہے اور سنبھالنا بہت مشکل۔ میں ہرگز کوئی ایسی رائے نہیں دے سکتا، جس سے خدانخواستہ دونوں بھائیوں میں کسی طرح کا اختلاف پیدا ہو۔

عبداللہ نے کہا۔ سعید تم ٹھیک کہتے ہو، میں بھی خواہ مخواہ کا تصادم نہیں چاہتا تم جانتے ہو میں گوشہ نشین آدمی ہوں اور اسی گوشۂ عافیت میں مگن رہنا چاہتا ہوں لیکن اسے بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ خواہ مخواہ مجھے چھیڑا جائے، میری عافیت

چھیننے کی کوشش کی جائے۔ میرا سکون غارت کرنے کا منصوبہ بنایا جائے، آخر آدمی ہوں، عقل رکھتا ہوں، جذبات رکھتا ہوں، احساس کا مالک ہوں!

بجا ارشاد ہوا،!

فقیہ صاحب نے فرمایا۔

لیکن سعید خاموش بیٹھا رہا۔ اُس نے کچھ نہیں کہا۔ اتنے میں سائر آیا اور چپ چاپ آ کر کھڑا ہو گیا۔!

عبداللہ نے پہلے سے زیادہ تلخی کے ساتھ پُوچھا۔

"کیوں آیا ہے تو؟"

وہ بولا۔

"میرے آقا خط لایا ہوں!"

عبداللہ کی تیوریاں چڑھ گئیں اس نے پُوچھا۔

"خط؟ ———— کس کا خط ہے؟ کیا پھر ولی عہد صاحب کا کوئی مکتوب گرامی آیا ہے؟

سائر نے عرض کیا۔

میرے آقا ولی عہد صاحب کا خط ہے، قاصد دروازے پر کھڑا ہے، اور ابھی جواب مانگ رہا ہے!

یہ سُنکر عبداللہ کے منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اس نے سائر کے ہاتھ سے خط لے لیا، پڑھا اور خاموش ہو گیا۔

فقیہ:۔ غالباً اسی طرح کا خط ہو گا جیسا ابھی تھوڑی دیر پہلے آیا تھا۔

عبداللہ:۔ ہاں!

سعید:۔ کوئی خاص بات ہے؟

عبداللہ:۔ بڑی خاص بات، لو پڑھو، زور سے پڑھو تاکہ عابدہ بھی سن لے۔

سعید نے خط لے کر بآواز بلند پڑھنا شروع کیا۔

"ولی عہد مملکت شہزادہ حکم کی طرف سے امیر عبداللہ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم نے تمھارا خط پڑھا۔ ہمیں حیرت ہوئی کہ تم نے ایسی بدتمیزی اور گستاخی ہمارے حضور میں کیسے روا رکھی، اور وہ بھی ایک معمولی سی لونڈی کے معاملہ میں۔ ہم تمھاری غلطی کو نظر انداز کرتے ہیں، تمھاری خطا معاف کرتے ہیں لیکن آئندہ تمھیں بہت زیادہ محتاط رہنا چاہیئے۔ بہر حال اس خط کے پڑھتے ہی ہمارے قاصد کے ساتھ عابدہ کو ہمارے حضور میں بھیج دو، تم کو یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ یہ مطالبہ ولی عہد مملکت کی طرف سے ہو رہا ہے جو امیرالمومنین کے بعد مملکت کی سب سے بڑی شخصیت ہے۔ سارا ملک جس کی بیعت و اطاعت کر چکا ہے، تم بھائی ہو کر اس اطاعت سے منہ موڑنے کی کوشش نہ کرو۔ اگر تمھارا یہ رویہ قائم رہا تو پھر ہم مجبور ہو کر اپنے اختیارات سے کام لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ہم تم سے توقع رکھتے ہیں کہ اس ناپسندیدہ اقدام پر ہمیں مجبور نہ کرو گے"!

خط سنانے کے بعد سعید نے کہا۔

"اب تک ایک مفروضہ کی حیثیت سے جس بات پر ہم غور کر رہے تھے، وہ

واقعہ بن گئی۔ اب کیا ہوگا؟ کیا ولی عہد مملکت کا حکم ٹالا جا سکتا ہے؟

قبل اس کے کہ عبداللہ کوئی جواب دے، عابدہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اُس نے بڑی مشکل سے اپنے گریہ پر قابو پاتے ہوئے کہا، مجھے اجازت دیجیے، میں جاتی ہوں میں یہاں کسی طرح نہیں رہ سکتی!

عبداللہ نے حیرت سے عابدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیوں جا رہی ہو؟ کہاں کا قصد ہے؟ آخر وجہ؟ سبب؟ کچھ تو کہو، تم پر گریہ کیوں طاری ہے؟ مجھ سے تمھاری یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔

عابدہ نے روتے روتے جواب دیا میں دو بھائیوں میں جُدائی کی خلیج نہیں بننا چاہتی ہیں یہ بھی نہیں گوارا کر سکتی کہ اپنے آقا عبداللہ کے سوا کسی اور کے درِ دولت پر جا کر زندگی بسر کروں، اور مجھے یہ بھی منظور نہیں کہ میری وجہ سے میرے آقا پر آفت آئے۔ یہ سارا جھگڑا میری وجہ سے ہے، بہتر یہ ہے کہ میں راستہ سے ہٹ جاؤں، میں بغداد چلی جاؤں گی، اور کسی گوشہ میں بیٹھ کر باقی زندگی گذار دوں گی!

فیقہ:۔ تمھاری یہ عمر گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر زندگی بسر کرنے کی ہے؟

سعیدہ:۔ تمھیں شہزادہ عبداللہ کی مرضی پر چلنا چاہیئے۔

عابدہ:۔ چلتی ہوں، چلوں گی میری زندگی کا اب اور مقصد ہی کیا ہے؟ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ امیر عبداللہ کے سوا کسی اور کا گھر دیکھوں اور یہ میری وفاداری اور محبت گوارا نہیں کر سکتی کہ اپنے باعث اپنے آقا کو مصیبت میں ڈالوں۔

عبداللہ:۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا تم اس قدر فکر مند کیوں ہو رہی ہو؟

عابدہ:۔ آپ میرے دل کی حالت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس تصور سے کہ میں

یہاں سے کہیں اور بھیج دی جاؤں گی۔ میری حالت غیر ہونے لگتی ہے۔ میں موت کی دعائیں کرنے لگتی ہوں مجھے زندگی سے نفرت ہو جاتی ہے، میں اسے کسی طرح نہیں برداشت کر سکتی۔

عبداللہ:۔ لیکن تم سے کہہ کون رہا ہے کہ برداشت کرو!

عابدہ:۔ پھر آپ کیا کریں گے؟ کیا ولی عہد کی حکم عدولی کریں گے؟

عبداللہ:۔ بے شک!

عابدہ:۔ اور اس کا انجام کیا ہوگا؟

عبداللہ:۔ میں انجام کی پروا نہیں کرتا۔ بھگت لوں گا سب کچھ، میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

عابدہ:۔ میری دعا ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن جانتی ہوں کہ ولی عہد سے ٹکر لینا آسان نہیں ہے، نہیں میں اپنی وجہ سے آپ کو خطرہ اور ہلاکت میں ہرگز نہیں پڑنے دوں گی!

عبداللہ:۔ خدا کی بندی تم کیوں اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا ہو رہی ہو، کوئی خطرہ وطرہ لاحق نہیں ہے۔ اطمینان سے بیٹھی رہو، یہ ہمارا کام ہے کہ فیصلہ کریں اب کیا ہوگا؟

سعید:۔ لیکن یہ فیصلہ جلد ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ ولی عہد کا قاصد جواب کا منتظر ہے۔

عبداللہ:۔ میں قاصد کی گردن اڑا دوں گا! وہ یہاں سے زندہ نہیں واپس جائے گا۔

سعید:- یہ بہت بُرا ہو گا!

عبداللہ:- ہونے دو، میں کسی کی پروا نہیں کرتا!

سعید:- پھر سوچ لیجئے۔ آپ بڑے خطرناک کام کا عزم کر رہے ہیں!

عبداللہ:- سوچ چکا، اگر بھائی صاحب کی یہی روش رہی تو مجبوراً مجھے والد محترم سے سارے حالات بیان کرنا پڑیں گے۔

فیقہ:- لیکن امیرالمؤمنین بھی اگر ان کی جانب داری کریں، تب آپ کیا کریں گے؟

عبداللہ:- تب میں عابدہ کو ساتھ لے کر کہیں نکل جاؤں گا۔ اس امارت کو، اس دولت کو، اس جاہ و جلال کو، اس ثروت و نعمت کو، اس محل اور ایوان کو لات مار دوں گا، ایک لمحہ کے لیے بھی یہاں نہیں رہوں گا!

فیقہ:- یہ کام وہ شخص کرے گا جس سے رعایا محبت کرتی ہے، جس کا عوام کلمہ پڑھتے ہیں۔ جس سے خلقت کو عقیدت ہے۔

سعید:- جس کے لیے لوگ بغاوت کر سکتے ہیں۔ جس کی خاطر خاک و خون میں تڑپ سکتے ہیں! شہزادے صاحب آپ نہیں جانتے آپ کیا ہیں؟ آپ کو نہیں معلوم آپ کی منزلت کیا ہے؟ آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ رعایا آپ سے کیسی والہانہ محبت کرتی ہے۔

فیقہ:- صرف آپ کے ایک اشارۂ چشم کی دیر ہے!

عبداللہ:- پھر کیا ہو گا؟

فیقہ:- پھر آپ ہوں گے اور تختِ خلافت!

عبداللہ:- (سہم کر) نہیں ایسا نہ کہو، والد کو خدا عمرِ نوح عطا کرے، میں ان سے

بہت محبت کرتا ہوں!

فیقہ :- آپ میری گردن اڑا دیجیے، لیکن کہوں گا وہی جسے سچ سمجھوں گا!

سعید :- قومی اور مِلّی معاملات میں ذاتی تعلق اور رشتہ کی اگر پروا کی جائے تو قوم تباہ ہو جائے، ملت برباد ہو جائے!

فیقہ :- آپ سے زیادہ اس تاریخی حقیقت سے کون آشنا ہو سکتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دَور میں جب جہاد کے لیے مسلمان نکلے تو وہ ذاتی رشتوں کو یکسر فراموش کر چکے تھے، بھائی بھائی سے لڑ رہا تھا۔ باپ بیٹے پر تلوار چلا رہا تھا۔ اس لیے کہ معاملہ حق کا تھا، اصول کا تھا، سچائی اور راستی کا تھا!

سعید :- یہ ساری ابتری امیر المؤمنین ہی کے باعث ہے۔ انھوں نے غلاموں اور خاص طور پر لونڈیوں کی ایک فوج بھرتی کر لی ہے۔ کیا بیت المال کا روپیہ اس لیے ہوتا ہے؟ وہ عمارتوں کی تعمیر پر بے دریغ روپیہ صرف کر رہے ہیں کیا ابوبکرؓ و عمرؓ اور امام علی علیہ السلام کا یہی مسلک تھا؟ لوگ بھوکے مر رہے ہیں، فاقے کر رہے ہیں۔ بڑی مشکل سے زندگی بسر کر رہے ہیں، لیکن امیر المؤمنین کے محل میں جو مچھلیاں حوضوں کے اندر تیر رہی ہیں، صرف ان کی غذا پر لاکھوں روپیہ ہر سال صرف ہو جاتا ہے کیا خلفائے راشدین یہی کرتے تھے؟ ہمارا اوڑھنا بچھونا مذہب ہے۔ ہم تو ہر بات کو، ہر مسئلہ کو اس عینک سے دیکھتے ہیں، یہ باتیں اگر آپ کو ناگوار گزر رہی ہوں تو معاف کر دیجیے، آئندہ میں لب کشائی کی جرأت نہیں کروں گا۔ لیکن حق بہرحال حق ہے!

عبداللہ :۔ ٹھیک ہے۔ میں کب کہتا ہوں تم غلط کہہ رہے ہو؟

فقنہ :۔ کیا آپ سعید کو سچّا سمجھتے ہیں؟

عبداللہ :۔ ہاں کیوں نہیں ؟

فقنہ :۔ اگر یہ بات ہے تو پھر اس کا کہنا بھی مانیئے !

عبداللہ :۔ اس کے کسی نیک مشورہ کو میں نہیں ٹھکرا سکتا !

فقنہ :۔ پھر کمر ہمت کس لیجئے، اور ان بدعات و خرافات کا مقابلہ کیجئے۔

عبداللہ :۔ لیکن کیوں کر؟

فقنہ :۔ امیدوار خلافت بن کر!

عبداللہ :۔ اس طرح خونریزی ہو گی، فتنہ فساد کی گرم بازاری شروع ہو جائے گی!

سعید :۔ اس سے کیا ہوتا ہے ؟ اگر ہم حق پر ہیں تو ہمیں ہر بات کے لیے۔ حتیٰ کہ اپنی جان دے دینے کے لیے تیار رہنا چاہیئے!

فقنہ :۔ میں تو تیار ہوں اس کے لیے!

عبداللہ :۔ مجھے بھی تم کسی سے پیچھے نہ پاؤ گے؟

سعید :۔ یعنی آپ ہمارا ساتھ دیں گے؟ ہماری اسکیم میں ہماری رفاقت اور سرپرستی کریں گے؟

عبداللہ :۔ ضرور —— تمہاری باتوں نے میری آنکھیں کھول دیں، واقعی اگر موجودہ نظام قائم رہا تو مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ اسلام کے وقار پر حرف آجائے گا۔ نظام مملکت غارت ہو جائے گا اور ہماری ہوا اُکھڑ جائے گی یا تو یہ سب کچھ برداشت کروں ورنہ پھر وہ کروں جو تم کہہ رہے ہو!

سعید:۔ بس اب مجھے اطمینان ہوگیا۔ اب میرا دل مطمئن ہے!

فقیتہ:۔ لیکن ہماری راہِ عمل کیا ہوگی۔ یہ بھی تو طے ہو جانا چاہیئے!

سعید:۔ اصل بات طے ہوگئی، راہِ عمل تو وہ بھی طے کریں گے، کسی وقت!

فقیتہ:۔ لیکن کب میرے بھائی؟

سعید:۔ ایسے معاملات میں جلد بازی مناسب نہیں، ہمیں تمام پہلوؤں پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنی چاہیئے، اور اس کے بعد آگے بڑھنا چاہیئے!

عبداللہ:۔ مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے، جلد بازی کسی حالت میں بھی مناسب نہیں!

اتنے میں سائر آکر پھر سامنے کھڑا ہو گیا، عبداللہ نے کہا،

شاید تم جواب لینے آئے ہو؟

وہ بولا جی،

میرے آقا یہی بات ہے!

عبداللہ نے پوچھا،

قاصد اب تک جواب کا منتظر کھڑا ہے،

سائر نے عرض کیا،

نہ صرف کھڑا ہے، بلکہ جلدی کر رہا ہے!

عبداللہ نے سعید اور فقیتہ ابن عبدالبر سے مخاطب ہو کر کہا۔

جواب جانا چاہیئے، لیکن کیا؟ کن الفاظ میں؟

سعید:۔ جیسا آپ فرمائیں جیسی آپ کی رائے ہو؟

عبداللہ:- میں تو غصہ سے دیوانہ ہو رہا ہوں، لکھنے بیٹھا تو نہ جانے کیا لکھ جاؤں گا، بہتر یہ ہے کہ تم جواب کا مسودہ تیار کر دو میں دستخط کر دوں گا!

سعید نے قلم دوات کاغذ لے کر جواب لکھنا شروع کیا اور اسے یوں سنایا۔

"حیرت ہے آپ اپنی ضد پر قائم ہیں۔ میں نے پہلے خط میں صاف طور پر لکھ دیا تھا کہ عابدہ آپ کی خدمت میں نہیں ارسال کی جا سکتی، لیکن آپ کا اصرار بدستور قائم ہے، اب آخری بار میں صاف الفاظ میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اس خیالِ خام کو دل سے نکال دیجئے وہ کسی طرح بھی نہیں بھیجی جائے گی۔ دوسرے خلفاء کی سیرت پر ایک نظر ڈالئے، وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کرتے تھے، اور ایک آپ ہیں کہ میری مسرت چھین لینے پر تُل گئے ہیں میں نے ہمیشہ سعادت مندی کو اپنا شعار قرار دیا لیکن اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے ———— عاقلاں را اشارہ کافیست!"

خط سُنکر عبداللہ نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے، لیکن الفاظ بہت نرم ہیں۔ میں چاہتا تھا ایسا سخت جواب جاتا یہاں سے کہ ولی عہد کا مزاج درست ہو جاتا۔ پھر سے لکھو اور ایسا سخت لکھو کہ دوبارہ اُنہیں خط بھیجنے کی جرأت نہ ہو!

سعید نے فقیہ ابن عبدالبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اگر آپ کا حکم ہو تو اس سے بھی کہیں زیادہ خط لکھ سکتا ہوں، لیکن مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ الفاظ نرم ہوں۔

نفیقہ نے فوراً تائید کر دی۔

"میں سعید کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں"!

عبداللہ نے خط لے کر اس پر اپنے دستخط کئے اور مُہر لگا کر سائر کے حوالہ کر دیا، حکم کا قاصد بڑی دیر سے دروازے پر منتظر کھڑا تھا اُسے جا کر دے دیا، وہ سیدھا قصرِ ولی عہد کی طرف خط لے کر چلا گیا!

امیر عبداللہ نے سعید سے کہا۔

آج میری شرافت اور غیرت کو چیلنج دیا گیا ہے، عابدہ کو طلب کر کے مجھے مجبور کیا گیا ہے کہ میں غلاموں کی طرح ہر ناجائز اور غیر مستحسن بات تسلیم کر لوں، امید ہے کہ اب بھائی صاحب کا مزاج درست ہو جائے گا۔

نفیقہ :۔ اُمید تو مجھے بھی یہی ہے لیکن اگر انہوں نے چند سپاہی بھیج دیئے کہ وہ عابدہ کو زبردستی لے جائیں تو!

سعید : (سہم کر) ہاں یہ ہو سکتا ہے!

عابدہ :۔ (گلوگیر آواز میں) خدا کے لیے مجھے یہاں سے جانے دیجئے، میں وہاں نہیں جاؤں گی، اگر زبردستی بھیجی گئی تو مر جاؤں گی!

عبداللہ :۔ عابدہ میں کئی مرتبہ تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑ دو، جب تک میں زندہ ہوں کسی کا ہاتھ تم تک نہیں پہنچ سکتا!

(۲۱)

اپنی اپنی باتیں

شہزادہ عبداللہ کے چہرے پر اب تک تکدّر اور انقباض کے آثار تھے، اس نے بھیجنے کو تو ترکی بہ ترکی جواب ولی عہد کی خدمت میں بھیج دیا تھا، لیکن غصّہ، صدمہ اور برہمی کی جو کیفیت اس طرزِ عمل سے بیدار ہوگئی تھی وہ لحظہ بلحظہ بڑھتی جا رہی تھی، سعید بڑے غور سے عبداللہ کے ذہنی خلجان کا مطالعہ کر رہا تھا اور دل ہی دل میں اپنی کامیابی پر مسرور ہو رہا تھا۔ عابدہ کے لبوں پر بھی مہر سکوت لگی تھی، اس کے چہرے بشرے سے بھی اضطراب اور خلش کی کیفیت نمایاں تھی، فقیہ ابن عبدالبر کبھی عابدہ کو دیکھنے لگتے تھے۔ کبھی شہزادہ عبداللہ کے جمال جہاں آرا کا نظارہ کرنے لگتے تھے، یہ خاموشی انہیں کھل رہی تھی، مجلس طراز آدمی تھے، چاہتے تھے وہی دل لگی، اور ہنسی مذاق کی باتیں ہوں، جن سے دِل بہلے جن سے فکر و نظر کے نئے گوشے نمایاں ہوں جن سے مستقبل کی تعمیر و تشکیل میں مدد ملے، لیکن ان بیچارے کی طرف کوئی بھی متوجہ نہیں تھا، سب اپنی فکر میں تھے اتنے میں سعید نے طلسم سکوت توڑا اس نے شہزادہ سے مخاطب ہو کر عرض کیا کیا بات ہے کہ میں آپ کو افسردہ دیکھ رہا ہوں۔ ہم خدا مانِ بارگاہ کی موجودگی میں بھی اگر جناب امیر شگفتہ نہ ہوئے، تو پھر آخر ہم کس کام آئیں گے، ایسی زندگی کس کام کی؟

عبداللہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، کوئی خاص بات نہیں ہے، بھائی صاحب کی حرکت پر رہ رہ کے غور کر رہا ہوں۔ انہیں اس طرح کی باتیں مجھ سے نہ کرنی چاہیئے تھیں، یہی سوچتا ہوں کیا دنیا میں ایسا بھی ہو سکتا ہے؟

فقیہہ صاحب ضبط کئے ہوئے اب تک خاموش تھے لیکن اب خاموش نہ رہ سکے، فرمایا آپ خواہ مخواہ فکر کرتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں حکم نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔ ہمیں ان کا شکر گزار ہونا چاہیئے!

یہ بڑی عجیب بات تھی عابدہ، عبداللہ اور سعید میں سے کوئی بھی اپنی حیرت نہ چھپا سکا۔ عبداللہ نے پوچھا، آخر اس میں شکر گذار ہونے کی کیا بات ہے؟ فقیہہ صاحب نے جواب دیا یہ ذلیل حرکت کر کے انہوں نے آپ کی ولی عہدی اور خلافت کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ اگرچہ وہ ایسا نہ کرتے تو بھی ہم اپنی سعی ضرور کرتے لیکن اس حرکت نے تو ہمارے اندر ایک نئی حرارت پیدا کر دی ہے۔ اب ہم اپنے پروگرام پر جلد از جلد عمل شروع کر دیں گے، سعید ان باتوں سے چڑ گیا۔ اُس نے فقیہہ صاحب سے کہا، آپ تو خواہ مخواہ کی بے موقع باتیں کرتے ہیں جن کا سر نہ پاؤں، یہ وقت ان باتوں کا ہے؟ شہزادہ صاحب کا مزاج ناساز ہو رہا ہے۔ اور آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں جن سے غصہ اور صدمہ میں اور اضافہ ہو۔

بیچارے فقیہہ صاحب یہ للکار سُنکر خاموش ہو گئے۔ ندامت ان کے چہرے سے ہویدا تھی، سعید نے انہیں خاموش ہو جانے پر مجبور کرنے کے بعد عبداللہ سے کہا، عابدہ کا گانا سنئے، ایام کی عرب داستانیں سُنیے، اشعار عرب سنئے، وہ آپ کا دل بہلائے گی اسی سے آپ کا دل بہل سکتا ہے!

عبداللہ نے کوئی جواب نہ دیا، لیکن انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ تجویز اسے پسند ہے چنانچہ سعید نے عابدہ سے کہا تم خاموش کیوں ہو؟ اپنا فریضہ بجا لاؤ، ہمارے محسن اور مکرم شہزادے پر تکدّر طاری ہے، اسے اپنی نغمہ سرائی سے اپنی شیریں بیانی سے دُور کر دا

وہ کہنے لگی خود میری عجیب کیفیت ہو رہی ہے، جی گھبرا رہا ہے۔ طبیعت پریشان ہو رہی ہے، نہ جانے کیا ہوا جا رہا ہے!

عبداللہ نے بے تاب ہو کر پُوچھا، عابدہ تم اتنی سہمی ہوئی کیوں ہو؟ جب تک میں زندہ ہوں تمہارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ پریشانی کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دو گاؤ اپنا دل بھی خوش کرو اور ہماری پریشانی بھی دُور کرو۔

وہ مُسکرانے لگی، پھر اُس نے طنبورہ اٹھایا اور دھیمے سروں میں شعرائے جاہلیت کے اشعار گانے لگی، لیکن اس وقت کچھ رنگ نہ جما، اس لیے بھی کہ وہ بے دلی سے گا رہی تھی، اور اس لیے بھی کہ شہزادہ بھی اپنی پریشانیوں میں ایسا کھویا ہوا تھا کہ پورے طور پر متوجہ نہیں تھا، دو ایک گیت گا کر عابدہ خاموش ہو گئی، مجمع پر پھر سکوت طاری ہو گیا، شہزادہ اُٹھ کھڑا ہوا، اُس نے کہا اب آپ لوگ بھی آرام فرمائیے، کافی رات گذر گئی اور ہم بھی استراحت کریں گے، بہت زیادہ تکان محسوس ہو رہی ہے یہ سُنکر سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ عبداللہ نے جاتے جاتے پھر عابدہ کو مخاطب کیا اور کہا دیکھو تم ذرا بھی پریشان اور ہراساں نہ ہو، بالکل مطمئن رہو۔ تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، جاؤ تم بھی آرام کرو جا کر۔

عبداللہ کے جانے کے بعد یہ تینوں پھر آرام سے بیٹھ گئے، اور باتیں شروع کر دیں

تھوڑی دیر کے بعد فقیہ صاحب بھی تشریف لے گئے اور سعید و عابدہ میں راز و نیاز کی باتیں شروع ہو گئیں۔ عابدہ نے بڑی معصومیت کے ساتھ کہا۔

عابدہ :- آخر تم نے مجھے کہاں پھنسا دیا ہے لا کر ؟

سعید :- یہاں اتنے ٹھاٹھ سے تو بھی گھبراتی ہو ؟

عابدہ :- میں ٹھاٹھ باٹھ کی بھوکی نہیں ہوں، مجھے نہ یہ محلسرا چاہیئے، نہ یہ دولت و ثروت، نہ یہ حشمت و وجاہت، میں یہ کچھ نہیں چاہتی۔

سعید :- پھر آخر کیا چاہتی ہو تم ؟ کچھ معلوم بھی تو ہو ؟

عابدہ :- سادہ سا مکان، سادہ سی زندگی، دُنیا سے دُور، دُنیا داروں سے دُور۔

سعید :- (مسکرا کر) اکیلی گھبراؤ گی نہیں ؟

عابدہ :- کیا تم میرے پاس نہیں ہو گے ؟

سعید :- کیوں نہیں ؟ ضرور ہوں گا ؟

عابدہ :- تو بس چلو یہاں ایک ایک پل میرے لیے ایک ایک برس کا ہو رہا ہے، جتنا جتنا شہزادہ کا التفات بڑھتا جاتا ہے، میری گھبراہٹ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے !

سعید :- ایسا نہ کہو عبداللہ تم پر دل و جان سے فریفتہ ہے۔

عابدہ :- درگزری میں اس فریفتگی سے مجھے ان کا عشق نہیں چاہیئے۔ تمھاری محبت اگر حاصل ہے تو دُنیا کی ہر چیز حاصل ہے۔

سعید :- میری محبت صرف تمھی کو حاصل ہے، اور میری زندگی کی آخری سانس تک حاصل رہے گی، لیکن ذرا غور تو کرو جب تک میرے مقاصد نہ پورے ہو جائیں

اس وقت تک تو محبت کرنے کے باوجود ہم ایک دوسرے سے دور رہنے پر مجبور ہیں ـــــــ!

عابدہ:۔ یہ تو مانتی ہوں، اسی لیے یہ جُدائی گوارا کر رہی ہوں، لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی کوئی حد بھی ہے؟ آخر مقاصد کب حاصل ہوں گے؟ کب تک میں یہ دو رنگی کی زندگی بسر کرتی رہوں گی؟

سعید:۔ بس چند ماہ ہم اپنے مقاصد سے بہت قریب پہنچ چکے ہیں، سب سے بڑا مرحلہ یہ تھا کہ عبداللہ کو اُکسائیں اور اپنے قبضہ میں کرلیں، اپنا آلۂ کار بنالیں سو یہ مرحلہ تمہاری وجہ سے آسان ہو گیا، اب وہ ہماری مٹھی میں ہے، ہمارا بندۂ بے دام ہے۔

عابدہ:۔ یہ تو سچ ہے، اس پر تمہارا جادُو چل گیا ہے۔

سعید:۔ میرا نہیں تمہارا ـــــــ یہ سب تمہارے حسنِ سحر طراز کی برکت ہے بس تھوڑی مدت تک یہ ڈرامہ اور کھیلتی رہو، پھر یہ ساری شکائیتیں اور پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔

عابدہ:۔ بہت خوب جب تک برداشت کر سکتی ہوں، کروں گی! ـــــــ لیکن تم نے تو اب مجھ سے ملنا بھی چھوڑ دیا ہے!

سعید:۔ (مسکرا کر) کیوں جھوٹ بولتی ہو عابدہ؟

عابدہ:۔ سچ ـــــــ میں ہر وقت تمہی کو یاد کرتی ہوں۔ تمہارے ہی بارے میں سوچتی رہتی ہوں، دل سے تمہاری باتیں کیا کرتی ہوں۔ تم نظر کے سامنے آجاتے ہو، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی بہت بڑی دولت اور نعمت مل گئی

تمہیں نہیں دیکھتی تو طرح طرح کے وہم ستانے لگتے ہیں، اور تمہارا یہ حال ہے کہ اس محلسرا میں لاکر مجھے ڈال دیا اور پھر پلٹ کر خبر بھی نہیں لی۔

سعید:۔ عابدہ خفا نہ ہو، تمہاری ہی ایک ذات ہے، جو میری زندگی کا سہارا ہے تمہی کو دیکھ کر جیتا ہوں، تمہارے تصوّر سے زندگی کی رونق قائم ہے تمہیں اگر بھول جاؤں گا اور نظر انداز کر دوں گا تو اس دُنیا میں پھر میرے لیے رہ کیا جائے گا۔ صرف تمہیں حاصل کرنے کے لیے یہ سارا ڈرامہ کھیل رہا ہوں پھر بھی تم مجھ سے بدگمان ہو؟

یہ کہتے کہتے سعید کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر عابدہ بے قرار ہو گئی، وہ جلدی سے اُٹھی، اُس نے اپنے خمار (اوڑھنی سے) اس کے آنسو پُونچھے اور کہا۔

"مرد ہو کر روتے ہو؟ تم کو تو میں بڑا بہادر سمجھتی ہوں!

سعید نے کہا۔

"ہاں میں بہادر ہوں —— لیکن تمہارے سامنے نہیں، محبت آدمی کو بزدل بھی بنا دیتی ہے!

عابدہ کا چہرہ پھول کی طرح کھل گیا، اس نے کہا۔

اب باتیں بنانے لگے، بس اسی طرح تم جب چاہتے ہو بے وقوف بنا لیتے ہو مجھے!

—— اچھا نہیں میں کچھ نہیں کہتی، پھر تم روٹھ جاؤ گے، رونے لگو گے۔

یہ کہہ کر ہنس دی!

سعید نے بھی ایک دل آویز تبسّم کے ساتھ اس کے قہقہہ کا جواب دیا۔

پھر کہا۔

"عابدہ مصیبت کے دِن کٹ چکے، اب ہمارا عہدِ کامرانی آ رہا ہے"!

وہ بولی،

"خدا کرے وہ دن جلد آئے۔ میں اسی کے لیے جی رہی ہوں"!

سعید نے عابدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے ہولے ہولے سہلانے لگا اس وقت اس پر غضب کی پھبن چھائی ہوئی تھی، بالوں کی ایک لٹ بار بار ماتھے سے ہوتی ہوئی گالوں کو آ آ کر چومنے لگتی تھی، وہ پریشان ہو کر بار بار اپنی صراحی دار گردن جھٹکتی تھی، گردن جھٹکنے کا انداز اور زیادہ قیامت خیز تھا۔ سعید نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے کہا۔

"عابدہ تم اتنی حسین کیوں ہو؟ تمھیں دیکھ کر میرا دل دھڑکنے لگتا ہے، میرے ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں"!

اُس نے ایک دلفریب تبسّم کے ساتھ کہا۔

"بزدل جو ہو ——— ابھی ابھی تو تم نے اعتراف کیا تھا اپنی بُزدلی کا، کیا تھا نا؟

سعید:- ہاں ——— کہو تو پھر دوہرا دوں، لوگ کہتے ہیں امیرالمؤمنین الناصر کی محبوبہ زہرہ حسین ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی جواب نہیں، لیکن یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے میری عابدہ کو نہیں دیکھا ہے۔ عابدہ کو دیکھنے کے بعد کوئی اندھا بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا ——— کیوں سچ ہے نا؟

عابدہ:- (شرماتے ہوئے انداز میں) میں نہیں جانتی!

سعید:- وہ دن میرے لیے کتنا خوش بختی کا دن ہو گا۔ جب تم میری ہو گی صرف میری!

عابدہ :- اور اب کس کی ہوں؟

سعید :- (زیرِ لب تبسم کے ساتھ) عبداللہ کی!

عابدہ :- ایسی باتیں مذاق میں بھی سننا مجھے گوارا نہیں! ——— ابھی چلی جاؤں گی یہاں سے!

سعید :- نہیں بھئی نہیں، میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں ———

عابدہ :- واہ، یہ بھی کوئی بات ہوئی جو چاہا کہہ لیا، اور پھر الفاظ واپس لے لیے، میں نہیں کرتی واپس۔

سعید :- اچھا معاف کر دو!

عابدہ :- معاف کر دوں گی، لیکن ایک شرط ہے میری!

سعید :- کہو ——— تمہاری ہر شرط دل و جان سے منظور ہے!

عابدہ :- اتنے الگ الگ نہ رہا کرو!

سعید :- (ایک تاثر کے ساتھ) میری جان، کیا تم سمجھتی ہو میں خود سے الگ رہتا ہوں؛ بڑے فائدہ کے لیے چھوٹا فائدہ قربان کرنا پڑتا ہے۔ تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنانے کی خاطر یہ سوانگ رچاتا ہوں۔

عابدہ :- لیکن تم سے ملے بغیر میرا دل جو گھبراتا رہتا ہے!

سعید :- تم سے زیادہ میں بیقرار رہتا ہوں۔ تمہیں دیکھ لیتا ہوں تو دل کی مرجھائی ہوئی کلی کھل جاتی ہے۔ تم سے باتیں کر لیتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بہت بڑی دولت میں نے پالی، تمہیں اپنے پاس بیٹھا دیکھ کر کیا کہوں فخر و مسرت کی کیسی کیفیت طاری ہوتی ہے مجھ پر، تم اندازہ نہیں کر سکتیں عابدہ، لیکن

ابھی ہمیں جُدا رہنا پڑے گا۔ ابھی ہم غمِ فراق سہنے پر مجبور ہیں!

عابدہ:۔ لیکن کب تک؟

سعید:۔ بس چند روز، زیادہ سے زیادہ چند ہفتے!

عابدہ:۔ اور اس کے بعد؟

سعید:۔ اس کے بعد تم سعید کی ہو گی؟ سعید تمہارا ہو گا!

عابدہ:۔ (شرما کر) باتیں نہ بناؤ۔

سعید:۔ لیکن میری روح تجھے میری خاطر سے ایک کام بہر حال کرنا پڑے گا!

عابدہ:۔ جو کہتے ہو کرتی تو ہوں، میں تو تمہارے اشارہ پر چلتی ہوں، ہر وہ بات مجھے اچھی لگنے لگتی ہے جس کے بارے میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ تمہاری خوشی اُسی میں ہے!

سعید:۔ بس تو جس طرح ہو، عبداللہ کو اپنے دام سے نہ نکلنے دو!

عابدہ:۔ اونہہ، یہ سوانگ ہم سے نہیں رچایا جاتا!

سعید:۔ میری خاطر سے بھی نہیں؟

عابدہ:۔ یہ سب کچھ تمہاری ہی خاطر سے تو کر رہی ہوں، ورنہ میری پوچھو تو مجھے نہ شہزادہ اچھا لگتا ہے، نہ اس کی باتیں، نہ یہ محلسرا نہ یہ دولت کی ریل پیل!

سعید:۔ میں جانتا ہوں، مجھ غریب و فقیر کے مقابلہ میں تم دولت کونین بھی ٹھکرا سکتی ہو، لیکن میرے ہی کہنے سے کچھ مدت اور اس طرح گزار لو!

عابدہ:۔ لیکن یہ شہزادہ حکم کہاں سے بیچ میں کود پڑے؟ ان باتوں سے میرا دل بہت الجھتا ہے، واہ میں کوئی آبرو باختہ عورت ہوں کہ جو چاہے مجھے بلالے، اور

میں کچے دھاگے میں بندھی چلی جاؤں؟

سعید:۔ (ہنسکر) اوہ چھوڑو بھی حکم کو، تم نہیں جانتیں کیا معاملہ ہے؟ یہ سب مصلحتیں میں جانتا ہوں۔ باقی اس کا اطمینان رکھو کہ تم صرف سعید کی ہوا اور سعید ہی کی رہوگی نہ عبداللہ کا ہاتھ تمہارے دامن تک پہنچ سکے گا، نہ حکم تمہیں ہاتھ لگا سکے گا!

عابدہ:۔ اچھی کباب کی ہڈی بن گئی ہوں میں بھی ——— کہیں دونوں بھائیوں میں لڑائی نہ چھڑ جائے؟

سعید:۔ چھڑ جائے تو تمھیں کیا؟ بلکہ میں تو کہتا ہوں، اگر ایسا ہو تو ہمارا مقصد بہت جلد حاصل ہو جائے، کل کے بجائے آج!

عابدہ:۔ (زیرِ لب تبسم کے ساتھ) واہ تمہارا مقصد بھی خوب ہے، جس کے لیے قتل و غارت کشت و خون اور فتنہ و فساد ضروری ہے، بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ سعید عابدہ کی ان باتوں پر زور زور سے ہنسنے لگا، اُس نے کہا، عابدہ سچ کہتا ہوں آج بہت دنوں کے بعد ہنسا ہوں، وہ بھی تمہارے سامنے، تم سے ہٹ کر تمہارے پاس سے جا کر میں ایسا کھویا کھویا رہتا ہوں کہ کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہتا!

---

(۲۲)

دُوسرا خط

سعید اور عابدہ آپس میں باتیں کر ہی رہے تھے کہ یکایک ایک خادم ہانپتا کانپتا حاضر ہوا۔ سعید نے اُسے اس حالت میں آتا دیکھ کر عابدہ سے کہا، خدا خیر کرے، یہ کیوں آ رہا ہے؟ اتنے میں وہ پاس آ گیا اور اس نے کہا آپ کو ابھی اور اسی وقت شہزادہ عبداللہ نے یاد فرمایا ہے، سعید نے پُوچھا۔ کیوں؟ کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا، یہ میں نہیں جانتا، لیکن کوئی ضروری اور اہم ہی بات ہوگی، جو اس وقت یوں طلب فرمایا ہے؟ سعید نے پھر پوچھا، اچھا یہ بتاؤ، فقیہ ابن عبدالبر کہاں ہیں؟ وہ کہنے لگا، شہزادے کے پاس بیٹھے ہیں۔ سعید نے عابدہ کی طرف دیکھ کر کہا، ضرور کوئی خاص بات ہے، اچھا میں جاتا ہوں، اور پھر وہ خادم کے ساتھ چل پڑا۔

اندرون محل میں جب وہ شہزادہ کے ایوان کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک دروازے کے پاس ایک محافہ (ڈولی) رکھا ہے۔ وہ غور کرنے لگا یہ محافہ یہاں کیوں رکھا ہے؟ شہزادہ کو تو عورتوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے، اب اللہ اللہ کر کے ذرا عابدہ پر مائل ہوئے ہیں، پھر اس میں کون آیا ہے؟ اور کیوں آیا ہے؟ یہی سوچتا ہوا وہ شہزادہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے یہاں پہنچ کر عجیب حالت دیکھی، ایک طرف فقیہ صاحب منہ لٹکائے بیٹھے ہیں۔ دوسری

طرف شہزادہ کا چہرہ وفورِ غضب سے تمتما رہا ہے، یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ لوگ کیوں بھرے بیٹھے ہیں؟ اس نے زبان سے کچھ نہ کہا، چپ چاپ جا کر ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا، عبداللہ نے اس کی طرف دیکھا اور غصّہ کے ساتھ کہا۔

عبداللہ:۔ کچھ معلوم بھی ہے تمہیں حالات کس طرح پلٹا کھا رہے ہیں؟

سعید:۔ میرے آقا میں کچھ نہیں جانتا، میں تو حسب الحکم حاضر ہو گیا ہوں، ارشاد ہو کیا بات ہے؟

عبداللہ:۔ (ایک خط سعید کی طرف بڑھاتے ہوئے) لو اسے پڑھو اور بتاؤ اب کیا کیا جائے؟ میری تو عقل حیران ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں اور کیا نہ کروں؟

سعید:۔ (خط پڑھ کر) واقعی عجیب حیرت انگیز ماجرا ہے!

عبداللہ:۔ حکم بڑا سہی لیکن بھائی تھا، اسے ٹال دیا میں نے، لیکن کیا اپنے باپ عبدالرحمٰن الناصر کو بھی ٹال دوں؟ کیا اس سے بھی انکار کر دوں؟

سعید:۔ جی نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

عبداللہ:۔ پھر کیا کروں؟ تم نے دروازے پر محافہ نہیں دیکھا؟

سعید:۔ دیکھا ہے میرے آقا!

عبداللہ:۔ وہ اسی لیے آیا ہے کہ عابدہ کو اپنے ساتھ لے جائے!

فقیہ:۔ آخر امیرالمومنین اس کنیز کو کیوں یاد فرما رہے ہیں؟

سعید:۔ لکھا ہے عابدہ کے علم و ہنر کی تعریف سُنکر اسے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا ہے ذرا دیر کے لیے بھیج دو!

فقیہ:۔ ہٹو بھی، تم سے پہلے میں خط پڑھ چکا ہوں، یہ سب کہنے کی باتیں ہیں،

حرف الفاظ!

سعید:۔ ورنہ اصل مقصد کیا ہے؟

عبداللہ:۔ عابدہ حکم کو حوالہ کردی جائے، بس یہ ہے سارا مقصد!

فقیہ:۔ بے شک!

سعید:۔ (کچھ سوچتے ہوئے) ہاں ہو سکتا ہے مجھے شہزادہ حکم سے یہ اُمید نہ تھی کہ وہ ایسے اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئیں گے!

فقیہ:۔ اور مجھے امیرالمومنین الناصر سے یہ اُمید نہیں تھی کہ وہ بڑے بیٹے کے مقابلے میں چھوٹے بیٹے کو یوں زک دینے پر اُتر آئیں گے، حالانکہ قابلیت، شرافت صالحیت کے اعتبار سے حکم عبداللہ کا پاسنگ بھی نہیں، تعجب کے قابل یہ بات ہے نہ کہ حکم کی حرکت!

سعید:۔ سچ کہتے ہو۔

عبداللہ:۔ سچ اور جھوٹ سے اس وقت مطلب نہیں، اصل سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟

فقیہ:۔ کچھ نہیں، صاف انکار کر دیجئے، دیکھا جائے گا جو کچھ ہوگا!

سعید:۔ مجھے اس رائے سے اختلاف ہے۔ یہ خطرناک اور مہلک تجویز ہے!

عبداللہ:۔ پھر کیا کیا جائے؟ تمہاری کیا رائے ہے؟ کہو، بتاؤ،

سعید:۔ ناچیز کی رائے یہ ہے کہ امیرالمومنین کی بات پر اعتبار کیا جائے، ان کے فرمان کی تعمیل کی جائے!

عبداللہ:۔ (برہمی کے ساتھ) یعنی عابدہ کو وہاں بھیج دوں؟

سعید :- جی غلام کی مخلصانہ رائے، پورے اصرار کے ساتھ یہی ہے!

فقیہ :- اچھا فرض کرو، تمہاری رائے پر عمل کرتے ہیں شہزادے صاحب، لیکن اگر وہ قصرِ زہرا سے حکم کے محل میں بھیج دی گئی تب کیا ہوگا؟

عبداللہ :- اگر ایسا ہوا تو میری تلوار میان سے باہر نکل آئے گی!

فقیہ :- نہیں شہزادے صاحب آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔

عبداللہ :- کیوں نہیں کر سکوں گا، آخر تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟

فقیہ :- آپ کو وہی سمجھتا ہوں جو آپ ہیں، لیکن امیرالمومنین کے خلاف آپ جنگ پر تیار ہو جائیں گے۔ اسے کیوں کر باور کر لوں؟ یہ بات باور کی ہی نہیں جا سکتی: یہ آپ کی فطرت سے بعید ہے۔

عبداللہ :- میری فطرت سے یہ بات بھی بعید ہے کہ میں عابدہ کا فراق برداشت کر لوں میں مرد ہوں، اور جانتا ہوں مرد اپنے وقار اور ناموس کا تحفظ کیونکر کیا کرتے ہیں!

فقیہ :- بجا ارشاد ہوا لیکن یہ ماننے میں مجھے اب بھی تامل ہے۔

سعید :- معاف کیجئے گا فقیہ صاحب آپ اس وقت بالکل ناسمجھوں کی سی باتیں کر رہے ہیں،

فقیہ :- سبحان اللہ۔ یہ کیوں جناب؟

سعید :- حلیم اور بردبار آدمی کو اول تو غصہ ہی نہیں آتا، اور اگر آ جاتا ہے تو پھر وہ قہرِ خداوندی کا نمونہ بن جاتا ہے۔

فقیہ :- ہاں یہ بات تو ہے، اسے مانتا ہوں ——— اور میں قبول سے دُعا

کرتا ہوں کہ امیر عبداللہ کی بردباری ختم ہو۔

سعید :۔ یہ کیوں جناب؟ یہ تو بالکل عجیب سی تمنا ہے آپ کی!

فقیہ :۔ بغیر اس کے تختِ خلافت پر یہ قابض نہیں ہو سکتے، بغیر اس کے ملک کی بگڑی ہوئی حالت سدھر نہیں سکتی، بغیر اس کے ملتِ مسلمہ صلاح وفلاح اور عروج وکامرانی کی حامل نہیں ہو سکتی۔

سعید :۔ یہ تھا آپ کا مطلب؟

فقیہ :۔ جی یہی تھا مطلب، اب بتائیے، آپ کو میری رائے سے اتفاق ہے یا نہیں ——؟

سعید :۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے؟

فقیہ :۔ اگر عابدہ وہاں بھیجی جاتی ہے تو وہاں بھیج دی جائے، لیکن چاہتا ہوں کہ شہزادے صاحب اس بات کا عہد کر لیں کہ وہ ہمارا ساتھ دیں گے تاکہ ہم ان کے لیے فضا ہموار کر سکیں۔ تاکہ ہم مسلمانوں کو اس مصیبت سے نجات دلا سکیں، جس میں اس وقت وہ بُری طرح سے گرفتار ہیں، تاکہ ایک مرتبہ پھر وہ شاندار دور شروع ہو جائے، جو ہمارا منتہائے نظر ہے تاکہ بدعمل، ناکارہ خودغرض اور اسلام دُشمن لوگ میدان سے ہٹائے جا سکیں تاکہ خلافت پھر ان ہاتھوں میں آ جائے جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جب تک شہزادے صاحب ہمت کر کے میدان میں نہیں آئیں گے، اس وقت تک حالات کی ابتری برابر بڑھتی جائے گی اور خود غرض لوگ رنگ رلیاں کرتے رہیں گے!

عبداللہ :۔ میں اس امر کا عہد کرتا ہوں کہ اس نظام کو بدلنے کے لیے جو کچھ کر سکوں گا،

حتیٰ کہ اگر میری جان بھی کام آجائے تو مجھے دریغ نہ ہوگا کیوں کہ ایک نیک اور صالح مقصد کے لیے جان قربان کر دینا ایک مسلمان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے!

فقیہ:۔ بے شک، اور میں بھی عہد کرتا ہوں کہ خون کا آخری قطرہ بھی بہا دوں گا، لیکن آپ کی رفاقت اور محبت سے منہ نہ موڑوں گا۔

سعید:۔ میں بالکل معمولی آدمی ہوں، میری کوئی حیثیت نہیں، پوزیشن نہیں، اہمیت نہیں، لیکن میں بھی عہد کرتا ہوں کہ ایک نہیں سو جان سے امیر عبداللہ پر قربان ہو جاؤں گا!

عبداللہ:۔ جزاک اللہ!

فقیہ:۔ خدا وہ دن لائے کہ ہم آپ کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے کے اہل بن سکیں۔

سعید:۔ آمین!

عبداللہ:۔ تو گویا آپ حضرات کی رائے ہے کہ عابدہ کو بھیج دوں، امیر المؤمنین الناصر کے پاس!

سعید:۔ بے شک یہی رائے ہے۔ امیر المؤمنین کی بات ماننی ہی چاہیئے۔

فقیہ:۔ بہر حال کم از کم فی الحال تو وہ اولی الامر ہیں!

عبداللہ:۔ لیکن ایک سوال پر بھی تو آپ غور کر لیجئے۔

فقیہ:۔ ارشاد وہ کیا سوال ہے؟

عبداللہ:۔ یہ کہ اگر عابدہ کو قصر زہرا میں بھیج دیا گیا تو کیا ہوگا؟

سعید :- اوّل تو ایسا ہو نہیں سکتا اور بفرضِ محال ایسا ہو بھی تو پھر ہم کھل کر میدان میں آجائیں گے !

عبداللہ :- یہ تم نے کیسے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ؟

سعید :- آپ کو یاد نہیں اس روز عابدہ کیا کہہ رہی تھی ؟ وہ کہہ رہی تھی خواہ میری جان چلی جائے، لیکن میں حکم کے پاس نہیں رہوں گی !

عبداللہ :- ہاں یہ کہہ رہی تھی، لیکن عورت کمزور ہوتی ہے، اس کا ارادہ بھی کمزور ہوتا ہے اور رائے بھی، ممکن ہے وہاں جا کر اس کا ارادہ بدل جائے، اس کی رائے میں تبدیلی ہو جائے !

سعید :- نہیں والا جاہ ایسا قیامت تک نہیں ہو سکتا۔

فقیر :- شہزادے صاحب ٹھیک تو کہتے ہیں، کیسے کہہ رہے ہو ایسا قیامت تک نہیں ہو سکتا ؟

سعید :- یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ عابدہ کی فطرت سے، سیرت سے، کردار سے، اچھی طرح واقف ہوں! ——— وہ جب کوئی ارادہ کر لیتی ہے تو فولاد و آہن بن جاتی ہے، دنیا کی کوئی طاقت اس کے ارادہ سے منحرف اور سرگرداں نہیں کر سکتی!

فقیر :- چپ بھی رہو، ہم نہیں یقین کرتے ان باتوں کا !

سعید :- آپ کو پورا اختیار ہے کہ نہ یقین کریں، لیکن آپ میرے یقین کو تو متزلزل نہیں کر سکتے، وہ تو اپنی جگہ اٹل ہے !

فقیر :- آپ تو خفا ہو گئے سعید صاحب! میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کہی تھی!

سعید :- نہیں اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے، البتہ اس امر کا افسوس ضرور ہے کہ آپ نے ایک شیر دل عورت کی توہین کی۔

فقیہ :۔ لاحول ولاقوۃ، آپ بالکل غلط سمجھے، بخدا میرا یہ مقصد نہ تھا، میں تو عابدہ کے علم و ہنر کا جتنا مداح و معترف ہوں، تم بھی نہ ہو گے!

سعید :۔ پھر آپ نے ایسی دل شکن بات کیوں کہی؟

فقیہ :۔ وہ تو آمد سخن میں منہ تک آگئی، ورنہ یہ مقصد کب تھا کہ میں آپ کو خفا کروں یا عابدہ کی توہین کروں، حالانکہ آپ کی خاطر مجھے بے حد عزیز ہے اور عابدہ کی دل سے عزت کرتا ہوں!

عبداللہ :۔ یہ تو دوسری قسم کی باتیں چھڑ گئیں، اصل سوال پر کوئی غور نہیں کرتا، حالانکہ امیرالمومنین کا بھیجا ہوا محافہ دروازے پہ موجود ہے اور ان کا قاصد جواب کا منتظر ہے ——— !

سعید :۔ غلام کی رائے تو یہی ہے کہ عابدہ کو امیرالمومنین کے پاس فوراً بھیج دیجئے۔ امیرالمؤمنین کی بات اور ہے شہزادہ حکم کی بات اور تھی!

عبداللہ :۔ لیکن ایک مرحلہ ابھی اور باقی ہے!

سعید :۔ وہ کیا میرے آقا؟

عبداللہ :۔ کیا عابدہ وہاں جانے پر رضامند ہو جائے گی؟

سعید :۔ اُسے راضی ہونا پڑے گا!

عبداللہ :۔ نہیں میں اسے کسی طرح مجبور نہیں کرنا چاہتا!

سعید :۔ یہ کام غلام پر چھوڑ دیجئے وہ خوش اسلوبی کے ساتھ اُسے انجام دے لے گا اور اطمینان رکھئے، اس پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کی جائے!

(۲۳)

عابدہ قصرِ زہرا میں!

عابدہ کا وجود عبداللہ کے لیے جتنا ناگزیر بن گیا تھا، اسے سعید پورے طور پر محسوس کر رہا تھا، فقیہ صاحب بیچارے سیدھے سادھے آدمی تھے وہ ان نتائج کو نہیں دیکھ سکتے تھے، جو سعید کے پیش نظر تھے، یہی وجہ تھی کہ سعید اس امر پر زور دے رہا تھا کہ عابدہ قصرِ زہرا میں بھیج دی جائے اور فقیہ صاحب کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو تصادم اور کشمکش کو نہیں روکا جا سکے گا، لہٰذا بہتر اور مناسب یہ ہے کہ پہلے سے ایک راہِ عمل متعین کر لی جائے، اور عبداللہ کی یہ حالت تھی کہ اس کا ذہن مفلوج اور دماغ ماؤف ہو چکا تھا، اس کی قوتِ فیصلہ جواب دے چکی تھی، اور وہ درماندگی اور آشفتہ خاطری کے بحران میں مبتلا تھا، اگرچہ یہ رائے قریب قریب طے پا چکی تھی کہ عابدہ کو امیرالمؤمنین کے پاس قصرِ زہرا میں چلا جانا چاہیے، لیکن بار بار عبداللہ کا دل ڈانواڈول ہو رہا تھا، بار بار اس کی فکر و رائے میں انقلاب آتا تھا، ہر تھوڑی دیر کے بعد دل ہی دل میں وہ یہ فیصلہ کر لیتا تھا، خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے، لیکن عابدہ وہاں نہیں بھیجی جائے گی، گفتگو کا دَور ختم ہو چکا تھا اور سب چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں سائر آیا، اور حسبِ معمول ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا ہو گیا، عبداللہ نے پہلے تو اس کی طرف توجہ نہیں کی، پھر تکدّر اور تنغّص کے ساتھ پوچھا وہ کیوں آیا ہے؟ اس نے جواب دیا، امیرالمؤمنین الناصر

کا قاصد باب عالی پر جواب کا منتظر کھڑا ہے، اور اصرار کر رہا تھا کہ جواب جلد از جلد مرحمت فرمایا جائے۔ عبداللہ نے خشونت کے ساتھ کہا، جاؤ جواب لکھا جا رہا ہے ابھی بھیج دیا جائے گا۔ سائر نے پھر اظہار تعظیم کے لیے گردن جھکائی اور واپس چلا گیا۔ اس کے واپس جانے کے بعد عبداللہ نے بڑے اضطراب اور حسرت کے ساتھ سعید کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

عبداللہ:۔ تو پھر عابدہ کو قصرِ زہرا میں جانا ہی پڑے گا؟

سعید:۔ غلام کی رائے یہی ہے!

عبداللہ:۔ یہ تو جانتا ہوں لیکن دل نہیں مانتا!

سعید:۔ نہیں عالیجاہ اس میں تشویش اور اضطراب کی کوئی بات نہیں ہے۔ امیرالمؤمنین نے صاف الفاظ میں تحریر فرما دیا ہے کہ وہ عابدہ کو واپس کر دیں گے اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی باپ اپنی اولاد کے ساتھ فریب کر سکے، کم از کم میں اسے باور نہیں کر سکتا!

عبداللہ:۔ ہاں ٹھیک ہے لیکن
اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا!
اس کا بھی کچھ علاج ہے؟

سعید:۔ ہے عالی جاہ!

عبداللہ:۔ تو بتاؤ، کہو، کہتے کیوں نہیں؟

سعید:۔ غلام کو عابدہ کے ساتھ بھیج دیجئے،

عبداللہ:۔ تم وہاں جاؤ گے؟ قصرِ زہرا میں؟

سعید:۔ جی ــــ اس میں قباحت کیا ہے؟

عبداللہ:۔ ناممکن، تم وہاں نہیں جا سکتے، نہیں رہ سکتے!

سعید:۔ آپ امیرالمؤمنین کو لکھ دیجئے کہ عابدہ کے ساتھ اس کا استاد بھی آرہا ہے، اور یہ دونوں ایک دوسرے سے کسی حالت میں دُور نہیں رہ سکتے۔

فقیہ:۔ بہت خوب، بڑی اچھی تجویز ہے، داد دیتا ہوں!

عبداللہ:۔ لیکن اگر امیرالمومنین نے عابدہ کو رکھ لیا اور سعید کو واپس کر دیا تب کیا ہوگا؟

سعید:۔ اسے مجھ پر چھوڑ دیئے، میں بھگت لوں گا!

عبداللہ:۔ کیسے باور کرلوں!

سعید:۔ اس لیے کہ غلام جھوٹ نہیں بولتا، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاءاللہ تین چار دن میں عابدہ آپ کے پاس واپس آجائے گی!

عبداللہ:۔ اگر یہ بات ہے تو مجھے عابدہ کو بھیجنے میں کوئی عذر نہیں۔

سعید:۔ بس تو امیرالمؤمنین کے نام خط تحریر فرما دیجئے!

عبداللہ:۔ میری طبیعت حاضر نہیں ہے تم خود لکھ لو!

سعید:۔ (خط لکھ کر دکھاتے ہوئے) میرے خیال میں یہ بہت مناسب رہے گا؟

عبداللہ:۔ (پڑھ کر) ہاں بالکل ٹھیک ہے اس پر مہر لگا لو۔

سعید:۔ (مہر لگا کر) تو اب عابدہ کو اجازت مرحمت ہو کہ وہ میرے ساتھ چلی چلے،

عبداللہ:۔ میری طرف سے تو اجازت ہے، لیکن اس سے بھی پوچھ لو، میں اس پر جبر بہرحال نہیں کروں گا!

سعید:۔ میرے آقا جبر اور جور کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ــــــ مجھے اور

عابدہ کو آپ کا، آپ کے وقار کا اور ناموس کا، آپ کے عروج و فروغ کا جتنا خیال ہے کسی کو نہیں ہے، میں جب اُسے یہ بتاؤں گا کہ شہزادہ کے مصالح کا تقاضا یہی ہے تو وہ انکار نہ کرسکے گی۔ اسے راضی ہونا پڑے گا۔

عبداللہ:۔ بس تو بسم اللہ کرو، اگر وہ راضی ہو جائے توشوق سے اپنے ہمراہ لے جاؤ اور جلد از جلد اسے لے کر واپس آ جاؤ!

سعید بہت اچھا کہہ کر سیدھا عابدہ کے کمرہ میں پہنچا، وہ اس فکر میں بیٹھی تھی کہ سعید کیوں بلایا گیا ہے، سعید کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئی، اس نے کہا کوئی خاص بات تو نہیں؟ میں پریشان ہو گئی تھی، تمہارے اچانک یوں بلائے جانے سے!

سعید نے کہا نہیں کوئی پریشانی کی بات نہیں، بلکہ خوشی کی بات ہے، اطمینان اور مسّرت کی بات ہے!

عابدہ:۔ تو پھر کہتے کیوں نہیں؟

سعید:۔ اب دورِ فراق ختم ہو رہا ہے صبح امید طلوع ہو رہی ہے!

عابدہ:۔ (بے انتہا مسرور ہو کر) سچ؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

سعید:۔ ہماری جدائی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ ملاپ کا عہد آ گیا، اب ہم کبھی جدا نہیں ہونگے۔

عابدہ:۔ (خوش ہو کر) واقعی یہ بہت بڑی خوش خبری ہے!

سعید:۔ اب میں ہوں گا۔ اور تم ہو گی، عاشق ہو گا اور جلوۂ محبوب، بلبل طواف کرے گا، اور پھول کی نکہت و نزہت اس کے لیے وقف ہو گی، عابدہ ایسا معلوم ہوتا ہے میں آسمان پر اُڑا جا رہا ہوں، شاید اتنی بڑی مسرت میں نہ برداشت کرسکوں، شاید مجھے شادی مرگ ہو جائے!

عابدہ:۔ خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کیجئے، پہلے تو دل خوش کُن باتیں کر کے آپ نے مجھے امید کی دنیا میں پہنچا دیا۔ اور اب یاس انگیز باتیں کر کے میری وہ مسرت جو بہت دنوں کے بعد ملی تھی، چھینے لے رہے ہیں مجھ سے، بھلا ایسا بھی کوئی ظلم کرتا ہے؟

سعید:۔ نہیں میری عابدہ تمہیں مایوس اور دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں، میں تمہارا ہوں تم میری ہو۔ ہمیں موت کے سوا کوئی ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا!

عابدہ:۔ یہی فیصلہ تو میرا بھی ہے لیکن آپ جو ایسی نوید سے کر آئے تھے تو چُپ کیوں ہو گئے، کہتے کیوں نہیں کیا بات ہے؟ ہماری جُدائی کی بیڑیاں کس طرح کٹیں گی؟ ہماری دُوئی کس طرح دور ہو گی؟ ہمارا دورِ شادمانی کب شروع ہو گا؟

سعید:۔ شروع ہو گیا۔

عابدہ:۔ کیسے مان لوں؟

سعید:۔ میں جو کہہ رہا ہوں!

عابدہ:۔ خالی خولی الفاظ سے کیا ہوتا ہے؟

سعید:۔ نہیں، یہ کھوکھلے الفاظ نہیں ایک حقیقت ہے!

عابدہ:۔ کیونکر؟

سعید:۔ ہمیں قصرِ زہرا جانے کی اجازت مِل گئی!

عابدہ:۔ قصرِ زہرا؟ وہاں جا کر میں کیا کروں گی؟

سعید:۔ ہماری کامرانی اور شادمانی کا دَور وہیں سے شروع ہو گا،

عابدہ :۔ لیکن تمہیں یا مجھے قصرِ زہرا سے کیا تعلق؟ نہ ہم بادشاہ ہیں، نہ شہزادے۔ ہمیں ان محلات وقصور سے کیا مطلب؟ نہیں میں نہیں جاؤں گی، مجھے قصرِ زہرا نہیں چاہیئے وہ جھونپڑی چاہیئے جہاں میرے اور تمہارے سوائے کوئی نہ ہو، مجھے دولت وثروت کی ضرورت نہیں ہم روکھی سوکھی کھا کر گزر کر لیں گے، مجھے شاہی ملبوسات سے ذرا بھی رغبت نہیں، پھٹے پُرانے اور پیوند لگے کپڑے تمہارے پاس رہ کر، تمہاری بن کر میں بڑے شوق سے پہن لوں گی، چھوڑو قصرِ زہرا کا خیال!

سعید :۔ میری روح تم نہیں جانتی، میں جانتا ہوں، وہاں گئے بغیر ہم کسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے!

عابدہ :۔ تو یہ کہو وہاں اس لیے چلنا ہے کہ مقصد میں کامیاب ہوں!

سعید :۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ تم میری بن جاؤ!

عابدہ :۔ مجھے یقین نہیں آتا ان باتوں کا۔ یا تو میں بے وقوف ہوں یا آپ ضرورت سے زیادہ عقلمند ہیں!

سعید :۔ عابدہ اعتراض نہ کرو، طنز نہ کرو، پریشان نہ کرو اب وقت آیا ہے کہ میں تمہیں اپنا سکوں اور تم پیچھے ہٹ رہی ہو!

عابدہ :۔ بالکل غلط، بھلا میں پیچھے ہٹ سکتی ہوں؟ میں؟

سعید :۔ ہاں عابدہ تم!

عابدہ :۔ آخر یہ رائے کیوں قائم کر لی تم نے ذرا سبب تو بتاؤ!

سعید :۔ تم میرا کہنا جو نہیں مانتیں، میری تجویزوں پر اعتراض جو کرتی ہو۔ اس کے

معنی یہ ہیں کہ تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں۔

عابدہ:- جس دن تم پر اعتماد نہیں رہے گا اس دن تم مجھے زندہ بھی نہ پاؤ گے، پھر یہ زندگی ایک بوجھ بن جائے گی۔ میرے لیے، موت نہ آئی تو میں خودکشی کر لوں گی!

سعید:- میری زندگی میں ایسا نہیں کر پاؤ گی، لیکن آخر عذر کیا ہے تمہیں میری بات کے مان لینے میں!

عابدہ:- عذر تو کوئی نہیں، لیکن وہاں جانے کی ضرورت کیا ہے؟

سعید:- اسے میرے اوپر چھوڑ دو آخر بچہ نہیں ہوں، سمجھدار ہوں!

عابدہ:- اچھا بھئی جیسی مرضی ہو آپ کی، چلیے! ——— کیا ابھی چلنا ہے؟

سعید:- ہاں فوراً ——— عابدہ تم نے میرا کہا مان کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تا عمر اس بوجھ سے سبکدوش نہ ہو سکوں گا!

عابدہ:- (مسکرا کر) اچھا باتیں نہ بنائیے چلیے!

سعید:- (ایک پڑیا دیتے ہوئے) یہ سفوف ہے اسے اپنے پاس رکھ لو، اور کچھ نہ پوچھو یہ کیا ہے؟ کیوں ہے؟ جب تک میں خود نہ بتاؤں!

عابدہ نے وہ پڑیا لے کر رکھ لی!

سعید نے دوسرے کمرے میں واپس جا کر عبداللہ سے پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ بڑی مشکل سے وہ رضامند ہوئی، لوہے لگ گئے اسے راضی کرنے میں لیکن محض اس خیال سے آمادہ ہو گئی جانے پر کہ آپ کے مصالح کا تقاضہ

بھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ آپ کے نام پر جان دیتی ہے!

عبداللہ:- اچھا خیر اب جاؤ، لیکن جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کرو، تین چار دن تم نے کہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں دو ہی دن میں واپس آ جاؤ۔

سعید:- میں دل و جان سے اس کی کوشش کروں گا۔ اور ایک مرتبہ پھر آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ عابدہ آپ کی ہو کر جا رہی ہے اور آپ ہی کی رہ کر واپس آئے گی، آپ کی امانت کی نگہبانی پر جان دے دوں گا!

---

(۲۴)

قصرِ زہرا کا اندرونی منظر!

سعید عابدہ کو لے کر روانہ ہوا —— (محافہ) آگے آگے چل رہی تھی، سعید اور الناصر کا قاصد پیچھے پیچھے، تھوڑی دیر تک دونوں چپ چاپ اپنی اپنی راہ چلتے رہے، لیکن سعید کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ خاموش رہے، محل شاہی کا کوئی آدمی مل جائے اور وہ اس سے باتیں نہ کرے، کرید کرید کر اپنی معلومات میں اضافہ نہ کرے اور وقت آنے پر ان سے کام نہ لے، چنانچہ تھوڑی دیر چلنے کے بعد اس کی نظر قصرِ زہرا کے چمکتے ہوئے اور دمکتے ہوئے مرمریں کنگروں پر پڑی، محل کی شاندار عمارت اس کی بلند و بالا فصیل، اس کی آئینہ کی طرح صیقل کی ہوئی دیواریں، اس کے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے مینارے، اس کا جاہ و جلال اور رنگ روپ دیکھ کر وہ حیران اور ششدر رہ گیا، صناعی کا یہ کمال اور سطوت شاہی کا یہ مآل دیکھ کر اس کی آنکھیں چکاچوند ہونے لگیں، بڑی مشکل سے اس نے اپنے جذباتِ تحیّر پر قابو پایا اور قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

سعید:۔ ہم قصرِ زہرا کے قریب پہنچ گئے؟

قاصد:۔ ہاں اور کیا —— وہ دیکھئے سامنے ہی تو نظر آ رہا ہے!

سعید:۔ عجیب و غریب چیز ہے یہ بھی، صناعی کا اتنا حیرت انگیز نمونہ دنیا میں مشکل سے ملے گا، یہ دل آویزی، یہ سحر طرازی، یہ حسن و جمال، یہ رعنائی و زیبائی

حیرت ہوتی ہے کہ ایسی شاندار عمارت کیسے بن گئی، میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین پر اس کی مثال نہیں مل سکتی!

قاصد:۔ بے شک، بے شک۔

سعید:۔ نہ جانے کتنا روپیہ صرف ہو گیا اس عمارت پر۔

قاصد:۔ اجی کچھ نہ پوچھئے، پانی کی طرح بہا ہے اس پر روپیہ، تب جا کے یہ عمارت تیار ہوئی ہے، یہ عمارت صرف مٹی اور چونے کی نہیں ہے۔

سعید:۔ پھر ——— پھر؟

قاصد:۔ اس میں سونا صرف ہوا ہے، چاندی صرف ہوئی ہے، ہیرے اور جواہر لگے ہیں، واقعی روئے زمین پر ایسی شاندار عمارت نہیں مل سکتی۔ آنے والی نسلیں حیران ہو کر اسے دیکھیں گی اور عقیدت سے سر جھکا دیں گی!

سعید:۔ مانتا ہوں، سچ کہتے ہو!

قاصد:۔ دوسرے ملکوں سے جو لوگ آتے ہیں وہ بھی اسے دیکھ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ زمین کی چھاتی پر اتنی بڑی، اتنی شاندار اور اتنی انوکھی عمارت الناصر نے کیسے تیار کر لی؟

سعید:۔ وہ تو ہونا ہی چاہیئے۔

قاصد:۔ دس برس میں یہ عمارت تیار ہوئی ہے!

سعید:۔ (حیرت سے) دس برس میں؟

قاصد:۔ جی ——— اور ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی!

سعید:۔ ابھی کچھ کام باقی ہے؟

قاصد:- جی ہاں یہ باقی کام بھی دو تین برس میں ختم ہو سکے گا کہیں ——— لیکن اصل عمارت بہرحال تیار ہو چکی ہے واقعی یہ انسانی اولوالعزمی اور انسانی ہنرمندی کا معجزہ ہے!

سعید:- بے دریغ اور اَن گنت روپیہ صرف ہوگا اس پر تو؟

قاصد:- جی اور کیا۔

سعید:- بھلا اندازاً کتنا لگا ہوگا؟

قاصد:- یہ تو میں نہیں کہہ سکتا اتنا بڑا حساب لگانا میرے بس میں نہیں ہے، البتہ آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دس ہزار راج اور مزدور روزانہ یہاں مصروفِ کار رہتے ہیں، ڈیڑھ ہزار خچروں اور دوسرے جانوروں سے روزانہ باربرداری کا کام لیا جاتا ہے، ترشے ہوئے مجلّی اور مصفیٰ پتھر جو روز کام میں آتے ہیں ان کی تعداد چھ ہزار ہے، اینٹوں کا تو حساب ہی نہیں لگ سکتا، یومیہ سنگ مرمر کا بھی ہزاروں کا خرچ ہے، یہ سمجھ لیجئے، سنگِ مرمر کا ہر ٹکڑا دس دینار میں خریدا جاتا ہے!

سعید:- افوہ، غضب ہے بھئی!

قاصد:- قسطنطنیہ سے چند حوض منگائے گئے ہیں، جڑاؤ، قیمتی، نظر فریب دیکھ کر عقل چکرا جاتی ہے۔ ان پر نہ جانے کتنا صرف ہو گیا ہو گا۔ بہت سے آدمی صرف اس کام پر مامور ہیں کہ مختلف دیار و امصار اور شہروں کا چکر کاٹتے رہیں، اس عمارت میں استعمال کے لیے جو چیز جہاں جس قیمت پر ملے خرید لیں، تاکہ اس کی رعنائی میں کسی طرح کا فرق نہ آنے پائے!

سعید:- خوب بہت خوب!

قاصد:- سچی بات تو یہ ہے کہ امیر المومنین جس طرح داد و دہش کرتے ہیں، جس عالی حوصلگی اور فراخ دلی سے تعمیری کاموں پر روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں وہ انہی کا حصّہ ہے، انہی کا حوصلہ ہے، کوئی ایسی ہمّت نہیں کرسکتا اور اگر کرے بھی تو اس کے وسائل و ذرائع ساتھ نہیں دے سکتے، تھوڑی ہی مدت میں ہار کے بیٹھ جائے گا![1]

سعید:- یقیناً —— کیا شبہ ہے اس میں!

قاصد:- آج قرطبہ کا مقابلہ دنیا کا کوئی شہر نہیں کرسکتا، قصرِ زہرا کی مثال دنیا بھر میں نہیں مل سکتی اور الناصر کا سا جلیل و عظیم فرماں روا پردۂ دنیا پر کہیں نہیں نظر آسکتا۔

سعید:- سچ کہتے ہو بھائی —— لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ محل کے اندر سونے اور چاندی کے کام کی بڑی عجوبہ صناعیاں بھی موجود ہیں —— کیا واقعی؟

قاصد:- اجی جناب یہاں کیا نہیں ہے، یہ محل نہیں جنت کا ٹکڑا ہے، جو چاہو ملے گا۔

سعید:- یہ سامنے کیا چیز ہے جس کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں؟

قاصد:- یہ مشرق کی طرف؟

سعید:- ہاں، ہاں!

---

[1] قصر زہرا کی جو تفصیلات اس بات میں بتائی گئی ہیں وہ سب تاریخی ہیں۔

قاصد:۔ یہ شاہی استراحت گاہ ہے، اس میں ——— تو بارہ نقرئی اور طلائی مجسمے نصب ہیں، جن کے دہانوں سے صاف اور شفاف پانی اُبل رہا ہے۔

سعید:۔ کہاں جاتا ہے یہ پانی؟

قاصد:۔ یہ نہروں، حوضوں اور آبشاروں میں پہنچتا ہے، اور وہاں جاکر ایک نئی چیز بن جاتا ہے۔

سعید:۔ اچھا میں سمجھ گیا ——— کیسے ماہر کاریگر ہوں گے جنہوں نے یہ بے مثل چیزیں بنائی ہیں!

قاصد:۔ بے شک ——— لیکن سب سے زیادہ داد کے مستحق خود مولانا امیرالمومنین الناصر ہیں!

سعید:۔ یہ کیسے جناب؟

قاصد:۔ امیرالمومنین بذاتِ خود تعمیر کی نگرانی کرتے ہیں، اپنے وقتِ عزیز کا بیشتر حصّہ اسی کام میں صرف فرماتے ہیں، ولی عہد یعنی شہزادہ حکم پر بھی انہوں نے یہ ڈیوٹی لگا رکھی ہے کہ کام کی برابر نگرانی کیا کریں۔

سعید:۔ ٹھیک ہے ہوگا، بھئی میرا خیال ہے کہ شاہی خزانہ کی کثیر رقم اس پر صرف ہو جاتی ہوگی!

قاصد:۔ میں وثوق سے تو نہیں کہہ سکتا، لیکن میں نے سُنا ہے کہ شاہی آمدنی کا ایک تہائی اس پر صرف ہو رہا ہے!

سعید:۔ اللہ اکبر ——— حد ہو گئی بھئی اچھا یہ تو بتاؤ خزانۂ شاہی کی سالانہ آمدنی کیا ہے؟

قاصد:۔ چھ ارب سالانہ،

سعید:۔ نہیں بھئی، اتنی بڑی رقم کا تہائی حصّہ نہیں صرف ہو سکتا، یہ تو بہت زیادہ ہے، ہم نہیں مانتے۔

قاصد:۔ ماننے نہ ماننے کا آپ کو اختیار ہے لیکن اس محل میں آپ کو ایک ایوان نظر آئے گا، جس کا بُرج خالص سونے کا ہے۔ اس عمارت کے جو ستون آپ کی نظروں سے گزریں گے، یہ آپ جانتے ہیں کس چیز کے ہیں؟

سعید:۔ نہیں ـــــ بتاؤ؟

قاصد:۔ ہاتھی دانت اور آبنوس کے، صرف انہی چیزوں کے!

سعید:۔ کمال ہے واللہ۔

قاصد:۔ یہ تو میں نے مشتے نمونہ از خروارے بتایا ہے۔ محل میں پہنچ کر تم خود دیکھ لو گے کہ کیسی کیسی عجوبہ صنعت کاریوں کا مجموعہ ہے یہ!

سعید:۔ یہ تو سچ ہے، لیکن چھ ارب کی تہائی رقم بہت زیادہ ہوئی، مجھے تو معتبر ذریعہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ تین لاکھ دینار سالانہ کا خرچ ہے اس محل کی تعمیر کا۔

عابدہ محافہ میں بیٹھی ان دونوں کی باتیں سُن رہی تھی ان باتوں نے اس کے دل میں بھی محل کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا کر دیا۔ اتنے میں محل کا پھاٹک آ گیا یہ لوگ اندر داخل ہو ئے۔ اندر پہنچ کر انہوں نے جو کچھ دیکھا۔ اس سے واقعی ان کے دل پر ہیبت اور دہشت کی کیفیت طاری ہو گئی ـــــ کہاں آ گئے ہم لوگ۔؟

(۲۵)

یاسر سے ملاقات

محل کے خانہ باغ میں پہنچ کر سعید اور عابدہ نے دیکھا کہ صدہا لونڈیاں ادھر سے اُدھر گھوم رہی ہیں۔ صدہا غلام خوب صورت لباس پہنے ایہاں وہاں کے چکّر کاٹ رہے ہیں۔ سعید یاسر کو ڈھونڈ رہا تھا۔ یاسر سے دیرینہ ملاقات تھی۔ اگر اس سے ملاقات ہو جاتی اور اس کے ذریعہ عابدہ امیرالمومنین کے محل میں پہنچتی تو زیادہ اطمینان ہو جاتا، وہ اس اُدھیڑ بن میں تھا کہ قاصد جو اس کے ساتھ آیا تھا، دفعتہً گھوڑے سے اُترا، اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ سعید کی کچھ سمجھ میں نہ آیا یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟ وہ بھی گھوڑے سے اُترا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں اس کے کان میں آواز آئی،

"کہو جس کام کے لیے گئے تھے وہ کر آئے"؟

قاصد نے بڑے ادب واحترام کے ساتھ عرض کیا۔

"جی ہاں ——— عابدہ میرے ساتھ آئی ہے! اور شہزادہ عبداللہ نے امیرالمومنین کو یہ خط دیا ہے!

سعید کو اس شخص کی آواز کچھ مانوس سی نظر آئی جس کے احترام میں سر جھکائے باتیں سن رہا تھا، اُس نے ہمّت کر کے سر اٹھایا اور دیکھتا کیا ہے کہ بصد جاہ و حشم یاسر کھڑا ہے۔ ارد گرد خنجر بدست غلاموں کا ایک دستہ تعمیل حکم کے لیے موجود ہے

یاسر نے سعید کو دیکھا تو بڑے اخلاق و شفقت کے ساتھ آگے بڑھا اور اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔

"آہا سعید صاحب آپ؟"

اور قبل اس کے کہ سعید کوئی جواب دے، یاسر نے اپنے ہمراہی غلاموں میں سے چند سے کہا۔

"یہ محافہ اندر لے جاؤ اور یاد رکھو اس میں ایک معزز ہستی امیرالمومنین کے پاس آئی ہے، دیکھ بھال، خاطر تواضع اور راحت رسانی میں ذرا بھی کوتاہی نہ ہو ورنہ گردن اُڑا دی جائے گی!"

محافہ اندر چلا گیا، پھر یاسر سعید سے مخاطب ہوا۔

"بھئی بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر خوب آئے لیکن کس طرح آگئے؟

سعید نے عرض کیا۔

بس آگیا، کیوں آیا یہ بھی بتا دوں گا، لیکن یہ تو فرمائیے آپ کا مزاج کیسا ہے؟ امیرالمومنین کی صحت عالی کیسی ہے؟

یاسر:۔ ٹھیک ہے، شکر ہے خداوند کریم کا!

سعید:۔ آپ کے حریف تمام کا کیا حال ہے؟

یاسر:۔ وہی جو پہلے تھا ——— اکھاڑ پچھاڑ میں لگا رہتا ہے نہ جانے کیوں اس کو مجھ سے پرخاش ہو گئی ہے، حالانکہ اس کے اس عروج اور ترقی کا سبب میں ہوں، میں نے ہی اُسے خلیفہ کے حضور میں پیش کیا، اس کی سفارش کی اور اُسے اس منصب پر پہنچایا اور اب وہ میری ہی جڑ کاٹنے میں مصروف ہے

عجیب چیز ہے یہ دُنیا بھی!

سعید:۔ ہاں لیکن ایسے لوگ ہمیشہ منہ کی کھاتے ہیں!

یاسر:۔ کبھی کھاتے ہوں گے، اب تو نہیں کھاتے، مزے کرتے ہیں، کامیاب ہوتے ہیں، زک پہنچاتے ہیں دوسروں کو!

سعید:۔ امیرالمومنین کی نظر میں جو وقعت آپ کی ہے، وہ تو کم ہو نہیں سکتی، دوسروں کو اگر وہ بھڑکاتا ہے تو بھڑکایا کرے۔

یاسر:۔ آپ کس غلط فہمی میں ہیں؟ وہ امیرالمومنین کو مجھ سے بیزار کر چکا ہے!

سعید:۔ (حیرت ظاہر کر کے) واقعی؟

یاسر:۔ ہاں بھئی ہاں۔

سعید:۔ لیکن آخر کیوں؟

یاسر:۔ اس کا سبب تو مجھے نہیں معلوم وہی جانتا ہوگا!

سعید:۔ بڑا کمینہ شخص ہے، خوب واقف ہوں اس سے!

یاسر:۔ آپ اسے جانتے ہیں؟

سعید:۔ بہت اچھی طرح ——— آپ نے تو ابھی جانا ہے، میں بہت عرصہ سے واقف ہوں ان ذاتِ شریف سے، بڑے چلتے ہوئے ہیں!

یاسر:۔ اور تو اور کم بخت نے زہرہ کو بھی مجھ سے بدظن کر دیا ہے!

سعید:۔ اچھا تو امیرالمومنین اور زہرہ دونوں پر اُس نے ڈورے ڈال رکھے ہیں؟

یاسر:۔ اور کیا اور دونوں اُسے فرشتہ سمجھتے ہیں اور مجھ سے بھڑکنے لگے ہیں۔

سعید:۔ زہرہ پر تو تعجب نہیں، ایک معمولی سی عورت تھی، حرم سرا میں پہنچ کر امیرالمومنین کی محبوبہ بن گئی، دماغ عرش پر پہنچ گیا، لیکن امیرالمومنین پر ضرور حیرت ہے، دانا، بینا، صاحب بصیرت و فراست ——— ایسا آدمی کس طرح چکمہ میں آگیا؟

یاسر:۔ یہ غلام بڑا چرب زبان ہے، واقعی جادو ہے اس کی زبان میں۔

سعید:۔ اسی لیے زہرہ کو بھی اُس نے اپنا لیا، عورتیں ویسے ہی بے وقوف ہوتی ہیں نہ کہ زہرہ جیسی عورت، جسے قدرت نے حسن و جمال ضرورت سے زیادہ دے دیا، اور عقل بالکل نہ دی!

یاسر:۔ اجی چھوڑو بھی حسن و جمال ——— ہاں ہے خوب صورت، لیکن ایسی غیر معمولی بات کون سی ہے اس میں کہ خلیفہ صاحب ہزار جان سے فریفتہ ہوئے جارہے ہیں۔ میں تو اس فلسفہ کو آج تک نہ سمجھ سکا۔

سعید:۔ (مسکرا کر) کیا تم نے محبت کی ہے کبھی کسی سے!

یاسر:۔ خدا کا شکر ہے اب تک اس مصیبت سے محفوظ ہوں، آئندہ کی خبر نہیں۔

سعید:۔ بس تو تم اس راز کو قیامت تک نہیں سمجھ سکتے۔

یہ اہلِ دل کی باتیں ہیں یہ اہلِ دل سمجھتے ہیں!

یاسر:۔ اچھا یہ باتیں چھوڑو، یہ بتاؤ آنا کیسے ہوا؟

سعید:۔ عابدہ کے ساتھ آیا ہوں میں اس کا اتالیق جو ہوں!

پھر سعید نے عبداللہ اور حکم کی ساری کشمکش کی داستان سُنا دی، اور آخر میں بڑی خصوصیت کے ساتھ کہا۔

اگر امیرالمومنین نے عابدہ کو واپس نہ کیا تو میرا خیال ہے کہ عبداللہ بغاوت پر آمادہ ہو جائے گا!

یہ سُن کر یاسر چکرا گیا، اس نے حیرت واستعجاب کے ساتھ دریافت کیا۔

"کیا سچ؟"

سعید نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"دیکھ لینا!"

(۲۹)

حیرت کی کیفیت!

یاسر جب عبداللہ سے رخصت ہو کر امیرالمومنین کے ایوانِ زرنگار کی طرف جانے لگا، تو سعید نے پوچھا غالباً آپ خلیفہ کے حضور میں تشریف لئے جا رہے ہیں؟ یاسر نے کہا ہاں میں وہیں جا رہا ہوں۔

سعید:۔ ایک بات کہنے کا جی چاہتا ہے، اگر آپ سُن لیں، منظور کر لیں۔

یاسر:۔ ضرور کہو، سنوں گا اور مانوں گا۔

سعید:۔ امیرالمومنین کو پاس سے دیکھنے ان کی باتیں سننے اور ان سے باتیں کرنے کی تمنا عرصہ سے میرے دل میں مچل رہی ہے۔

یاسر:۔ (مسکرا کر) تو یہ کہو ان سے ملنا چاہتے ہو؟

سعید:۔ ہاں اگر ممکن ہو سکے۔

یاسر:۔ ناممکن تو نہیں میں وہیں جا رہا ہوں تم میرے ساتھ چلو اگر موقع ہوا تو پیشِ خدمت کر دوں گا، ورنہ پھر کسی دوسرے وقت دیکھا جائے گا!

سعید خوش خوش یاسر کے ہمراہ ہو لیا۔ راستہ میں دونوں بالکل خاموش رہے کسی نے کسی سے بات نہیں کی، البتہ دربانوں، حاجبوں اور غلاموں کو یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ یہ نووارد کون شخص ہے جس کی پذیرائی میں یاسر جیسا شخص بچھا جا رہا ہے، راستہ میں سعید نے صنعت کاریوں کے ایسے ایسے عجیب و غریب

نمونے دیکھے کہ وہ دنگ رہ گیا، یاسر نے اس کی کیفیت بھانپ لی اور کہا،

یاسر:۔ تم تو اس محل سے بہت زیادہ مرعوب اور متاثر نظر آتے ہو؟

سعید:۔ جی ہاں، آپ کا اندازہ صحیح ہے۔ میں نے دمشق کا ایوانِ خلافت دیکھا ہے میں نے بغداد کا قصرِ خلافت دیکھا ہے۔ یاسر صاحب میں بہت گھوما ہوں، دنیا کا کونہ کونہ چھان چکا ہوں، ہر جگہ کے بادشاہوں اور شہریاروں کے محلّات و قصور دیکھے ہیں لیکن قرطبہ کا یہ قصرِ زہرا، سب سے نرالا، سب سے عجیب اور سب سے خوب صورت ہے۔

یاسر:۔ میرے دوست تم تو ابھی سے گھبرا گئے، یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے جو خاص محل میں دیکھو گے!

سعید:۔ وہاں صنعت کاری اور کاری گری کے اس سے بھی اچھے نمونے ہیں؟

یاسر:۔ وہاں پہنچو گے تو وہ تمہیں ایک طلسم نظر آئے گا، اس کی نقاشی، اس کی صناعی، زیب و زینت ہر چیز یکتا اور بے نظیر ہے۔

سعید:۔ واقعی پردۂ دنیا پر اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

یاسر:۔ آج تک کسی نے سونے اور چاندی کا استعمال تعمیرات کے سلسلہ میں نہیں کیا تھا یہ شرف ہمارے مولانا الناصر ہی کو حاصل ہے۔

باتوں باتوں میں ایوانِ خلافت آ گیا۔ یاسر نے سعید کو ایک جگہ بٹھا دیا اور خود اندر چلا گیا، اتنے میں اندر سے منذر بن سعید آتے ہوئے دکھائی دیئے، یہ وہی بزرگ تھے جنہوں نے سفرائے قسطنطنیہ کے سامنے ہپاسنامہ اس خوبی اور قابلیت سے پڑھا تھا کہ قرطبہ کے قاضی القضاۃ بنا دیئے گئے اور بیچارے فقیہ ابن عبدالبر منہ دیکھتے رہ گئے تھے۔

سعید کو کافی دیر تک انتظار کرنا پڑا، پھر ایک دربان آیا اور اسے اپنے ساتھ اندر لے گیا، خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر اس وقت سونے کے جڑاؤ تخت پر متمکن تھا، یہ نشست گاہ ایک ایسے احاطہ میں واقع تھی، جس کی ہر دیوار سونے، چاندی اور جواہرات سے لپی ہوئی تھی۔ ہاتھی دانت اور آبنوس کی کھڑکیاں تھیں، انہیں سنگِ مرمر اور بلور کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا، ان کھڑکیوں سے آفتاب کی کرنیں ٹھیک خلیفہ کی نشست گاہ پر پڑتی تھیں جس سے چکا چوند کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس مقام پر پارے سے بھرا ہوا ایک شیشہ آویزاں تھا، اس سے چمک دمک میں اور اضافہ ہو گیا تھا، جب خلیفہ کو خلوت منظور ہوتی تو وہ حاجب کی طرف اشارہ کرتا، وہ اس شیشہ میں جنبش پیدا کر دیتا، جس کا مطلب یہ تھا کہ پارہ کی جنبش ختم ہونے سے پہلے تمام حاضرین اُٹھ جائیں!

سعید جیسے ہی خلیفہ کے سامنے پہنچا، جُھک کر آداب بجا لایا اور خاموش کھڑا ہو گیا خلیفہ نے یاسر سے مخاطب ہو کر کہا۔

عابدہ کے اُستاد سعید یہی ہیں جن کی قابلیت اور نجوم دانی کا شہرہ تمہارے ذریعہ ہمارے کانوں تک پہنچ چکا ہے؟

یاسر نے عرض کیا۔

میرے آقا یہی ہے وہ شخص، جو تمام قرطبہ میں اپنی قابلیت اور ذہانت کے اعتبار سے یکتا ہے، غلام نے اس کی جتنی تعریف کی ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے!

اتنے میں خلیفہ نے دربان کی طرف دیکھا، اُس نے فوراً سیمابی شیشہ ہلا دیا، فوراً ہی یاسر اور دربان باہر نکل گئے، صرف سعید اندر رہ گیا۔

سعید خلیفہ کی خلوت گاہ میں!

خلیفہ الناصر نے سعید کو لطف و عنایت کی نظر سے دیکھا اور کہا،
الناصر:۔ ہمیں معلوم ہؤا ہے تم عابدہ کے اُستاد ہو، کیا یہ سچ ہے؟
سعید:۔ کس میں یہ مجال ہے کہ امیر المومنین کے سامنے غلط بیانی کرے، بے شک غلام عابدہ کا اُستاد ہے!
الناصر:۔ عابدہ کو تم نے کن کن علوم کی تعلیم دی ہے؟
سعید:۔ وہ شاعری میں یکتا ہے، موسیقی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ انساب کے فن سے بھی واقف ہے، حکایات و قصص پر اسے پورا عبور ہے، تاریخی واقعات بھی اسے ازبر ہیں!
الناصر:۔ تو وہ ایک عورت نہیں پورا کتب خانہ ہے ——— بغداد کی رہنے والی ہے شاید؟
سعید:۔ جی ہاں اس کا وطن بغداد ہے!
الناصر:۔ اور تم کہاں کے رہنے والے ہو؟
سعید:۔ غلام یہیں قرطبہ کا باشندہ ہے۔
الناصر:۔ یہ تو ہمیں اپنے مقربین بارگاہ سے معلوم ہوا تھا کہ تم ایک وسیع النظر، عالم، ماہر منجم، اور ایک بہت بڑے اور اچھے کتب خانہ کے مالک ہو، لیکن یہ

نہیں معلوم تھا کہ رہنے والے یہیں کے ہو، بڑی خوشی ہوئی یہ معلوم کر کے، اچھا اب تم جا سکتے ہو، شام کو ہم عابدہ کو اپنے حضور طلب کریں گے اور دیکھیں گے تمہارا بیان کہاں تک صحیح ہے؟ تمہیں بھی اس وقت یہاں حاضر رہنا پڑے گا!

سعید:۔ غلام حاضر ہو جائے گا!

پھر سیمابی شیشہ ہلنے لگا۔ اور سعید آداب بجا لاکر رخصت ہوا، یاسر دروازہ پر موجود تھا۔ اُس نے گفتگو کا ماجرا دریافت کیا، پھر اسے مبارک باد دی کہ وہ خلیفہ کا مقرب بارگاہ بن گیا، رات کی مجلس میں صرف اسی کو اذنِ باریابی ملتا تھا جو خلیفہ کی نظر میں چڑھ چکا ہو، سعید نے یاسر سے کہا، یہ مبارک باد بعد میں دیتے رہنا، پہلے مجھے عابدہ کے پاس بھیجو تاکہ اُسے ضروری ہدایات دے سکوں، ایسا نہ ہو وہ امیرالمومنین کے حضور حاضر ہو اور کوئی ایسی بات اس سے سرزد ہو جائے، جو شایانِ شان نہ ہو اور لینے کے دینے پڑ جائیں، یاسر نے کہا، ہاں ٹھیک کہتے ہو، پھر ایک غلام کی طرف اشارہ کر کے کہا، ہمارے محترم اور معزز مہمان کو اسی وقت حرم سرا کے اس حصّہ میں لے جاؤ جہاں عابدہ ٹھہرائی گئی ہے، غلام اسے اپنے ساتھ لے کر ایک وسیع کوشک میں داخل ہوا، ایک کمرہ میں اُسے بٹھا کر اُس نے کہا۔ آپ تشریف رکھئے میں ابھی حاضر ہوا، سعید بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد غلام حاضر ہوا اور سعید کو اپنے ہمراہ کوشک کے ایک خاص کمرہ میں لے گیا، جہاں عابدہ چودھویں کا چاند بنی بیٹھی تھی، اَدب تو اس کا حِصّہ تھا، لیکن اس وقت کچھ ایسی بھبن کا عالم طاری تھا کہ سعید بھی اس کا حسن وجمال دیکھ کر کلیجہ مسوس کر رہ گیا وہ اگر کسی اور پر فریفتہ نہ ہوتا تو ضرور عابدہ کو دِل دے بیٹھتا، لیکن

مشکل یہ تھی کہ دل پر پہلے ہی سے کسی اور کا قبضہ تھا لیکن ظاہر داری اور تصنع کے فن میں وہ یکتا تھا، اُس نے ایک عاشق کی طرح ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

سعید:۔ آج تو تم پر قیامت کا عالم طاری ہے!

عابدہ:۔ (شرما کر) ہٹو بھی، آئے اور باتیں بنانا شروع کر دیں۔

سعید:۔ میں جھوٹ تو نہیں کہتا۔

عابدہ:۔ اور کیا سچ کہہ رہے ہو؟

سعید:۔ بے شک —— چاہو تو آئینہ دیکھ کر میرے قول کی تصدیق کر لو۔

عابدہ:۔ مجھے ضرورت نہیں کسی کی تصدیق یا تردید کی، میں خود جانتی ہوں میں کیا ہوں؟

سعید:۔ یہ تو بتاؤ۔ یہاں کسی طرح کی تکلیف تو نہیں ہوئی تمہیں؟

عابدہ:۔ تکلیف کے سوا، اور میرے مقسوم میں لکھا کیا ہے؟

سعید:۔ (گھبرا کر) یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تکلیف ہے تمہیں؟ پاسر نے تو میرے سامنے ہدایت کر دی تھی کہ تمہاری راحت اور آسائش کا پورا پورا خیال رکھا جائے بلکہ یہ بھی کہہ دیا تھا اگر ذرا بھی شکایت ہوئی تو گردن مار دی جائے گی۔ بتاؤ کیا شکایت ہے۔ میں ابھی جا کر پاسر سے کہتا ہوں، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے؟

عابدہ:۔ لیکن میری شکایت کا دُور کرنا پاسر کے ہاتھ میں نہیں تمہارے قبضۂ قدرت میں ہے! —— میں یہاں نہیں رہ سکتی، میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔

سعید:۔ عابدہ، عابدہ!

عابدہ :۔ ہاں، سعید، یہ محل میرے لیے جہنم ہے!

سعید :۔ کیوں؟ آخر کوئی بات بھی تو ہو!

عابدہ :۔ کب تک میں در در کی ٹھوکریں کھاتی رہوں گی، آج اس گھر میں، کل اس گھر میں ابھی اس کے یہاں، کبھی اس کے وہاں، کیا میں اسی لیے ہوں؟ یہ دُکھ مجھ سے نہیں جھیلے جاتے، میں تم سے پہلے کہہ چکی ہوں، مجھے دولت، ثروت، عزت منزلت کچھ نہیں چاہیئے۔

سعید :۔ عابدہ بہکی بہکی باتیں نہ کرو، تم بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو، میں تو تمہیں بہت عقیل و فہیم سمجھتا تھا۔

عابدہ :۔ میرے بارے میں جو رائے چاہو قائم کرو، لیکن یہاں سے لے چلو، میں یہاں رہی تو پاگل ہو جاؤں گی!

سعید :۔ تم نے تو پریشان کر دیا ہے بھئی، کچھ تو صبر سے کام لو۔

عابدہ :۔ حد ہو چکی صبر و ضبط کی، کہاں تک صبر و ضبط سے کام لوں؟

انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں!

تم نہیں جانتے میرے دل پر کیا گذر رہی ہے!

سعید :۔ خوب جانتا ہوں، لیکن میرے دل پہ جو گزر رہی ہے اس کا تمہیں احساس نہیں ہے، اگر ہوتا تو ایسی بے مروّتی کی باتیں نہ کرتیں، یُوں مجھے پریشان نہ کرتیں۔

عابدہ :۔ یہ لو کیا کیا میں نے؟

سعید :۔ تم نے میرا دل توڑ دیا۔

عابدہ :- میں نے ؟

سعید :- ہاں تم نے —— تم نے میری امیدوں کو پاؤں تلے روند ڈالا، تم نے میری آرزو کی جنت میں آگ لگا دی۔

عابدہ :- خدا نہ کرے میں نے اپنی زندگی تمہارے لیے وقف کر دی ہے اور تم میرے بارے میں یہ رائے رکھتے ہو؟

سعید :- میں تمہیں عبداللہ کے پاس سے الناصر کے پاس کیوں لایا ہوں؟

عابدہ :- کیوں لائے ہو بتاؤ۔

سعید :- صرف اس لیے کہ حصولِ مقصد کا یہ سب سے اچھا اور آسان ذریعہ ہے۔

عابدہ :- یہی کہہ کر تو تم مجھے عبداللہ کے یہاں بھی لے گئے تھے!

سعید :- وہ بھی غلط نہ تھا!

عابدہ :- اچھا اتنا بتا دو، یہ پاؤں کا چکر کب تک رہے گا؟ کب تک میں اسی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجی جاتی رہوں گی؟

سعید :- بس اب یہ آخری جگہ ہے، ہم اپنے مقاصد صرف الناصر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ حکم یا عبداللہ سے نہیں، یہ دونوں لونڈے ہیں، اصل چیز الناصر ہے، اقتدار و اختیار کا سرچشمہ، قوت و طاقت کا مرکز!

عابدہ :- تو کیا میرے رہنے سے وہ اقتدار و اختیار تمہیں سونپ دے گا؟ قوت و طاقت کا مالک تم کو کر دے گا؟

سعید :- ہاں —— ورنہ کوئی عاشق اتنا بے غیرت نہیں ہوتا کہ اپنی محبوبہ کو لیں لیے لیے پھرے۔ میں خود اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں، چاہتا

ہوں، کلفت اور مجبوری کا یہ دَور ختم ہو، ایک گوشۂ عافیت ہو، میں ہوں تم ہو، عیش ہو، کامرانی ہو، مسرت ہو۔ بے فکری اور شادمانی کا دَور ہو، اور ہم دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر ایک دوسرے میں کھو جائیں——— بتاؤ عابدہ کیا تم یہ نہیں چاہتی ہو؟ کیا تمہاری یہ خواہش نہیں ہے؟

عابدہ:۔ یہی تو میری خواہش اور حسرت ہے!

سعید:۔ اگر یہ بات ہے تو میرا کہا مانو، جو میں کہوں وہ کرو، مجھ پر اعتراض نہ کرو، مجھ سے سوال جواب نہ کرو، میرے بارے میں بدظنی سے کام نہ لو۔

عابدہ:۔ میں اور تمہارے بارے میں بدظنی سے کام لوں گی؟ کمال کرتے ہو تم بھی۔

سعید:۔ اچھا میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں ——— بتاؤ میرے کہنے پر چلو گی؟

عابدہ:۔ ہاں ———

کہا جو مرتے کو مر گئے ہم   کہا جو جینے کو جی اُٹھے ہم —!
اب اور کیا چاہتا ہے ظالم   ترے اشاروں پہ چل رہے ہیں!

سعید:۔ (محبت سے عابدہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر) عابدہ تم بڑی اچھی ہو، لیکن بڑی ظالم ہو، بہت پریشان کرتی ہو مجھے، یہ جو کچھ کر رہا ہوں صرف تمہارے لیے ——— ہاں یہ تو بتاؤ وہ سفوف کی پڑیا جو میں نے تم کو دی تھی کہاں ہے؟

عابدہ:۔ میرے پاس ہے!

سعید:۔ اسے ہر وقت تمہارے پاس رہنا چاہیئے۔

عابدہ:۔ وہ تو ہے ——— لیکن کیا چیز ہے وہ؟

سعید:۔ یہ ابھی نہ پوچھو وقت آنے پر خود معلوم ہو جائے گا!

عابدہ:۔ اچھا تو بتاؤ، آخر میں یہاں رہ کر کیا کروں؟

سعید:۔ آج الناصر کے دربار میں تم طلب کی جاؤ گی!

عابدہ:۔ نہ بابا، دربارِ سرکار میں تو مجھ سے نہ جایا جائے گا!

سعید:۔ تم تو لفظ پکڑتی ہو، ارے بھئی، امیرالمومنین تمہیں اپنی خلوت گاہ میں طلب کریں گے!

عابدہ:۔ اس عزت افزائی کا سبب؟

سعید:۔ اسی لیے تو بلائی گئی ہو، اس طرح جاؤ کہ سکّہ جم جائے تمہارا امیرالمومنین کے دل پر!

عابدہ:۔ اپنی طرف سے تو کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھوں گی!

سعید:۔ میں چاہتا ہوں تمہارے سامنے زہرہ کا چراغ بجھ جائے!

عابدہ:۔ ناممکن ——— یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟

سعید:۔ کیوں، کیا وہ بڑی خوبصورت اور طرحدار ہے؟ میں نے تو اسے دیکھا نہیں تم سے پوچھ رہا ہوں،

عابدہ:۔ زہرہ کو امیرالمومنین الناصر کی آنکھ سے دیکھنا چاہیئے!

سعید:۔ کیوں؟ کیا اس طرح وہ زیادہ خوبصورت نظر آئے گی۔

عابدہ:۔ (ہاں) وہ اس سے محبت جو کرتے ہیں، بے پناہ محبت، محض اس کی خوشنودی کے لیے اُنہوں نے زمین کی چھاتی پر جنت بنا ڈالی۔ بھلا زہرہ

کا مقابلہ کون کر سکتا ہے!

سعید:۔ مقابلہ کو چھوڑو، یہ بتاؤ کیا واقعی وہ بہت خوب صورت ہے؟

عابدہ:۔ میری رائے اگر پوچھتے ہو تو اس محل میں متعدد کنیزیں ایسی طرحدار اور خوبصورت ہیں کہ زہرہ ان کے پاؤں کی جوتی کے برابر بھی نہیں لیکن الناصر انھیں دیکھتا بھی نہیں، لیکن زہرہ جب اس کے سامنے آجاتی ہے تو وہ دنیا و مافیہا کو بھول جاتا ہے۔ یہ منظر میں خود اپنی آنکھ سے دیکھ چکی ہوں۔

سعید:۔ کیا دیکھا تم نے؟

عابدہ:۔ امیر المومنین محل خاص میں تشریف لائے تو ہلچل مچ گئی، رعب اور دہشت کا یہ عالم تھا کہ درو دیوار دہشت سے لرز رہے تھے، لیکن زہرہ جب سامنے آئی تو وہ خود اس کے رعب حسن سے لرزنے لگے!

سعید:۔ (حیرت سے) اچھا یہ بات ہے؟

عابدہ:۔ اور کیا!

سعید:۔ کچھ بھی ہو تمھیں زہرہ کی جگہ لینی پڑے گی!

عابدہ:۔ آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ میں کیوں لینے لگی زہرہ کی جگہ؟ اول تو مجھ میں وہ بات نہیں جو زہرہ میں ہے، اور اگر ہوتی بھی تو میں اس کی جگہ پر قابض ہونے کی کیوں کوشش کرتی؟ میں الناصر کا دل جیتنا نہیں چاہتی، میں اس کی محبوبہ بن کر یہاں رہنا نہیں چاہتی، عورت ایک ہی مرتبہ کسی کی ہوتی ہے اور میرے دل کا جو مکین بن چکا، وہ اب نہیں ہٹ سکتا!

سعید:۔ میں سچ مچ تھوڑے کہہ رہا ہوں، میں نے تو ایک بات کہی تھی!

عابدہ:۔ ایسی بات مت کہا کرو، مجھے تکلیف ہوتی ہے!

سعید:۔ تکلیف کیوں ہوتی ہے؟

عابدہ:۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ تم مجھے نہیں چاہتے، مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو، اگر یہی بات ہے تو صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے؟

سعید:۔ عابدہ میری طرف دیکھو۔

عابدہ:۔ دیکھ رہی ہوں۔

سعید:۔ دیکھتی رہو۔

عابدہ:۔ (مسکراکر) واہ آخر کیوں دیکھتی رہوں؟

سعید:۔ اب بتاؤ کیا واقعی تم یہی سمجھتی ہو؟ کیا واقعی تم میری محبت کے بارے میں مشکوک ہو جاتی ہو؟ اگر یہ ہے تو صاف صاف کہہ دو، میں ابھی خودکشی کر کے اپنی ناکام زندگی ختم کر لوں گا، تمھاری نظر میں بے وقعت بن کر زندہ رہنا بے غیرتی ہے! ——— میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی زندگی پر، !

عابدہ:۔ اب کیوں خفا ہوئے جا رہے ہو، کہہ تو رہی ہوں جب تک کہو گے یہاں رہوں گی، جب تک یہاں رہوں گی الناصر کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کروں گی۔

سعید:۔ (گردن ہلاکر) نہیں عابدہ اب میں کچھ نہیں چاہتا، چلو واپس چلیں، تمھارا دل دکھا کر ایک لمحہ کے لیے بھی یہاں رہنا منظور نہیں!

عابدہ :۔ میں تمہارے مقاصد کے راستہ کا پتھر نہیں بننا چاہتی ، وعدہ کر چکے ہو،
یہ آخری جگہ ہے جہاں میں لائی گئی ہوں، بس اس وعدے پر قائم رہنا!

سعید :۔ بے شک قائم رہوں گا۔

عابدہ :۔ بس تو تم بھی رہو، اور مجھے بھی رہنے دو!

سعید :۔ لیکن وعدہ کرو، اب ایسے غلط خیالات تمہارے دل میں نہیں آئیں گے۔

عابدہ :۔ (مسکرا کر) وعدہ کرتی ہوں!

سعید :۔ تو پھر اب خلیفہ کی خلوت گاہ میں جانے کی تیاری کرو۔

عابدہ :۔ تیار تو ہوں اب اور کیا تیاری کروں؟ —— لیکن نہ جانے کیوں
وہاں جاتے ہوئے میرا دل دھڑکتا ہے۔

سعید :۔ (مسکرا کر) عورت جو ٹھہریں، خدا کی بندی، تم وہاں تنہا تو نہیں
جا رہی ہو۔

عابدہ :۔ (خوش ہو کر) تم بھی چلو گے؟

سعید :۔ ہاں، میں وہاں موجود ملوں گا!

عابدہ :۔ اب میرا دل مطمئن ہو گیا، اب خوشی سے جاؤں گی!

سعید :۔ اور ایک بات کا خیال رکھنا الناصر، بڑا عالم اور فاضل آدمی ہے۔ اس
کے سامنے ایسی باتیں کرنا، ایسے اشعار سنانا، ایسے تاریخی واقعات بیان
کرنا کہ وہ تمہاری وسعتِ نظر، قابلیت اور ذہانت کا کلمہ پڑھنے لگے
—— یاد رکھو اگر تم نے اسے متاثر کر لیا تو پھر ہماری کامیابی اور کامرانی
ایک اٹل حقیقت بن جائے گی، ہماری مہجوری اور حرماں کا دور ہمیشہ ہمیشہ

کے لیے ختم ہو جائے گا!

عابدہ :- ایسا ہی ہو گا!

سعید :- مجھے تمہاری ذہانت اور فراست سے امید بھی یہی ہے!

عابدہ :- تو وہاں کب جانا ہو گا؟

سعید :- تھوڑی دیر کے بعد طلبی کا فرمان آئے گا، فوراً روانہ ہو جانا!

عابدہ :- اور تم؟

سعید :- میں وہاں موجود ملوں گا، اب یاسر کے پاس جاتا ہوں، اس سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں اور وہاں سے سیدھا الناصر کی خلوت گاہ میں پہنچ جاؤں گا!

---

(۲۸)

منجم!

عابدہ سے رخصت ہو کر سعید یاسر کے پاس پہنچا، وہ اسے آتا دیکھ کر کھڑا ہو گیا، اور بڑے تپاک و گرم جوشی کے ساتھ کہا خوب آ گئے بھئی، میں بڑی دیر سے انتظار کر رہا تھا، سعید نے پوچھا انتظار کیوں کر رہے تھے؟ اس نے جواب دیا بھوک بڑے زور سے لگی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ اکیلا کھانا کھا لوں، پھر اس نے ایک غلام سے کہا جاؤ دسترخوان بچھاؤ، یاسر سعید کو لے کر کھانے کے کمرہ میں گیا، دسترخوان پر انواع و اقسام کا کھانا چنا ہوا تھا، سعید نے دل میں کہا، یہ غلام بھی بادشاہوں کی طرح رہتا ہے، جب اس کے یہ ٹھاٹھ ہیں تو خود امیر المومنین اور زہرہ کے ٹھاٹھ کی تو کوئی انتہا نہ ہو گی، یاسر صرف کھانے میں مشغول رہا اور سعید کھانا بھی کھاتا رہا اور اپنے پروگرام کے بارے میں بھی سوچتا رہا اور کھانے کے دوران میں یاسر نے سعید سے پوچھا تم سے اور خلیفہ سے کیا باتیں ہوئیں؟ اس نے کہا کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی، اشتیاقِ دید تھا وہ تمہاری مہربانی سے پورا ہو گیا، یاسر نے کہا امیر المومنین آج رات کو کھانے کے بعد اُسے طلب فرمائیں گے اور اس کا گانا سُنیں گے، سعید نے کہا، ہاں مجھے معلوم ہے، وہ فرما رہے تھے، یاسر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، میں عابدہ کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا، صرف سنی سنائی باتیں ہیں۔ اس کے حسن و جمال ناز و ادا، نغمہ سرائی اور حاضر جوابی کسی چیز کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن یار اگر یہ

چھوکری زہرہ سے بازی لے جائے تو مزا آجائے گا خدا کی قسم نہ جانے کیا سمجھتی ہے اپنے آپ کو!

سعید :۔ بہت خفا معلوم ہوتے ہو اس سے کیا بگاڑا ہے اس نے تمہارا ؟

یاسر :۔ میرا کیا سب ہی کا اس سے ناطقہ تنگ ہے ۔

سعید :۔ لیکن خدا کے بندے کچھ کہو گے بھی ؟

یاسر :۔ بدمزاج ، بدخو ، بدزبان ، کون سی خوبی ہے جو اس میں نہیں ، سمجھ میں نہیں آتا مولانا الامیر کیوں اس بری طرح اس پر ریجھے ہوئے ہیں ؟ جب تک اس کا زور نہیں ٹوٹے گا ، کچھ نہیں ہوگا !

سعید :۔ اور تم چاہتے ہو کہ عابدہ اس زور کو توڑ دے ؟

یاسر :۔ ہاں یہ میری دلی تمنا ہے ، کاش ایسا ہو سکے !

سعید :۔ لیکن ایک مرتبہ امیر المومنین اس سے خفا بھی تو ہو چکے ہیں !

یاسر :۔ (حیران ہو کر) کیا کہا ؟

سعید :۔ ایک مرتبہ امیر المومنین اس سے خفا ہو چکے ہیں ، ایک دن ایک رات اس سے بات نہیں کی ، اس سے ملاقات نہیں کی ، اس کی صورت نہیں دیکھی کیا یہ واقعہ نہیں ہے ؟

یاسر :۔ (مبہوت ہو کر) تم یہ باتیں جانتے ہو ؟

سعید :۔ کیوں نہیں جانتا ، اگر غلط ہیں تو تردید کر دو !

یاسر :۔ واقعہ کی تردید کس طرح کر دوں ، لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی ، ہاں جو کچھ تم کہہ رہے ہو سچ ہے ، ایک ایک حرف سچ ہے لیکن

اس واقعہ کا علم اس دنیا میں صرف تین آدمیوں کو ہے زہرہ کو، امیر المومنین کو اور مجھے۔ اس واقعہ کو امیر المومنین نے خود دبا دیا تھا اور تاکید کر دی تھی کہ اس کا افشا کسی طرح نہ ہونے پائے، زہرہ سے تمہاری ملاقات نہیں، امیر المومنین تم سے اس طرح کی بات نہیں کر سکتے، میں نے کہا نہیں پھر یہ واقعہ تمہیں کیسے معلوم ہو گیا بتاؤ!

سعید:۔ معلوم ہو گیا، یہ کیوں بتاؤں کیسے معلوم ہوا؟

یاسر:۔ میں سمجھ گیا۔

سعید:۔ کیا سمجھے؟

یاسر:۔ تم نے اپنے نجوم کے زور سے یہ معلوم کیا ہے۔ واقعی اپنے فن میں کامل ہو، ہمیشہ سے تمہارا لوہا مانتا ہوں، لیکن بخدا آج تو ایمان لے آیا۔

سعید:۔ (مسکرا کر) ایسی واہیات باتیں نہ کیا کرو، ایمان لانے کا کیا سوال ہے؟

یاسر:۔ یہ عقیدہ کا معاملہ ہے اور اسے کوئی طاقت نہیں بدل سکتی، اب تک میں تمہارا دوست تھا آج سے عقیدت مند ہوں! اب تک میں تم سے برابر سے ملتا تھا، لیکن اب یہ گردن کبھی بھی تمہارے سامنے نہیں اٹھ سکتی!

سعید:۔ خدا کے لیے دوسری باتیں کرو، ان باتوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔

یاسر:۔ اگر تم یہ باتیں نہیں سننا چاہتے تو میں خاموش ہوا جاتا ہوں!

سعید:۔ اچھا تو میں جاتا ہوں اپنی قیام گاہ پر۔ تھوڑی دیر آرام کروں گا! جب عابدہ کی طلبی ہو مجھے بھی بلا لینا!

یاسر:۔ ضرور!

سعید :۔ دیکھنا چاہیے، امیرالمومنین عابدہ کو دیکھ کر اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہیں!

یاسر :۔ دیکھنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لیے کہ وہ نامحرم عورت کو سامنے نہیں آنے دیتے۔ عابدہ سے جتنی باتیں بھی ہوں گی، پسِ پردہ۔ وہ بڑے شرمیلے اور پابندِ شرع آدمی ہیں!

(۲۹)

جاسوس کا جاسوس

یاسر سے رخصت ہو کر سعید اپنی قیام گاہ کی طرف بڑھا لیکن راستہ میں جوہر مل گیا۔ جوہر کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا، اس سے کہا، خوب ہوا تم آ گئے۔ تھوڑی دیر میں میری طلبی ہو گی، اور میں امیر المؤمنین کی خلوت گاہ میں جاؤں گا، چاہتا تھا، جانے سے پہلے تم سے میری ملاقات ہو جائے اور کچھ ضروری باتیں تم سے کر لوں، لیکن بتاؤ تم یہاں آئے کس طرح؟ کسی نے تمھیں دیکھا تو نہیں؟ جوہر نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا، آخر آپ کا تربیت یافتہ ہوں۔ لوگوں کے دل میں گھر کر لینا اور ان سے اپنا کام نکال لینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، دیکھ لیجئے، خواجہ سراؤں اور دربانوں کو یار بنا کر آپ کے پاس حاضر ہو گیا۔ لیکن زیادہ دیر تک یہاں رہنا خطرہ سے خالی نہیں ہے ارشاد فرمائیے، کیوں یاد فرمایا ہے؟ سعید اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر دیر تک سرگوشی کرتا رہا، پھر کہا، سمجھ گئے میرا مطلب؟ اس نے جواب دیا جی ہاں آپ کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا، انشاءاللہ وہی ہو گا جو آپ چاہتے ہیں، پھر جوہر تو رخصت ہو گیا، اور سعید اگر اپنے کمرے میں بستر پر لیٹ گیا، وہ بہت تھکا ہوا تھا، اور تازہ دم ہو کر امیر المؤمنین کی خلوت گاہ میں جانا چاہتا تھا!

عشا کے بعد ایک خواجہ سرا حاضر ہوا اور اس نے طلبی کا فرمان پہنچایا،

سعید تو گھڑیاں گن رہا تھا، فوراً اٹھا اور اس کے ساتھ ہولیا، کچھ راستہ طے کرنے کے بعد یہ دونوں ایک پُرفضا اور نزہت افزا باغیچہ میں پہنچے۔ جو طرح طرح کے ساز و سامان سے آراستہ تھا، درختوں پر نہایت خوش نما جھاڑ اور فانوس آویزاں تھے۔ احاطہ کی دیواروں پر بڑی بڑی موم بتیاں قریب قریب جل رہی تھیں، اور ان پر شیشہ کے خوش نما خول چڑھے تھے، ایک چراغاں کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی، یہ شیشہ کے خول مختلف رنگوں کے تھے کوئی سرخ تھا کوئی سبز کوئی نارنجی، کوئی دھانی، کوئی بنفشی کوئی آسمانی شیشہ کے رنگوں نے روشنی کو رنگین کر دیا تھا۔ اور بڑا دلچسپ سماں پیدا ہوگیا تھا۔ جب قصر شاہی کے قریب یہ دونوں پہنچے تو دربانوں کا ایک جم غفیر نظر آیا، یہ رنگ برنگی وردیاں پہنے تھے اور ہتھیاروں سے لیس تھے اور مختلف فرائض انجام دینے کے سلسلہ میں ادھر ادھر دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے تھے، پھاٹک پر یاسر منتظر کھڑا تھا، اس نے بڑھ کر سعید کو سلام کیا، مصافحہ اور معانقہ سے فراغت پاکر اُسے ہمراہ لیا اور محل میں داخل ہوگیا، یہ محل بھی عجائب و غرائب کا ایک نادر مجموعہ تھا، قصرِ زہرا کے جس گوشہ میں وہ پہنچ جاتا تھا دم بخود ہوکر رہ جاتا تھا، ہر چیز جس پر اس کی نظر پڑتی تھی، معلوم ہوتا تھا اب اس سے بہتر کوئی چیز نظر نہ آئے گی، لیکن جب آگے بڑھ کر کسی دوسری چیز کو دیکھتا تھا تو پہلی دیکھی ہوئی چیز، ہیچ اور حقیر نظر آنے لگتی تھی۔ یہاں داخل ہونے کے بعد جو منظر نظر آیا وہ سب سے زیادہ عجیب تھا، کافوری شمعیں قدم قدم پر روشن تھیں، مشک اور عنبر کی خوشبو سے مشامِ جان

معطر ہو رہا تھا، قصر کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ پر دامانِ باغبان اور کف گلفروش کا دھوکا ہوتا تھا، وہ حیرت دہشت اور سراسیمگی کے ساتھ ان چیزوں کو دیکھتا ہوا یاسر کے ساتھ قدم آگے بڑھائے چلا جا رہا تھا۔ آخر ضبط نہ کر سکا اور یوں گویا ہوا

سعید:۔ کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کہاں ہوں؟

یاسر:۔ قصر شاہی میں ہو اور کہاں ہو، یہ بہکی بہکی باتیں کیوں کرنے لگے؟

سعید:۔ ہر قدم پر ایک نئی دنیا رعنائی اور زیبائی کی نظر آتی ہے۔

حیران ہوں دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں؟

یاسر:۔ جو کچھ بھی دیکھ سکتے ہو دیکھ لو یہ منظر پھر کہیں نظر نہ آئے گا!

سعید:۔ دیکھتے دیکھتے تھکا جا رہا ہوں، لیکن طبیعت نہیں سیر ہوتی۔

یاسر:۔ ابھی تم نے دیکھا کیا ہے؟

سعید:۔ اور ابھی کچھ دیکھنا باقی ہے؟

یاسر:۔ بہت کچھ! ـــــ ذرا ان مجسموں کو دیکھو!

سعید:۔ ہاں دیکھ رہا ہوں!

یاسر:۔ سچ کہنا کیسے ہیں؟

سعید:۔ بہت اچھے بڑے نظر فریب، بے حد خوبصورت اور خوشنما، لیکن خیر چھوڑو۔

یاسر:۔ میں بھی تم سے بحث کرنا نہیں چاہتا، تم وہی باتیں دہرانے لگو گے جو بار ہا سن چکا ہوں، بھئی یہ سب بیکار باتیں ہیں، زہد اور تقوےٰ کے خلاف ہیں دین اور مذہب کی روح ان سے پامال ہوتی ہے، سچائی

اور صداقت جن لوگوں کی منزلِ مقصود ہوتی ہے، وہ ان تنعمات اور تعیشات پر نہ روپیہ صرف کرتے ہیں نہ وقت، دیکھو ذرا اس حوض کو دیکھو!

سعید:۔ دیکھ رہا ہوں میرے بھائی!

یاسر:۔ یہ شاہِ قسطنطنیہ کا تحفہ ہے، جو اس نے بڑی عقیدت سے امیرالمومنین کی خدمت میں بھیجا ہے!

سعید:۔ بس یہی ٹیم ٹام تو رہ گئی ہے۔ ورنہ وہ اصل روح مذہب کی اب کہاں جس نے مسلمانوں کو دنیا کی سب سے بڑی قوم بنا دیا تھا۔

یاسر:۔ ذرا یہ تو سوچو ایسی نازک اور نادرالوجود چیز یہاں تک آئی کیسے ہوگی؟ لوہے لگ گئے اسے وہاں سے یہاں تک لانے میں!

سعید:۔ لیکن مسلمانوں کے روحانی تاجدار اور دنیاوی شہریار کو کب زیب دیتا ہے کہ وہ ان چیزوں سے دل بہلائے؟

یاسر:۔ امیرالمومنین کو خود بھی یہ باتیں پسند نہیں ہیں، لیکن تحفوں کو واپس کر دینا بداخلاقی ہے وہ بھی جب کہ تحفہ کسی غیر مسلم بادشاہ کی طرف سے آیا ہو۔

سعید:۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو، لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان باتوں سے میرا جی کڑھتا ہے، کاش یہ رقم مسلمانوں کے کسی نیک کام میں صرف ہوئی ہوتی!

یاسر:۔ پھر وہی بے تکی باتیں ارے خدا کے بندے یہ تحائف ہیں تحائف اور تحفے واپس نہیں کیے جاتے۔

سعید :۔ یہ مجسمے بھی تحفے ہیں ؟ یہ پورا محل بھی، روم یا قسطنطنیہ سے بطور تحفہ کے آیا ہے، یہ لونڈیوں اور غلاموں کی فوج بھی کسی بادشاہ نے تحفہ میں بھیجی ہے۔ یہ خزانہ جو درہم و دینار سے لبریز ہے کیا کسی نے تحفہ کے طور پر عطا کیا ہے کہ بے دھڑک صرف کیا جا رہا ہے —— میرے دوست بات وہ کہو جو معقول ہو، جو سمجھ میں آجائے۔ نمک خواری کے معنیٰ یہ نہیں ہے کہ سچ کو چھپانے لگو اور جھوٹ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالو!

یاسر :۔ اچھا بھائی میں کچھ نہیں کہتا خاموش ہوا جاتا ہوں، معاف کر دو مجھے، میری خطائیں بخش دو۔ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچ ہے یہ سارے کام ناجائز ہوئے، غلط ہوئے لیکن اب تھوڑی دیر کے بعد تم امیر المؤمنین کے سامنے ہو گے، اگر ہمت ہے تو یہ باتیں ان سے کر لینا، وہ جواب دے دیں گے اور اگر تمھاری ہمت نہ پڑتی ہو تو پھر مجھے اجازت دو کہ میں ان سے عرض کر دوں۔ ہمارے سعید صاحب یہ فرما رہے تھے آپ کے بارے میں —— کہیے حضور ہے اجازت خاکسار کو ؟

سعید نے کوئی جواب نہ دیا، مسکرانے لگا، گویا یہ ساری باتیں محض مذاق تھیں!

(۳۰)

قرطبہ اور بغداد

ایوانِ خلافت کے دروازے پر بہت سے خواجہ سرا ریشمی اور زرکار وردیوں میں ملبوس چوکس کھڑے تھے، دروازے پر داخل ہوتے ہی ایک پردے پر نظر پڑی۔ یہ بڑا خوشنما اور زرکار پردہ تھا، اس پر عربی خط میں اچھے اچھے اشعار کڑھے ہوئے تھے۔ یاسر نے پردہ اٹھایا اور سعید کو لے کر اندر داخل ہو گیا، صدر مقام پر امیر المؤمنین عبدالرحمٰن الناصر رونق افروز تھے، اردگرد غلاموں اور کنیزوں کے طائفے اپنی اپنی جگہ پر مؤدب کھڑے تھے۔ یاسر نے بآواز بلند کہا،

"سعید حاضر ہے"

خلیفہ نے ایک تبسم کے ساتھ ارشاد فرمایا۔

"آنے دو!"

سعید آگے بڑھ کر آداب بجالایا اور خلیفہ کے اشارہ سے اپنی جگہ پر گردن جھکا کر مؤدب بیٹھ گیا، سامنے ایک پردہ پڑا ہوا تھا، جس کے اندر سے چوڑیوں کی جھنکار آ رہی تھی۔ جس سے سعید نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عابدہ اس سے پہلے یہاں پہنچ چکی ہے، یاسر سعید کو پہنچا کر باہر چلا گیا، خلیفہ نے التفات کی نظروں سے سعید کو دیکھا اور کہا،

الناصر:۔ عابدہ پردہ کے پیچھے بیٹھی ہے، لیکن اب تک ہم اس کے کمال سے لطف اندوز نہ ہو سکے!

سعید:۔ حضور کے ایک اشارہ کی دیر ہے، وہ یہاں حاضر اسی لیے ہوئی ہے اگر اشعار سے دلچسپی ہو تو وہ طرب انگیز اور وجد آور اشعار سنا سکتی ہے، حکائتوں اور داستانوں کا شوق ہو تو وہ عجیب وغریب حکائتیں اور دلچسپ داستانیں سنا سکتی ہے، تاریخی واقعات و قصص اگر مرغوب ہوں تو وہ اس میں بھی بند نہیں ہے۔

الناصر:۔ ہم کوئی قصہ سننا چاہتے ہیں!

سعید:۔ بے شک بڑے شوق سے عابدہ آپ کو قصہ سنائے گی، لیکن یہ ارشاد ہو کس طرح کا قصہ؟

الناصر:۔ ایسا جو ہم نے کبھی نہ سنا ہو، دلچسپ بھی ہو اور نتیجہ خیز بھی!

سعید:۔ بہت خوب، وہ آپ کو ایسا ہی سنائے گی،

الناصر:۔ عابدہ شاید بغداد کی رہنے والی ہے!

سعید: بجا ارشاد ہوا۔

الناصر:۔ تو ہم بغداد کی کوئی کہانی سننا چاہتے ہیں، اگرچہ بغداد والے ہم سے بیگانگی برتتے ہیں، لیکن ہمیں ان سے تعلقِ خاطر ہے، ہم بڑے شوق سے وہاں کی کوئی کہانی سنیں گے۔

سعید نے عابدہ سے کہا۔

"تم پردہ سے باہر آجاؤ، امیر المومنین سے پردہ کے کوئی معنی نہیں!

وہ شرماتی ہوئی باہر آگئی، سعید نے اس سے کہا۔

"امیر المؤمنین بغداد کی کوئی حکایت سننا چاہتے ہیں!"

پھر اس نے خلیفہ سے مخاطب ہو کر عرض کیا،

"عالی جاہ ......!

واقعی بغداد کی حکومت آپ سے جلتی ہے، اس کا دبدبہ ختم ہو گیا، اس کا عروج جاتا رہا، اس کی شان و شوکت افسانۂ پارینہ بن گئی، اب بغداد عربوں کا نہیں ترکوں کا ہے اور وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ خلیفہ ایک کٹھ پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر رقص کرتا ہے، اس میں مجال نہیں کہ سرتابی کا تصور بھی کر سکے، اس کے برعکس اندلس کی حکومت دنیا کی سب سے بڑی حکومت ہے، اندلس کا فرماں روا (عبدالرحمٰن الناصر) دنیا کا سب سے زیادہ باجبروت، باوقار اور صاحبِ سطوت و عظمت شہنشاہ ہے۔ بغداد ڈوبتا سورج ہے اور قرطبہ چڑھتا سورج، ان دونوں کا مقابلہ کیا؟ وہ لوگ اگر حسد نہ کریں تو اور کر بھی کیا سکتے ہیں!"

الناصر نے سعید کی باتیں سُن کر کہا،

تم سچ کہتے ہو، لیکن بغداد کی عظمت ایک افسانۂ پارینہ نہیں، ایک روشن اور تابندہ حقیقت ہے، جس مسند پر ہارون الرشید جیسے باجبروت خلفا متمکن ہوئے ہوں وہ کبھی بے وقعت نہیں ہو سکتی آج ہمارا کتب خانہ نادر ترین کتابوں سے بھرا ہوا ہے آج وہ کون سا علم ہے، جس پر عربی زبان میں مکمل اور مستند کتابیں موجود نہ ہوں، تصنیف و تالیف بھی شرح و تعلیق بھی اور ترجمے

بھی، لیکن یہ کارنامہ کس کا ہے ؟ کیا خلفائے عباسیہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جاسکتا ہے، وہاں کے لوگ ہمارے بارے میں خواہ کیسی ہی رائے رکھتے ہوں، ہم ان سے محبت کرتے ہیں، ان کی عزت کرتے ہیں، ان سے دلچسپی لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اُن کی باتوں، کہانیوں، حکائتوں اور داستانوں میں ہمیں لطف آتا ہے کہ ہم پہروں اور گھنٹوں یہی سنتے رہیں تو طبیعت نہیں اکتا سکتی!

عابدہ خاموشی سے یہ باتیں سُن رہی تھی، اب وہ بھی گفتگو میں حصّہ لینے لگی، اس نے کہا،

امیر المومنین نے بجا فرمایا، "تاریخ ایک حقیقت ہے، ایک سبق ہے، ایک کہانی ہے۔ اسلاف کے واقعات وحالات سے وہ نصیحت ملتی ہے، جو ایک سبق سے مل سکتی ہے، وہ سچائی معلوم ہوتی ہے، جو صرف تاریخ کا حصّہ ہے اور اس میں وہ سحر طرازی اور دلچسپی ہوتی ہے جو ایک کہانی کی خصوصیّت ہے سچ تو یہ ہے کہ امیر المومنین نے آج کی مجلس کے لیے اسلاف کے تذکرہ کو موضوع بنا کر ایک بڑی شاندار مثال پیش کی ہے اور کنیز اس امر پر فخر محسوس کر رہی ہے کہ وہ ایسے بیدار مغز اور اولوالعزم شہنشاہ کے سامنے بیٹھی ہے، اور اس کی خلوت گاہ میں اس سے ہم کلامی کا اعزاز حاصل کر رہی ہے!

الناصر عابدہ کی یہ باتیں سن کر خوش ہو گیا، اُس نے کہا۔

"تم نے ہمارا مقصد پا لیا!"

(۳۱)

بغداد کا راگ

الناصر اور عابدہ سے بغداد کے سیاسی حالات پر بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، دوران گفتگو میں اس نے ہارون کی جانشینی کے سلسلہ میں مامون اور امین کے درمیان جو جنگ ہوئی تھی، اس کی تفصیل بھی سنائی، جب بڑی دیر تک اس طرح کی باتیں ہوتی رہیں تو سعید نے محسوس کیا پردہ کے پیچھے کوئی اور بھی بیٹھا ہے اس لیے کہ چوڑیوں کے کھنکنے کی آواز آرہی تھی، وہ سمجھ گیا یہ زہرہ کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا، اس کے جی میں لہر اٹھی کہ زہرا کی آواز سنے، لیکن یہ ناممکن تھا۔ زہرا اگرچہ ایک لونڈی تھی لیکن الناصر اسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا تھا، اسی کے خوش کرنے کے لیے کروڑوں روپیہ صرف کر کے اس نے قصر زہرا تعمیر کیا تھا، جس کی نظیر ساری دنیا میں نہیں مل سکتی تھی، لیکن وہ جو فیصلہ کر لیتا تھا اس سے پیچھے نہیں ہٹتا تھا، اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ زہرا کی آواز سنے گا، اور یہ بات جب ناممکن نظر آئی تو اس کی ضدی طبیعت نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اس نے فیصلہ کر لیا وہ زہرا کا گانا سنے گا۔ یہ فیصلہ پہلے فیصلہ سے بھی زیادہ ناممکن العمل تھا، لیکن سعید کا فیصلہ تھا، اس لیے بہرحال اسے رو بہ عمل آنا پڑا، سعید نے خلیفہ سے بصد ادب عرض کیا۔

امیرالمؤمنین اگر جان کی اماں پاؤں تو ایک بات عرض کروں؟

الناصر نے التفات اور شفقت کے ساتھ کہا ۔

" تم بے دھڑک ہر بات کہہ سکتے ہو ـــــ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ ہم سنیں گے اور وعدہ کرتے ہیں کہ مان بھی لیں گے !

سعید نے عرض کیا ،

فلسفہ اور سیاست کی باتیں کچھ مردوں ہی کو زیب دیتی ہیں، عورت کا شمار جنس لطیف میں ہوتا ہے، وہ رعنائی اور نزاکت کا پیکر ہے، وہ حسن ہے جمال ہے، خوبصورتی ہے ۔ وہ فلسفہ اور سیاست پر بحث کرنے کے لیے نہیں پیدا ہوئی ہے ۔ اس کی تخلیق نغمہ کے لیے ہوئی ہے ۔ وہ گانے کے لیے پیدا کی گئی ہے، عابدہ کو حکم ہو کہ وہ گائے اور اپنی جاں فزا ترانہ سنجیوں سے عالی جاہ کے دل میں ـــــ "

امیرالمؤمنین الناصر نے سعید کا مطلب سمجھ لیا، وہ مسکرائے اور انھوں نے فرمایا،

" تم ٹھیک کہتے ہو، اب گفتگو کا یہ سلسلہ بند ہوتا ہے ۔ عابدہ کوئی گیت سناؤ، تمھارے گانے کی ہم نے بہت تعریف سنی ہے !"

سعید نے عابدہ سے پہلے جواب دیا ۔

" عالی جاہ ـــــ عابدہ کو بغداد کے راگ آتے ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ اس میں وہ اپنا نظیر و مثیل نہیں رکھتی ۔

الناصر نے اشتیاق آمیز لہجے میں جواب دیا ۔

"ہاں ہم وہی سننا چاہتے ہیں ہمیں وہاں کے گویّوں کے ایجاد کئے ہوئے راگ
بہت پسند ہیں"!

سعید :۔ لیکن غلام کی ایک استدعا اور تھی!

الناصر :۔ تو کہتے کیوں نہیں؟

سعید :۔ عابدہ کے کمال فن کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا، جب تک اس کا
کوئی حریف بھی میدان میں نہ ہو۔

الناصر :۔ کیا مطلب؟ ـــــ ہم تمہارا مقصد نہیں سمجھے؟

سعید :۔ امیر المؤمنین غلام یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ بغداد کے گویوں نے جو راگ ایجاد
کئے ہیں ان کا صحیح لطف نہیں آسکتا جب تک ہم اندلس کے نغمے بھی نہ سن لیں!
جب ہی صحیح اندازہ ہو سکتا ہے اجب ہی صحیح موازنہ ہو سکتا ہے۔

سعید کو یہ بات معلوم تھی کہ زُہرا اندلس کے نغموں کی ماہر ہے، اس کا تیر ٹھیک
نشانہ پر بیٹھا، اس تجویز سے خلیفہ بہت محظوظ ہوا، اس نے کہا۔

"ہمیں تمہاری رائے سے اتفاق ہے"!

پھر اس نے دستک دی فوراً ایک خواجہ سرا نمودار ہوا اور گردن جھکا کر اپنے
آقا کے سامنے دست بستہ اور مؤدب کھڑا ہو گیا، الناصر نے اس کے کان میں کچھ کہا، وہ
فوراً رخصت ہو کر پردہ کے اندر چلا گیا، سعید نے سمجھ لیا خلیفہ نے زہرا کو پیام بھجوایا
ہے کہ وہ گائے اور اندلسی طرز کا گانا سنائے، فوراً ہی سازوں اور باجوں کا پردہ کے
پیچھے ڈھیر لگ گیا اور ذرا دیر میں وہاں سے ایک گیت شروع ہو گیا ـــ یہ زہرا گا رہی
تھی۔ واقعی زہرا گانے کے فن میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی، اس کا گلا ایسا رسیلا اور اس کی

تاہم ایسی دلکش تھیں کہ سعید کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور عابدہ کو پسینہ آ گیا خلیفہ پر وجد اور محویت کا ایسا عالم طاری تھا کہ معلوم ہوتا تھا وہ مدہوش اور بیہوش ہوا جا رہا ہے، اس خلوت گاہ میں جو خواجہ سرا موجود تھے، جو لونڈیاں حاضر تھیں، ان پر بھی محویت کا عجیب و غریب عالم طاری تھا!

زہرا خاموش ہو گئی۔

لیکن اس کی خاموشی کے بعد بھی بڑی دیر تک ایک سناٹا سا چھایا رہا، کسی میں تاب گفتگو نہ تھی۔ کسی میں یارائے تکلم نہ تھا، سب خاموش تھے، سب دم بخود تھے، سب پر ایک عجیب کیفیتِ استغراق اور مدہوشی سی طاری تھی۔

آخر جب بڑی دیر گزر گئی تو خلیفہ نے عابدہ سے کہا،

"اب تمہاری باری ہے!"

عابدہ کافی حسین تھی، اس نے سوچا اگر میں فوراً گانا شروع کر دیتی ہوں تو زہرا نے جو طلسم ہی موسیقی سے قائم کر دیا ہے، اُسے نہ توڑ سکوں گی، میری توہین ہوگی، میں اپنا لوہا نہ منوا سکوں گی، اس نے ایک پوٹلی سی نکالی، اس میں سے چند لکڑی کی کھپاچیں نکالیں اور انھیں ترتیب دے کر ایک چھوٹا سا باجہ بنا لیا، الناصر بڑے تعجب سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس عجیب و غریب باجہ کو دیکھ کر عابدہ سے پوچھا،

"یہ کیا ہے؟"

سعید نے جواب دیا،

"یہ وہ باجہ ہے جسے سیف الدولہ کے حکیم ابونصر فارابی نے ایجاد کیا تھا، میں نے

اس کے ایک شاگرد سے سیکھا اور پھر عابدہ کو سکھا دیا!"

بڑی حیرت کے ساتھ خلیفہ نے دریافت کیا،

"کیا یہ وہ باجہ ہے، جو قانون کہلاتا ہے؟

سعید نے عرض کیا،

"جی یہ وہی ہے اور اس باجہ سے جو راگ نکلیں گے وہ بھی اس کے ایجاد کئے ہوئے ہیں!"

الناصر:- تو عابدہ موسیقی میں تمہاری شاگرد ہے؟

سعید:- عالیجاہ کا خیال بالکل درست اور صحیح ہے!

الناصر:- واقعی تم ہر فن مولا معلوم ہوتے ہو، یاسر نے تمہاری جو تعریف کی تھی وہ غلط نہیں ہے۔

سعید:- غلام کو ان شفقت آمیز الفاظ پر فخر ہے۔

الناصر:- اچھا تو اب یہ باجہ اپنا قفلِ خاموشی توڑتا کیوں نہیں؟

عابدہ مسکرائی اور اس نے بڑی تیزی کے ساتھ باجہ کو اپنی نازک انگلیوں کی گرفت میں لے لیا اور پھر واقعی اس کے اندر سے ایسے ایسے راگ نکلنے لگے جس نے محفل پر وجد اور سرخوشی کی عجیب کیفیت طاری کردی، خلیفہ کا یہ عالم تھا کہ بار بار نشست بدل رہا تھا، کسی پہلو سے قرار نہیں تھا، جب عابدہ باجہ بجا چکی اور اس نے دیکھ لیا کہ زہرا کا جادو اثر چکا ہے، تو اس نے گانا شروع کیا اور ایسا جی توڑ کے گائی کہ واقعی اُس نے ایک سماں پیدا کردیا، باجہ سے خلیفہ اتنا متاثر نہیں ہوا تھا، جتنا اس کی نغمہ سرائی سے متاثر نظر آتا تھا، جب وہ ایک گیت ختم کر چکتی وہ دوسرے کی فرمائش

کردیتا۔ اس سے فارغ ہوتی تو تیسرے کا مطالبہ شروع ہوجاتا، عابدہ تھک کر چُور ہوگئی تھی، لیکن خود اس کا بھی جی چاہ رہا تھا کہ گاتی رہے، سعید کی ترکیب کامیاب ہوئی تھی، اس نے عابدہ اور زہرا دونوں کے دل میں مقابلہ اور مسابقت کا وہ جذبہ پیدا کردیا تھا جسے حسد کہتے ہیں، زہرا اپنا کمال دکھا چکی تھی، لیکن عابدہ اپنا کمال دکھانے پر تلی ہوئی تھی، اس نے فیصلہ کرلیا تھا چاہے ساری رات بیت جائے، لیکن وہ الناصر کی فرمائش رد نہیں کرے گی، جب وہ اشارہ کرے گا، وہ گائے گی، نئے نئے گیت سنائے گی، نئے نئے راگ پیش کرے گی، یہاں تک کہ رات کا بہت بڑا حصہ ختم ہوگیا۔ سعید غور سے پردہ پر نظر جمائے ہوئے تھا، وہاں کوئی حرکت نہیں تھی، کوئی جنبش نہیں تھی، کسی قسم کی آواز نہیں آرہی تھی، ایک خاموشی سی طاری تھی اور اس سکوت سے وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ اس کا وار خالی نہیں گیا، زہرا خاموش ہے وہ عابدہ کی کامیابی پر دل ہی دل میں تلملا رہی ہے لیکن بے بس ہے کچھ کر نہیں سکتی، مجلس برخاست کرنا اس کے اختیار میں نہ تھا، خلیفہ کو اس محویت کے عالم سے نکالنا بھی اس کے اختیار میں نہ تھا، آخر جب بہت دیر ہوگئی اور سعید نے اچھی طرح محسوس کرلیا کہ عابدہ بہت زیادہ تھک گئی ہے تو اس نے اشارہ سے اسے منع کیا کہ اب نہ گائے وہ سعید کے اشاروں پر چلتی تھی، اس کا اشارہ پاکر یک بیک خاموش ہوگئی!

الناصر نے پوچھا،

"کیوں تم خاموش کیوں ہوگئیں؟"

عابدہ نے کوئی جواب نہ دیا سعید کی طرف دیکھنے لگی، الناصر نے سعید سے پوچھا، "کیا تم نے منع کیا ہے؟"

وہ بولا،

امیرالمومنین یہ غلطی غلام سے سرزد ہوتی ہے!

الناصر:۔ لیکن کیوں؟ کیا تم دیکھ نہیں رہے تھے ہم کس طرح اس سحر موسیقی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں؟ کیا تم ہماری خوشی سے خوش نہیں ہوتے؟

سعید:۔ میرے آقا بات یہ ہے کہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے!

الناصر:۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے؟

سعید:۔ اب آرام فرمانے کا وقت ہے، آرام فرمائیے!

الناصر:۔ ہمارے آرام کی تم پروا نہ کرو جو لطف ہمیں عابدہ کی نغمہ سرائی سے آرہا ہے، وہ شبستانِ عیش میں نہیں آسکتا، ہاں اگر خود عابدہ تھک گئی ہو تو دوسری بات ہے پھر ہم اصرار نہیں کریں گے!

سعید:۔ بجا ارشاد ہوا، عابدہ بھی اب کافی مضمحل ہو چکی ہے، وہ آپ کی لونڈی ہے، آپ ہی کے زیرِ سایہ رہ رہی ہے، وہ ہر وقت حاضر ہو سکتی ہے، جب آقا کا حکم ہو گا وہ حاضر ہو جائے گی، جب اپنے آقا کا اشارہ پائے گی گانے لگے گی!

الناصر:۔ ہاں ٹھیک کہتے ہو تم، ہمیں تمھاری رائے سے اتفاق ہے!

اتنے میں پردہ کے پیچھے کچھ جنبش سی ہوئی اور ایسا معلوم ہوا جیسے بڑی تیزی کے ساتھ کوئی وہاں سے نکل کر باہر چلا گیا، سعید نے آسانی سے سمجھ لیا کہ زہرا عابدہ کی اس پذیرائی کی تاب نہ لا سکی، خلیفہ نے اس کے بارے میں جو تعریفی الفاظ کہے ان سے مکدر اور منغض ہو کر بلکہ خلیفہ سے روٹھ کر وہ چلی گئی ہے! لیکن

خلیفہ عابدہ کی ترنم ریزیوں سے اس درجہ متاثر تھا کہ اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوا زہرہ پردہ کے پیچھے بیٹھی ہے، یا چلی گئی؟

خلیفہ نے عابدہ کے گانے کی پھر تعریف شروع کردی اور کہا،

الناصر:- ہمیں مسرت ہے کہ ایک ایسی قابل اور یگانۂ روزگار خاتون ہماری محلسرا میں ہے ــــ

سعید:- امیرالمومنین خاتون نہیں کنیز ــ عابدہ آپ کی ایک حقیر کنیز ہے!

الناصر:- وہ جو کچھ بھی ہے، ہمیں بہت عزیز ہے، ہم اس کی قدر کرتے ہیں، عزت کرتے ہیں!

سعید:- یہ عزت افزائی ہے امیرالمؤمنین کی!

الناصر:- اچھا اب یہ مجلس برخاست ہونی چاہیے ــــ کل رات کو یہ مجلس جمے گی!

سعید:- زہے قسمت!

الناصر:- تم دونوں ہمارے نہایت معزز مہمان ہو، اگر کسی طرح کی تکلیف ہو تو ہمیں فوراً اطلاع دو۔

سعید:- بھلا جنت میں بھی کسی کو تکلیف ہو سکتی ہے؟

---

(۳۲)

نئی سازش!

دوسری رات!

محفل طرب جمی ہوئی تھی، عابدہ بلبلِ ہزار داستان کی طرح چہک رہی تھی۔ بیچ بیچ میں سعید بھی بول اٹھتا تھا، اور کوئی ایسی بات کہہ اٹھتا تھا، جس سے اُس کی ذہانت، وسعت معلومات اور قابلیّت کا سکہ اور زیادہ جم جاتا تھا، خلیفہ خاموشی سے ان دونوں کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ سعید تھوڑے تھوڑے وقفہ سے وہ بھی بات کے کسی پہلو پر اظہار خیال کرنے لگتا تھا، دفعتہً پردہ کو ایک جنبش سی ہوئی، پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی کھکھار رہا ہے، کھکھار کی آواز سنتے ہی خلیفہ پر ایک اضطراب کی سی کیفیت طاری ہوئی، اس کی انبساطی کیفیت ایک قسم کی دہشت سے بدل گئی، وہ اٹھ کھڑا ہوا، اور اس نے سعید اور عابدہ کو مخاطب کرتے ہوتے کہا۔

کافی رات آگئی ہے، اب آپ لوگ جا سکتے ہیں!

یہ سنتے ہی عابدہ اور سعید نے اٹھ کر رخصتی سلام کیا، خلیفہ نے دستک دی، فوراً یاسر حاضر ہوا، اس سے فرمایا ہمارے ان دونوں عزیز مہمانوں کی راحت و آسائش کا پورا خیال رکھا جائے، انھیں کسی طرح کی زحمت نہ ہو ورنہ تم ذمہ دار گردانے جاؤ گے!

خلیفہ یہ کہہ کر پردہ کے پیچھے چلا گیا، یاسر سعید اور عابدہ کو لے کر باہر آیا، باہر آکر اس نے سعید سے کہا،

آپ تو اپنی قیام گاہ سے واقف ہی ہیں تشریف لے چلیے، میں عابدہ کو لے کر ان کی اقامت گاہ تک جاتا ہوں، اور اگر میری کوئی ضرورت ہو تو انھیں پہنچا کر پھر آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں۔

سعید نے جواب دیا، نہیں، واپس آنے کی ضرورت نہیں، رات قریب الختم ہے، آپ شوق سے آرام کریں، انشاءاللہ صبح ملاقات ہو گی۔

یاسر شب بخیر کہہ کر رخصت ہو گیا، سعید اپنی قیام گاہ میں پہنچا تو دیکھا جوہر موجود ہے، اسے دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔

سعید:۔ خوب ہوا تم آ گئے، میں اس وقت تم سے ملنے کیلیے بیقرار ہو رہا تھا۔

جوہر:۔ مجھے اس کا اندازہ تھا میرے آقا!

سعید:۔ کہو تم نے کیا کیا؟

جوہر:۔ جو مجھے کرنا چاہیے تھا، جس کی آپ نے ہدایت کی تھی!

سعید:۔ یعنی — کچھ تفصیل بھی تو معلوم ہونی چاہیے۔

جوہر:۔ میں زہرا کے پاس ملازم ہو گیا۔

سعید:۔ (بشاش ہو کر) اچھا تم اسکے پاس ملازم ہو گئے، یہ پہنچ گئے، کوئی رکاوٹ نہیں پیش آئی؟

جوہر:۔ جی نہیں، ایک مشاق اور تجربہ کار خواجہ سرا ہر جگہ پہنچ سکتا ہے اور جہاں پہنچے فوراً اپنا اعتبار/اعتماد قائم کر لیتا ہے، جیسا میں نے کیا۔

سعید:۔ تم وہاں پہنچ بھی گئے، اور اعتبار و اعتماد بھی قائم کر لیا؟

جوہر:۔ آپ کی دُعا سے!

سعید:۔ تو بس پھر سارا ماجرا ایک سانس میں سنا ڈالو!

جوہر:۔ میں زہرا کے پاس گیا اور اسے عابدہ کے خلاف خوب بھڑکایا!

سعید:۔ کمال کر دیا!

جوہر:۔ میں نے اس طرح اسے شیشہ میں اتارا کہ جب وہ پس پردہ عابدہ کا گانا سننے کے لیے آئی ہے تو میں اس کے ساتھ تھا!

سعید:۔ (خوش ہو کر) غضب کے آدمی ہو تم بھی، واقعی یہ تو معجزہ ہے!

جوہر:۔ اور جب عابدہ نے گانا گایا تو میرے پیش کردہ پس منظر کی روشنی میں وہ بہت متاثر ہوئی۔ اس کا بس نہیں تھا ورنہ اسی وقت عابدہ کی لاش پھڑکتی ہوئی نظر آتی۔

سعید:۔ (بہت زیادہ خوش ہو کر) اللہ رے انسان آخر کیا ہے تو؟

جوہر:۔ پھر جب خلیفہ گانا سننے میں مدہوش تھا، میں نے اس سے کہا عابدہ کند ذہن ہے، تم ذہین ہو، اگر چاہو تو موسیقی میں اور خاص طور پر بغداد کے راگوں میں کمال حاصل کر سکتی ہو۔

سعید:۔ اچھا تم نے یہ بھی کہہ دیا؟

جوہر:۔ بے شک —— آپ کی ہدایت جو تھی!

سعید:۔ اچھا! اچھا، پھر اس نے کیا کہا؟

جوہر:۔ وہ کہنے لگی، یہ میری توہین ہے، میں ایک معمولی عورت کی ریس میں

گانا نہیں سیکھ سکتی!

سعید:- پھر تم نے کیا کہا؟

جوہر:- میں نے عرض کیا اگر تم ایسا نہیں کر سکتیں تو سمجھ لو کہ پھر لونڈی کی لونڈی رہ جاؤ گی، عابدہ تمھاری جگہ پر قبضہ کر لے گی، مردوں کو آنکھ بدلتے دیر نہیں لگتی، ان کا دل بہت جلد سیر ہو جاتا ہے، عورتوں کا عروج عارضی ہوتا ہے، آج تم ہو کل عابدہ آجائے گی۔ پرسوں کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا۔ لیکن اگر تم خلیفہ کو اپنے حسن اور اپنے ناز و انداز کے علاوہ اپنے فن سے، اپنی نغمہ سنجیوں سے، اپنی ترنم ریزیوں سے بھی قابو میں کر لو تو وہ تا زندگی تمھارا بندۂ بے دام بنا رہے گا!

سعید:- بہت خوب، شاد باش، پھر؟

جوہر:- میں نے کہا، صرف یہی ایک ترکیب ایسی ہے کہ تم اپنی جگہ پر قائم رہ سکتی ہو، ورنہ نہیں۔

سعید:- پھر اس نے کیا کہا؟ وہ کیا بولی؟ یہ بھی تو کہو خدا کے بندے!

جوہر:- بات اس کی سمجھ میں آگئی کہنے لگی، لیکن بغداد کے گوّیے یہاں قرطبہ میں کیوں ملنے لگے۔

سعید:- آخر آگئی راہ پر؟

جوہر:- جی ــــ میں نے کہا، یہ کون سی بڑی بات ہے، عابدہ کا استاد سعید موجود ہے، خلیفہ سے کہہ کر اُسے روک لیجئے، عبداللہ کے پاس واپس نہ جانے دیجئے۔ اسی سے سیکھئے، اور چند ہی روز میں عابدہ آپ کے سامنے

کنویں جھانکنے لگے گی۔

سعید:۔ ہاں پھر؟

جوہر:۔ وہ کہنے لگی، مجھے کیوں سکھانے لگے عابدہ کے اُستاد، اور اگر سکھائیں گے بھی تو اس طرح جی لگا کر کیوں سکھائیں گے، جس طرح عابدہ کو سکھایا ہے!

سعید:۔ واقعی جوہر خوب راہ پر لائے، میں تمھاری تعریف نہیں کر سکتا۔

جوہر:۔ میں نے عرض کیا، آپ کا یہ خیال غلط ہے، فن کار اپنے ذہین شاگردوں سے محبت کرتا ہے، ان پر جان چھڑکتا ہے، انھیں سب کچھ بتا دیتا ہے، میں کہہ چکا ہوں، عابدہ کند ذہن ہے، بلید ہے، اگر وہ ذہین ہوتی تو واقعی اس کا جواب نہ ہوتا ایسے باکمال استاد سے برسوں کی ریاضت کے بعد صرف اتنا حاصل کر سکی ہے، اگر آپ نے سعید کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا اور اس نے آپ کی ذہانت محسوس کر لی تو عابدہ سے کہیں زیادہ آپ کو کامل اور اکمل بنا دے گا۔

سعید:۔ بہت ٹھیک پھر؟

جوہر:۔ کہنے لگی لیکن وہ تو شہزادہ عبداللہ کے ملازم ہیں۔

سعید:۔ تم کہہ دیتے۔ اس سے کیا ہوتا ہے، آپ کا حکم شہزادے صاحب بھی کسی طرح نہیں ٹال سکتے!

جوہر:۔ میں نے یہی کہا تو وہ کہنے لگی، میں خلیفہ سے ذکر کروں گی!

سعید:۔ لیکن اگر خلیفہ نے انکار کر دیا تو کیا ہوگا؟

جوہر:۔ خلیفہ انکار نہیں کر سکتا، وہ اس سے بے تابانہ محبت کرتا ہے، آپ نے

دیکھا نہیں اس کی ذراسی کھکھار پر کس طرح بے تاب ہوکر وہ اٹھا تھا ؟

سعید:۔ تو تمھارا خیال ہے خلیفہ اس تجویز کو مان لے گا ؟

جوہر:۔ خیال نہیں یقین ہے ۔۔ بس اب میں نے اپنا فرض ادا کر دیا، آپ اپنا فرض انجام دینے کے لیے تیار ہو جائیے !

سعید:۔ میں اپنے فرض کو خوب سمجھتا ہوں ۔۔ لیکن اگر جیسا تم کہتے ہو خلیفہ رضا مند ہو گیا، اور مجھے روک لیا، تو عابدہ کا کیا ہو گا؟

جوہر:۔ یعنی وہ کہاں رہیں گی !

سعید:۔ ہاں ۔۔۔ مجھ سے زیادہ اس کا یہاں رہنا ضروری ہے، بغیر اس کے سارا پروگرام تشنۂ تکمیل رہ جائے گا !

جوہر:۔ تو یہ کون سا ایسا مشکل کام ہے۔

سعید:۔ نہیں تم نہیں سمجھتے۔ یہ بڑا ٹیڑھا کام ہے، میرے بارے میں تو خلیفہ عبداللہ سے کہہ سکتا ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے میرے پاس رہے گا لیکن

جوہر:۔ اور عابدہ کے بارے میں بھی فرمان چلا جائے گا!

سعید:۔ لیکن خلیفہ نے عابدہ کے بارے میں عبداللہ سے وعدہ کیا تھا کہ چند روز میں واپس کر دیگا۔

جوہر:۔ لیکن یہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں عابدہ کے بارے میں بھی اسی طرح کا فرمان چلا جائے گا!

سعید:۔ کیا تم زہرا سے اس بارے میں کچھ کہو گے؟

جوہر:۔ ہاں کہوں گا، اگر آپ ناکام ہوتے یعنی خلیفہ نے آپ کی بات نہ مانی اور

عابدہ کو واپس جانے کا حکم دیا تب، ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔

سعید:۔ ٹھیک ہے معقول بات ہے!

جوہر:۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔ مجھے زُہرا نے اپنا خادم خاص بنالیا ہے، میرا باقاعدہ تقرر ہو گیا ہے حرم سرا میں، مجھے اپنی ڈیوٹی پر ہر وقت موجود رہنا چاہیے۔ جب ضرورت سمجھوں گا آپ سے یہیں آ کر مل جایا کروں گا!

(۳۳)

یہ کیوں آیا؟

جوہر کے جانے کے بعد سعید گھوڑے بیچ کر سویا اور صبح دن چڑھے تک سوتا رہا، بیدار ہوا تو اس کا متوقع تھا کہ خلیفہ کے ہاں سے طلبی کا فرمان آتا ہوگا۔ لیکن نہ کوئی خواجہ سرا آیا تھا نہ دربان، اس نے اٹھ کر غسل کیا، کپڑے بدلے اور ناشتہ کیا، پھر اپنے دربان کو بلا کر اس سے کہا، ہم سامنے کے باغ میں ذرا ٹہلنے جاتے ہیں۔ یہاں بیکار بیٹھے بیٹھے طبیعت اکتا گئی ہے، اگر امیر المومنین کے ہاں سے طلبی کا فرمان لے کر کوئی آئے تو تم اسے باغ میں بھیج دینا، یا خود آکر ہمیں بلا لے جانا، دربان نے کہا بہت اچھا، آپ اطمینان سے تشریف لے جائیے اگر قصرِ خلافت سے آپ کی طلبی ہوئی تو فوراً اطلاع دے دی جائے گی، اسی جواب سے مطمئن ہو کر باغ میں چلا گیا اور وہاں ٹہلنے لگا، اس باغ میں خوشنما نہروں کا سلسلہ جاری تھا، یہ پانی سیسہ کی نالیوں کے ذریعہ پہاڑوں سے لایا گیا تھا، چمن بندی بڑے خوش قطع طریقہ پر کی گئی تھی، طرح طرح کے درخت تھے۔ نہ جن کے نام سے وہ واقف تھا، نہ جن کی صورت سے وہ آشنا تھا، کبھی اس کنج میں جا بیٹھتا، کبھی اس جھاڑی کے پاس چلا جاتا، کبھی نہر کے مصفّا اور شفاف پانی کو دیکھنے لگتا، کبھی درختوں کی رنگا رنگی پر خدا کی قدرت کا کلمہ پڑھنے لگتا، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مرکزی دروازے کی طرف دیکھنے لگتا کہ کہیں کوئی مجھے بلانے کے لیے تو نہیں لیکن نگاہ ہر مرتبہ ناکام لوٹ آتی۔

بڑی دیر اسی طرح گذر گئی، اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک خواجہ سرا کمر میں خنجر حمائل کئے باغ میں داخل ہوا، وہ آہستہ آہستہ دبے پاؤں آ رہا تھا، جیسے چوری چھپے یہاں آیا تھا اور اسی طرح واپس جانا چاہتا ہے۔ سعید کو حیرت ہوئی کہ یہ کون شخص ہے اور کیوں یہاں آیا تھا۔ اب غور سے جو اس نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ سائر ہے، عبداللہ کا معتمد خواجہ سرا، اب تو سعید چوکنا ہوا کہ ضرور کچھ دال میں کالا ہے، اس محل میں اس کا آنا اور یوں دبے پاؤں واپس جانا قطعاً کسی واقعہ کا پیش خیمہ ہے، لیکن وہ واقعہ کیا ہو سکتا ہے؟ پھر سعید نے سوچا میرا اور سائر کا آمنا سامنا مناسب نہیں، چنانچہ وہ ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا، سائر چونکہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی فکر میں تھا۔ اس لیے اس کی نظر بھی سعید پر نہیں پڑی، وہ چپ چاپ نکلا چلا گیا، اور سعید سوچنے لگا، آخر یہ راز کیا ہے؟ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کا دربان آتا ہوا دکھائی دیا، اس نے کہا ابھی ابھی امیر المومنین نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔ تشریف لے چلیے۔ سعید اس کے ساتھ ہو لیا، دربان نے اُسے یاسر کے دفتر میں پہنچا دیا، یاسر نے خوش آمدید کہا، اخلاق و تپاک سے ملا، پھر اسے لے کر قصر خلافت کی طرف روانہ ہو گیا، راستہ میں وہ دروازہ پڑا، جدھر سے اس نے سائر کو نکلتے دیکھا تھا، وہ اسی طرف بڑھا، یاسر نے کہا، حضرت آپ ادھر کہاں جا رہے ہیں، سعید نے انجان بن کر کہا، میں سمجھا تھا امیر المؤمنین قصر کے اس حصہ میں اقامت گزیں ہیں، یاسر نے کہا آپ غلط سمجھے تھے، سعید نے پوچھا پھر یہاں کون رہتا ہے؟ چوکی پہرے کا تو ادھر بڑا اہتمام نظر آتا ہے۔ یاسر نے بتایا، یہاں زہرہ رہتی

ہے، اور پرندہ پر نہیں مار سکتا، اس طرف سعید نے کہا، واقعی بڑی غلطی کر گیا تھا میں، لیکن خدا نے بچا لیا، ورنہ جان کی خیر نہیں تھی، یاسر مسکرانے لگا اور سعید سوچنے لگا کیا سائرہ یہاں آیا تھا؟ ــــ اور اگر یہاں آیا تھا تو کیوں؟ اور یہاں نہیں آیا تھا تو پھر کہاں آیا تھا؟

یہی سوچتے سوچتے ایوانِ خلافت آ گیا۔ جہاں امیر المومنین اس کا انتظار کر رہے تھے، اس وقت بھی خدام بارگاہ اور غلامان ذی شان کا پورا طائفہ موجود تھا لیکن سعید کے آتے ہی خلیفہ نے پہلو بدلا یہ اس امر کا اشارہ تھا کہ ہمیں خلوت مطلوب ہے، سب لوگ چلے جائیں۔ چنانچہ سب چلے گئے، حتیٰ کہ یاسر بھی واپس چلا گیا، تخلیہ کے بعد الناصر نے سعید سے کہا۔

ہمیں امید ہے رات تم نے بڑے آرام سے گزاری ہو گی!

سعید نے جواب دیا۔

عالی جاہ یہ زندگی کی پہلی رات تھی جو غلام نے اس عافیت اور راحت سے گذاری۔

الناصر:۔ یہ کیوں؟

سعید:۔ غمِ دنیا اور فکرِ روزگار نے کبھی سکون اور دل جمعی کی نعمت نہیں عطا کی!

الناصر:۔ اچھا ہم سمجھے، اب تم ہمارے پاس رہو گے، یہاں سے تمھیں باقاعدہ مشاہرہ ملے گا ــــ ! کیا تمھیں منظور ہے!

سعید:۔ غلام کے لیے اس سے بڑھ کر خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ آقائے ولی نعمت کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرے!

الناصر: تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ تمھیں یہ منظور ہے؟

سعید:۔ دل وجان سے میرے آقا!

الناصر:۔ لیکن تم نے یہ نہیں پوچھا تمھارے ذمہ کام کیا ہوگا؟

سعید:۔ یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، غلام کا کام آقا کی اطاعت کرنا اس کے اشارۂ چشم پر چلنا اور اس کے احکام بجالانا ہے، سو جب تک زندہ ہوں یہ کام پوری وفاداری کے ساتھ انجام دیتا رہوں گا!

الناصر:۔ ماشاءاللہ، جزاک اللہ، تمھارے جواب سے ہم خوش ہیں پھر بھی جو کام تم سے لینا چاہتے ہیں اُسے سن لو!

سعید:۔ (ہمہ تن گوش ہوکر) ارشاد —!

الناصر:۔ تمھارا کام یہ ہوگا کہ زہرا کو بغدادی گانا سکھاؤ، اسے نہ جانے کیوں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ بغدادی گانا سیکھے۔ اس کام کے لیے تم سے موزوں شخص ہمیں کوئی نظر نہیں آتا، امید ہے تم اپنے تئیں فرائض کو خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دو گے۔!

سعید:۔ انشاءاللہ!

الناصر:۔ ایک بات تمھیں اور پیش نظر رکھنی چاہیئے، زہرا اس محل میں سب سے بڑی اور باعظمت ہستی ہے —

سعید:۔ میں جانتا ہوں میرے آقا میرا یہ فرض ہے کہ انھیں خوش رکھوں، ان کے اشارۂ چشم کو سمجھوں ان کی مرضی کی پابندی کروں!

الناصر:۔ ہمارا یہی مطلب تھا — اب تم جاؤ اور کل سے اپنا کام شروع کردو!

---

(۳۴)

زہرا — کہاں؟

دُوسرے دِن سعید اس امر کا متوقع تھا کہ زہرہ کے ہاں سے طلبی ہوگی، اور وہ اسے موسیقی کی تعلیم دینے جائے گا، یہ خیال کچھ ایسا خوش آئند تھا کہ محض اس خیال کی لذت نے اُسے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا تھا، کہاں زہرا اور کہاں وہ؟ وہ حسن کا مجسمہ تھی رعنائی و زیبائی کا پیکر دل نواز۔ جمال و کمال کی تصویر گویا اس کے ناز و انداز میں قیامت جھلکتی تھی اس کی عشوہ گری پر پیر فلک دونوں ہاتھوں سے دِل تھام لیتا تھا، اس کے تبسم سے پھولوں نے مسکرانا سیکھا تھا اس کی چشم سے گوں دیکھ کر نرگس شہلا اندھی ہوگئی تھی اس کے رنگ میں وہ شوخی تھی کہ نگاہ کا ٹھہرنا ناممکن تھا۔ اس میں سادگی کے باوجود کچھ ایسی پرکاری تھی کہ جو دیکھتا تھا، سربسجود ہو جانے کو دل چاہنے لگتا تھا۔ سعید یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ اب زندگی کا ایک نیا دَور شروع ہوگا، وہ زہرا کے سامنے بیٹھے گا، وہ اس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہوگی، وہ اس سے باتیں کرے گا، اسے موسیقی کی تعلیم دے گا، گھنٹوں اور پہروں اس کے حضور میں حاضر رہے گا، اور پھر —— ؟ اسی خیال آرائی میں سارا دِن گذر گیا!

آفتاب کی روشنی ختم ہوگئی اور چاند تاروں کی فوج لے کر نمودار ہوگیا، سعید کی محویت اب تک قائم تھی، اب تک اس کی طلبی نہیں ہوئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا،

یہ کیا ماجرا ہے؟ کیا زہرا نے ارادہ بدل دیا؟ کیا اب وہ گانا نہیں سیکھے گی؟

اتنے میں اسے جوہر آتا ہوا دکھائی دیا؛ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اُسے یقین ہو گیا کہ جوہر اسی لیے آ رہا ہے کہ اسے اپنے ساتھ زہرا کے حضور میں لے جائے، وہ جلدی سے تیار ہو گیا۔ اس کے ساتھ جانے کے لیے، لیکن جوہر آیا اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔ اس نے چھوٹے منہ یہ بھی نہ پوچھا کہ کیا سوچ رہے ہو؟ اس نے یہ بھی نہ کہا کہ زہرا تمہیں بُلا رہی ہے۔ خود اس کے چہرے پر اس وقت انتشار اور اضطراب کی عجیب سی کیفیت نظر آ رہی تھی!

سعید یہ دیکھ کر بے تاب ہو گیا اُس نے کہا۔

"جوہر تم کیا سوچ رہے ہو؟

جوہر:- کچھ نہیں! کوئی بات نہیں؟

سعید:- کیوں آئے ہو؟

جوہر:- یونہی آ گیا!

سعید:- شاید تمہیں نہیں معلوم مجھے امیرالمومنین نے حکم دیا ہے کہ زہرا کو بغدادی موسیقی کی تعلیم دوں!

جوہر:- خوب معلوم ہے!

سعید:- تو شاید زہرا سے ابھی امیرالمؤمنین نے اس انتظام کے بارے میں ذکر نہیں فرمایا؟

جوہر:- میرے سامنے گفتگو ہو چکی ہے اس بارے میں!

سعید:- تو یقیناً تم مجھے لینے آئے ہو، زہرا نے بلایا ہو گا!

جوہر :- جی نہیں یہ بات تو نہیں!

سعید :- کیا زہرا آج گانا نہیں سیکھے گی؟

جوہر :- معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے!

سعید :- شاید کچھ طبیعت خراب ہو ان کی؟

جوہر :- جی نہیں ماشا اللہ بالکل صحیح اور تندرست ہیں!

سعید :- پھر کیا بات ہے؟

جوہر :- میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔

سعید :- کیا کر رہی ہیں اس وقت؟

جوہر :- وہ وہاں ہوں تو میں بتاؤں بھی!

سعید :- کیا مطلب؟ ———— وہ وہاں نہیں ہیں؟ شاید امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوں گی!

جوہر :- وہاں بھی نہیں ہیں!

سعید :- حمام کر رہی ہوں گی!

جوہر :- وہ بالکل خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا ہے!

سعید :- تو کیا زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟

جوہر :- آپ تو مجھ پر خفا ہو رہے ہیں اور میں خود اسی لیے آیا تھا کہ آپ سے پوچھوں یہ ماجرا کیا ہے؟ میری خود عقل حیران ہے!

سعید :- آج ان کے پاس کوئی آیا تھا؟

جوہر :- ایک خادم آیا تھا، جو ایک عورت کا ذکر کر رہا تھا، جو آرائش گیسو کے فن

میں ماہر ہے!

سعید:۔ خادم ——؟ بھلا کس طرح کا تھا وہ؟

جوہر:۔ جیسے ہم سب ہیں!

سعید:۔ بڑے بے وقوف ہو بھائی —— مطلب یہ ہے کہ وہ کمر میں خنجر لٹکائے ہوئے تھا؟

جوہر:۔ جی ہاں اچھی طرح یاد ہے مجھے!

سعید:۔ موٹا سا تھا؟

جوہر:۔ جی ہاں دوہرے بدن کا آدمی تھا۔

سعید:۔ اس کا پٹکا سنہرا تھا؟

جوہر:۔ جی ہاں!

سعید:۔ بس تو میں سمجھ گیا، وہ سائر تھا!

جوہر:۔ سائر کون؟

سعید:۔ عبداللہ کا غلام —— وہ اسی کے ساتھ گئی ہے؟

جوہر:۔ جی ہاں اسی کے ساتھ تشریف لے گئی ہیں!

سعید:۔ کدھر؟ کس طرف؟

جوہر:۔ پائین باغ کی طرف!

سعید:۔ میرے ساتھ چلو اس طرف۔

جوہر:۔ ادھر جانے کی اجازت نہیں ہے!

سعید:۔ کیا تم میرا کہنا بھی نہ مانو گے؟

جوہر:۔ چلیئے! ـــــ آپ سے سرتابی کرکے کہاں رہوں گا!

یہ لوگ چوروں کی طرح دبے پاؤں باغیچہ میں پہنچے، وہاں کوئی نظر نہ آیا، ہاں ایک طرف کچھ روشنی نظر آئی، جو درختوں کی ایک جھاڑی سے چھن چھن کر آ رہی تھی، سعید اور جوہر اسی طرف بڑھے، جب ذرا قریب پہنچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ شہزادہ عبداللہ اور زہرا میں گھل مل کے باتیں ہو رہی ہیں ایک طرف سائرہ خاموش کھڑا ہے سائرہ اور عبداللہ اور زہرا کو دیکھ کر سعید کے اوسان خطا ہو گئے، اس کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی، اس کے پاؤں کانپنے لگے ڈر اور دہشت کے مارے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اُس نے سوچا اگر ان میں سے کسی کی بھی نظر مجھ پر پڑ گئی تو میں زندہ واپس نہ جا سکوں گا، وہ اُلٹے پاؤں واپس ہوا۔ اس کی آواز تھرا رہی تھی، اس نے جوہر سے پُوچھا،

"یہ میں نے کیا دیکھا؟"

یہ لوگ اب پائین باغ سے زہرا کی اقامت گاہ تک آ چکے تھے، یہاں یاسر مِلا اس نے سعید کو دیکھتے ہی کہا۔

"آہا آپ ـــــ شاید زہرا کو موسیقی کی تعلیم دینے آئے ہوں گے؟

سعید:۔ آیا تو اسی غرض سے تھا لیکن وہ یہاں ہیں ہی نہیں؟

یاسر:۔ یہاں سے وہ کہاں جا سکتی ہیں؟ خلیفہ کے پاس سے میں آ رہا ہوں وہاں تو ہیں نہیں (جوہر سے) جا اِدھر اُدھر کسی کمرہ میں ہوں گی، بلا لا فوراً؟

جوہر:۔ جی نہیں میں نے اچھی طرح دیکھ لیا وہ یہاں نہیں ہیں!

یاسر:۔ (پریشان ہو کر) پھر کہاں ہیں؟

جوہر:۔ (ہاتھ پکڑ کر) آئیے میں دکھا سکتا ہوں، بتا نہیں سکتا بس چلے آئیے میرے پیچھے پیچھے!

یاسر پیکرِ حیرت بنا اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا اور جو کچھ سعید نے دیکھا تھا، اس نے بھی دیکھ لیا!

وہ غصہ سے ہونٹ چباتے لگا، اس نے کہا،

"اچھا یہ بات ہے؟ ابھی سمجھے لیتا ہوں!"

سعید اور جوہر اپنی اپنی جگہ پر منتشر ہو گئے، اور یاسر سیدھا الناصر کی طرف روانہ ہوا، وہ زہرا سے جلتا تھا اس لیے کہ وہ اسے حقیر سمجھتی تھی منہ نہیں لگاتی تھی، وہ زہرا کو زک دینا چاہتا تھا، وہ اپنے احساسِ کمتری کا اس سے انتقام لینا چاہتا تھا، وہ اسے ذلیل کرنا چاہتا تھا، اسے سزا دینا چاہتا تھا، اس کی زندگی برباد کر دینا چاہتا تھا، وہ بھرا ہوا خلیفہ کے حضور میں پہنچا، یہ وقت اس کا خاص کاموں کے لیے وقف تھا، سرکاری کاغذات پر وہ اسی وقت دستخط کرتا تھا، خلافِ معمول اور خلافِ وقت یاسر کو دیکھ کر اُس نے کہا۔

الناصر:۔ خیریت تو ہے اس وقت تم کیسے آ گئے؟

یاسر:۔ (سر کھجاتے ہوئے) وہ سعید کو آپ نے زہرا کی تعلیم کے لیے مقرر کر دیا ہے نا؟

الناصر:۔ ہاں ——— تمہیں اعتراض ہے کچھ؟

یاسر:۔ بھلا غلام کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے ——————— وہ بڑی دیر سے ان کا انتظار کر رہے ہیں!

الناصر:۔ کس کا انتظار کر رہے ہیں زہرا کا؟

یاسر:۔ جی انہی کا!

الناصر:۔ تو وہ کہاں ہے؟ کیا اسے اطلاع نہیں دی گئی؟

یاسر:۔ وہ اپنے کمرہ میں نہیں ہیں!

الناصر:۔ پھر کہاں ہیں؟

یاسر:۔ کیا عرض کروں؟

الناصر:۔ کوئی خاص بات ہے؟

یاسر:۔ جی ہاں ــــ اس وقت میں نے انہیں عجیب حال میں دیکھا ہے؟

الناصر:۔ (چیں بہ جبیں ہو کر) کس حال میں دیکھا ہے؟

یاسر:۔ امیرالمومنین الفاظ میرا ساتھ نہیں دیتے؟

الناصر:۔ کیوں؟ ــــ کیا وہ کسی گناہ کی مرتکب ہوئی ہے؟ کیا مقصد ہے تمہارا؟

یاسر:۔ میرے آقا میں کچھ نہیں عرض کر سکتا!

الناصر:۔ (گرج کر) تمہیں کہنا پڑے گا بتاؤ!

یاسر: میرے آقا، میں معافی چاہتا ہوں!

الناصر:۔ نہیں تمہیں معافی نہیں مل سکتی تم چپ کیوں ہو؟ جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہتے کیوں نہیں؟

یاسر:۔ میں صرف ایک کام کر سکتا ہوں میرے ساتھ چلئے اور دیکھ لیجئے، بس اس سے زیادہ نہیں!

الناصر سخت حیران تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا، اور بغیر کچھ کہے سنے

اس کے ساتھ ہو لیا، یاسر اُسے باغیچہ میں لے گیا اور ایک چبوترہ پر لے جا کر کھڑا کر دیا جہاں سے اس جھاڑی کا منظر صاف نظر آ رہا تھا، الناصر نے دیکھا عبداللہ اور زہرا باتوں میں مصروف ہیں، یہ منظر دیکھ کر وہ مشتعل ہو گیا لیکن اس نے اپنی کیفیت پر قابو پا لیا فوراً واپس آ گیا اور یاسر کو جھڑکتے ہوئے کہا،

"کم بخت یہ کون سی ایسی بات تھی، عبداللہ میرا بیٹا ہے زہرا اس کی ماں کا درجہ رکھتی ہے"!

یاسر نے اپنی زبان پر قابو رکھا لیکن زبانِ حال سے کہہ رہا تھا!

"لیکن پھر مجرموں کی طرح اُس کُنج میں بیٹھے کیوں باتیں کر رہے ہیں"؟

الناصر نے یہ بات سُن لی اور اپنے کمرہ میں آ گیا وہ اس وقت واقعی بہت برہم تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا عبداللہ اور زہرا دونوں کی گردن اڑا دے، لیکن اس وقت مصلحت اسی میں نظر آئی کہ چُپ رہے!

تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایک غلام کو حکم دیا کہ جاؤ زہرا کو بُلا لاؤ، وہ تھوڑی دیر میں واپس آیا اور اس نے کہا،

"وہ اپنے کمرہ میں آرام کر رہی ہیں اور فرماتی ہیں میرے سر میں درد ہو رہا ہے اس وقت نہیں آ سکتی!

یہ جواب نیا نہ تھا، الناصر دیوانہ دار زہرہ کو چاہتا تھا، کبھی کبھی زہرہ نازو عشوہ سے کام لیتے ہوئے اُسے اسی طرح کے جوابات بھجوایا کرتی تھی، اور وہ مسکرا کر خاموش ہو جاتا تھا، اور اس ادائے محبوبیت سے لطف لیا کرتا تھا دِل ہی دل میں!

لیکن آج یہ جواب سُنکراس کا چہرہ دفور غضب سے تمتما اُٹھا، اور غصہ کے عالم میں زمین پر زور زور سے پاؤں ٹپکتا ہوا زہرہ کے کمرہ کی طرف روانہ ہو گیا، جیسے اس وقت وہ زہرہ کو ہرگز معاف نہیں کرے گا، اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ہلاک کر دے گا!

---

(۳۵)

خلیفہ کا غصّہ!

زہرا بڑی حسین تھی مخمور چشم، سحر طراز، الناصر اسے جان و دل سے چاہتا تھا، محبت بدگمان بھی ہوتی ہے، الناصر محسوس کیا کرتا تھا کہ وہ پاس بیٹھی ہے، مُسکرا مُسکرا کر باتیں کر رہی ہے۔ اشعار سُنا رہی ہے. گا نا گا رہی ہے، دفعتہً کچھ سوچنے لگی، کھو گئی ایسا معلوم ہوا جیسے یہاں ہے نہیں، خلیفہ اس کے اس رنگ کو ایک ادا سمجھتا تھا۔ اس ادا سے لطف لیا کرتا تھا۔ آج اس کے دل میں پہلی مرتبہ یہ خیال آیا کہ زہرا کا باتیں کرتے کرتے کھو جانا، کسی خیال میں غرق ہو جانا، کچھ سوچنے لگنا کہیں اسی لئے تو نہیں تھا کہ وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے؟ اور وہ بھی میرے بیٹے عبداللہ سے!

یہ سوچتے ہی الناصر کا خون تیزی سے گردش کرنے لگا، اس کی نبض کی رفتار بہت زیادہ سریع ہو گئی، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اس نے زہرا کو طلب کیا تو معلوم ہوا کہ سر میں درد ہے، وہ نہیں آ سکتی، وہ غصہ سے بھرا ہوا اُٹھا، اور اس کی طرف چلا،!

اور وہاں زہرا جب باغ سے واپس آئی تو اُسے معلوم ہو گیا کہ عبداللہ سے اس کی بات چیت جو ہو رہی تھی، اُسے الناصر نے دیکھ لیا۔ اس نے پروا بھی نہ کی بناؤ سنگار کیا اور رفتائے عالم بن کر بستر پر اوڑھ لپیٹ کر لیٹ گئی، خلیفہ کی طرف سے

طلبی ہوئی تو اس نے دردِ سر کا عذر کر دیا، وہ ایک خوش رنگ چادر اوڑھے لیٹی تھی اس چادر پر سونے اور چاندی کا خوشنما کام کڑھا ہوا تھا، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ستارے نصب تھے، ان ستاروں کے وسط میں چاند کڑھا ہوا تھا، جو بہت خوبصورت لگ رہا تھا اور اس کے نیچے کچھ اشعار کڑھے ہوئے تھے،

"اس کی محبت نے،
مجھے ہر حاجت سے بے نیاز کر دیا ہے،
میری خطا کاری کو۔
اس کا لطف و کرم ڈھانپ لیتا ہے۔
میری حسرتیں
اس کی عنایت سے پوری ہوں گی،
وہ اگر کبھی خفا بھی ہو،
تو اس کی خفگی دیرپا نہیں ہوتی ——!"

کمرہ میں عود و عنبر سلگ رہا تھا ایک عجیب رومان پرور کیفیت طاری تھی اس وقت سارے کمرے پر!

خلیفہ جیسے ہی کمرہ میں داخل ہوا، زہرا اُٹھ بیٹھی، وہ آگے بڑھی اور حسبِ معمول اس نے الناصر کے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا، لیکن وہ بھرا ہوا تھا، اس نے ایک جھٹکے میں ہاتھ چھڑا لیا اور چلتا رہا، یہاں تک کہ آ کر صدر میں بیٹھ گیا۔ زہرا آ کر سامنے کھڑی ہو گئی۔

دونوں خاموش تھے!

کچھ دیر کے بعد زہرا نے سلسلۂ کلام کا آغاز کیا،

زہرا :- میں دیکھ رہی ہوں آج امیرالمومنین کچھ خاموش سے کچھ برہم سے نظر آرہے ہیں!

الناصر :- تم ٹھیک محسوس کر رہی ہو۔

زہرا :- لیکن وجہ؟ سبب؟

الناصر :- تمہیں اتنا عقلمند ہونا چاہیئے کہ خود سمجھ لو۔

زہرا :- مجھے اپنی بے وقوفی کا احساس ہے میں امیرالمومنین سے محبت کرتی ہوں، وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، میں اب تک لطف و کرم کی عادی رہی ہوں، لہٰذا اسے تو پہچان سکتی ہوں لیکن برہمی اور خفگی سے مجھے کبھی آج کے سوا سابقہ نہیں پڑا، لہٰذا اسے نہیں سمجھ سکتی! ——— بتا دیجئے کیا بات ہے؟

الناصر :- نہیں میں کچھ نہیں کہوں گا تمہیں خود سمجھنا چاہیئے!

زہرا :- میں عرض کر چکی کہ بے وقوف ہوں اُڑتی چڑیا کا پہچاننا مجھے نہیں آتا، آپ بتا دیں گے تو کیا غضب ہو جائے گا۔!

الناصر :- مجھے تمہاری جرأت پر حیرت ہے!

زہرا :- یہ جرأت آپ ہی کی محبت نے پیدا کی ہے۔ میں ایک لونڈی ہوں، لیکن شہزادیوں اور رانیوں سے زیادہ عیش و مسرت کی زندگی بسر کرتی ہوں، وہ کون سی نعمت ہے جو مجھے حاصل نہیں۔

الناصر :- کاش اس نعمت کی قدر کرنا بھی تم نے سیکھی ہوتی!

زہرا :- میرا رواں رواں شکر گزار ہے، ضرورت ہو تو اپنے آقا پر اپنی زندگی بھی قربان کر سکتی ہوں، جب چاہیئے تجربہ کر لیجئے،

الناصر:۔ زہرا نازو نیاز اور لگاوٹ کی ان باتوں کا زمانہ گذر گیا۔

زہرا:۔ آخر کیوں؟ ——— کیا میں آپ کی نظروں سے اُتر گئی؟ کیا کسی اور نے آپ کے دِل پر قبضہ کر لیا ہے، کیا امیرالمومنین بھی دوسرے مردوں کی طرح ہیں، جو محبت کو ایک عارضی اور وقتی چیز خیال کرتے ہیں؟ میں اس نعمت کو، اس محبت کو، اس التفات کو، اس قدر دانی کو لازوال اور دائمی سمجھتی تھی "!

الناصر:۔ یہ سب بیکار باتیں ہیں!

زہرا:۔ تو پھر کام کی کیا باتیں ہیں؟

الناصر:۔ ہم نے تمہاری چوری پکڑ لی۔

زہرا:۔ یا اللہ خیر کون سی چوری کی ہے میں نے، کس کی چوری کی ہے؟ یہ کیسی نئی نئی باتیں سُن رہی ہوں؟

الناصر:۔ آج ہم نے معلوم کر لیا کہ تم کبھی کبھی کھوئی کھوئی سی کیوں نظر آتی تھیں؟

زہرا:۔ تو مجھے بھی بتا دیجئے!

الناصر:۔ (غصّہ سے) تمہاری دیدہ دلیری حد سے بڑھتی جا رہی ہے!

زہرا:۔ مجھ سے اگر کوئی گستاخی ہوئی ہے تو اس کی معافی چاہتی ہوں'!

الناصر:۔ بعض جُرم ایسے ہوتے ہیں جو کبھی اور کسی حالت میں معاف نہیں کئے جا سکتے۔

زہرا:۔ یہ تو میں بھی مانتی ہوں، لیکن میرا جرم کیا ہے یہ بھی تو معلوم ہو؟ مجرم کو سزا اس وقت تک نہیں دی جاتی جب تک اس کا جُرم نہ بتا دیا جائے، آپ سزا تو دے رہے ہیں، لیکن جُرم نہیں بتاتے، یہ سلوک تو ایک معمولی آدمی کے

ساتھ بھی نہ ہونا چاہیئے نہ کہ میرے ساتھ!

الناصر:۔ تم نے آج گانا سیکھا؟

زہرا:۔ جی نہیں!

الناصر:۔ لیکن جب ایک بات طے ہو گئی تھی اور تمہاری ہی فرمائش سے طے ہوئی تھی تو پھر اس کی خلاف ورزی کیوں کی گئی؟

زہرا:۔ گانا سیکھنا نماز کی طرح فرض تو نہیں تھا کہ اگر نہ پڑھی تو گناہ ہوا۔

الناصر:۔ یہ الگ بات ہے سوال کا جواب دو، گانا کیوں نہیں سیکھا؟

زہرا:۔ فرصت نہیں تھی!

الناصر:۔ یہ آج معلوم ہوا کہ تم مشغول بھی رہتی ہو!

زہرا:۔ ایک بہت ضروری کام درپیش آ گیا تھا!

الناصر:۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیئے وہ کون سا کام تھا!

زہرا:۔ یہ میں نہیں بتا سکتی!

الناصر:۔ (اس گستاخی سے برہم ہو کر) کیا تم میرے حکم کی سرتابی کرو گی!

زہرا:۔ اتنی ہمّت کہاں سے لا سکتی ہوں؟

الناصر:۔ تو وجہ بتاؤ، بتانا پڑے گا اس خلاف ورزی کا سبب، ورنہ کہے دیتا ہوں اچھا نہیں ہو گا!

زہرا:۔ میں صرف یہ کہہ سکتی ہوں کہ جس کام میں آج منہمک رہی، وہ اس کام سے کہیں بہتر اور برتر تھا جس کی خلاف ورزی پر آپ خفا ہو رہے ہیں!

الناصر:۔ (سختی سے) سچ سچ بتاؤ تم اس کمرہ سے باہر کہاں گئی تھیں؟

زہرا :۔ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی اور آپ جیسے آقائے ولی نعمت سے تو جھوٹ بولنا میں گناہ سمجھتی ہوں!

الناصر:۔ یہ غیر ضروری باتیں ہیں، ان باتوں کو چھوڑو، یہ بتاؤ تم کہاں تھیں؟ ہم یہاں آئے تھے مگر تم نہیں ملیں، آخر کیوں؟

زہرا :۔ میں شہزادہ عبداللہ کے ساتھ گئی تھی!

الناصر:۔ (تیوری چڑھاکر) کیوں؟ کہاں؟

زہرا :۔ ایک ضروری کام تھا!

الناصر:۔ لیکن وہ کام کیا تھا یہ بھی تو معلوم ہونا چاہیئے!

زہرا :۔ یہ نہیں بتا سکتی!

الناصر:۔ (غصہ سے) وہی دیدہ دلیری، وہی خیرہ سری!

الناصر:۔ میں ایک موقع پھر دیتا ہوں!

زہرا :۔ افسوس ہے اس موقع سے میں فائدہ نہیں اُٹھا سکتی!

الناصر:۔ یعنی تم اپنے انکار پر قائم ہو؟

زہرا :۔ یہی سمجھ لیجئے، !

الناصر:۔ نمک حرام، کمینی!

زہرا :۔ یہ پہلا دن ہے کہ میں نے اپنے لیے میر المومنین کے منہ سے اس طرح کے الفاظ سنے ہیں، کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتی، کاش آسمان پھٹ پڑتا، اور میری زندگی ختم ہو جاتی، کاش ملک الموت آتا اور میری جان لے لیتا، !

الناصر بہر حال زہرا سے غیر معمولی محبت کرتا تھا، ان الفاظ نے اس کی سختی کو نرمی سے بدل دیا۔ اس نے دل میں سوچا واقعی میں نے زہرا کی توہین کی ہے، لیکن پھر یہ سوچ کر دل کو مضبوط کر لیا کہ اس نے بھی میری توہین کی ہے، اس نے میرے ساتھ غداری کی ہے۔ اس نے میری محبت کا نہایت بُرا بدلہ دیا ہے، اس نے کسی اور کو نہیں خاص میرے بیٹے عبداللہ کو پھانسنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس برہمی کی کیفیت کو دباتے ہوئے نرم لب ولہجہ میں خلیفہ نے زہرا سے کہا۔

الناصر:- لیکن یہ بھی تو سوچو تم نے میرے اعتماد کو متزلزل کر دیا، تم نے میرے دل میں شکوک و شبہات اپنے طرزِ عمل سے پیدا کر دیئے، تم نے میری محبت کی بے قدری کی، تم نے میری محبت کی توہین کی، کیا تمہیں ایسا کرنا چاہیئے تھا؟

زہرا:- آپ جو کچھ کہہ چکے ہیں اس سے بھی زیادہ کہہ لیجئے، لیکن یہ سب باتیں غلط ہیں، میں نے کچھ نہیں کیا، میں کبھی آپ سے خیانت نہیں کر سکتی، آخر آپ نے مجھے سمجھا کیا ہے؟

الناصر:- جو کچھ میں نے سمجھا ہے اسے میری زبان سے ادا کرانے کی کوشش نہ کرو!

زہرا:- آخر آپ اس قدر برہم ہیں مجھ سے!

الناصر:- یہ تم اب تک نہیں سمجھ سکیں؟

زہرا:- میں جو کچھ سمجھ سکی ہوں وہ یہ ہے کہ میں عبداللہ کے ساتھ کیوں گئی؟ اس سے کیوں ملی؟ اس سے کیوں باتیں کیں؟

الناصر:- ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے کہ تم اس سے کیوں ملیں اس سے کیوں باتیں کیں اعتراض اس پر ہے کہ تم نے اس سے چھُپ کر کیوں باتیں کیں؟ اس کے ساتھ

باتیں کرنے کے لیے کیوں گئیں؟ خود اسے کیوں نہ بُلا لیا؟ ——— کیا یہ حرکت
کر کے تم نے میرے اعتماد کو دھکا نہیں پہنچایا؟ اور عبداللہ نے اس طرح کی
حرکت کر کے اپنے تئیں عتاب کا مستحق نہیں بنا لیا؟

زہرا :- امیرالمومنین آپ مجھے جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، جو سزا چاہیں دے سکتے ہیں، لیکن
عبداللہ کا نام نہ لیجئے اس کی کوئی خطا نہیں ہے!

الناصر:- میں دونوں سے خوش ہو سکتا ہوں، اگر مجھے بتا دیا جائے کہ بات کیا تھی؟

زہرا :- ضرور بتا دوں گی ———

الناصر:- لیکن کب ——— قیامت میں؟ ——— ؟

زہرا :- ابھی نہیں!

الناصر:- پھر کب؟

زہرا :- ابھی وقت نہیں آیا ہے!

الناصر:- کب آئے گا وقت؟

زہرا :- جب آئے گا ایک ایک حرف بتا دوں گی، اور مجھے یقین ہے پھر امیرالمومنین کی
یہ برہمی دور ہو جائے گی، یہ شکوک رفع ہو جائیں گے، ان غلط فہمیوں کے
بادل چھٹ جائیں گے۔

الناصر:- تمہارا مطلب یہ ہے کہ ایک غیر معین وقت تک ہم اس وقت کا انتظار کریں!

زہرا :- میں یہی عرض کر سکتی ہوں!

الناصر:- اس طرح ہمارے شکوک میں اضافہ ہو رہا ہے۔

زہرا :- تو میری گردن اڑا دیجئے، لیکن میں اس وقت تک کچھ نہیں بتاؤں گی!

الناصر:- تمہیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے کہ ہم برہم ہیں تم سے؟ ہم شک کر رہے ہیں تم پر؟

زہرا:- بہت زیادہ ہے لیکن جب میری گزشتہ وفاداریاں اور جاں نثاریاں میری شفیع نہ بن سکیں تو میں کیا عرض کروں؟ پھر میں اپنی صفائی میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ سوا اس کے کہ قسمت پر قانع اور شاکر ہو جاؤں اور جو کچھ خدا دکھائے وہ دیکھوں!

یہ باتیں زہرا نے کچھ ایسے تیور کے ساتھ کہیں کہ الناصر خاموش ہو گیا!

زہرا:- کیا آپ کی برہمی اب بھی قائم ہے؟

الناصر:- ہاں ہے!

زہرا:- میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ جب سے میں آپ کے زیرِ سایہ زندگی گزار رہی ہوں کیا آج تک کبھی کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس نے آپ کو مجھ سے مشکوک کیا ہو؟

الناصر:- نہیں، کبھی نہیں!

زہرہ:- تو کیا اس کی مستحق بھی نہیں ہوں کہ چند روز آپ مجھ پر اعتبار کر لیں اور جو کچھ میں فی الحال نہیں بتانا چاہتی اُسے نہ پوچھیں؟

الناصر:- اچھا ایک بات کا جواب دو۔

زہرہ:- ارشاد!

الناصر:- کیا تم عبداللہ سے محبّت کرتی ہو؟

زہرا:- ضرور کرتی ہوں!

الناصر:- (تیوری چڑھا کر) اس کا اعتراف ہے تمہیں؟

زہرا:- امیر المومنین آپ کیسی بات پوچھ رہے ہیں؟ کیا عبداللہ آپ کا لڑکا نہیں ہے؟

کیا آپ اس سے محبّت نہیں کرتے ہیں؟ کیا مجھے اس سے محبّت نہیں کرنی چاہیئے؟ یہ الفاظ سن کر الناصر کچھ خفیف ہو گیا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا، اُس نے کہا۔

الناصر:۔ ہم اب جاتے ہیں، ہمارا دل اب تک تم سے صاف نہیں، ہمارے شکوک دُور کرنے میں تم ناکام رہی ہو"!

زہرا:۔ کاش ایسا نہ ہوتا!

الناصر نے کوئی جواب نہیں دیا، اور وہ اپنے ایوانِ زمردیں کی طرف روانہ ہو گیا، اُس نے سمجھ لیا زہرا سے جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں اس وقت ہرگز نہیں بتائے گی، عورتیں ویسے ہی ضدّی ہوتی ہیں، نہ کہ زہرا، بہتر یہی ہے کہ اس گفتگو کو پھر کسی وقت کے لئے اُٹھا رکھا جائے ——— اور کیوں نہ سعید سے اس گتھی کو حل کرایا جائے، اس میں جہاں اور بہت سی خصوصیتیں ہیں یہ خصوصیّت بھی تو ہے کہ وہ بہت بڑا منجم اور رمال ہے جو بات زہرا کے دل میں ہے، وہ سعید کی زبان پر ہوگی!

---

(۳۶)

سسکیاں!

خلیفہ الناصر کے جانے کے بعد زہرہ اپنے کمرہ میں واپس آگئی، خادمہ نے آکر عرض کیا،

"دسترخوان چُن دیا گیا ہے تشریف لے چلئے!"

وہ بولی،

اتنی رات گئے میں کھانا نہیں کھاتی، بھوک لگی تو تھی لیکن مرگئی، تم کھالو، میں سوؤنگی!

خادمہ نے جو ایک بوڑھی عورت تھی، بہت اصرار کیا، لیکن زہرا نے ایک نہ مانی، آخر وہ بستر کرکے کھانا کھانے چلی گئی، واپس آئی تو اپنی مالکہ کے پائنتیوں لیٹ گئی لیکن اس نے محسوس کیا کہ زہرا سو نہیں رہی ہے کروٹیں بدل رہی ہے، جی چاہا نیند نہ آنے کا سبب دریافت کرے، لیکن ہمت نہ پڑی، پھر تھوڑی دیر میں اس نے محسوس کیا۔ زہرا رو رہی ہے سسکیوں کا ایک سلسلہ جاری ہے جو کسی طرح ختم ہونے ہی میں نہیں آتا، اب تو وہ ضبط نہ کرسکی اُٹھ بیٹھی اور اس نے کہا،

خادمہ:۔ آپ رو کیوں رہی ہیں؟

زہرا:۔ میں تو نہیں روتی!

خادمہ:۔ بیٹی مجھ سے کیوں چھپاتی ہو؟ میرے بال کچھ دھوپ میں تو سفید نہیں ہوئے!

زہرا:۔ مجھے تمہاری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے!

خادمہ:۔ میری بچی کسی کو شریکِ غم بنا لینے سے غم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، میرا اس دُنیا
میں کوئی نہیں ہے تم ہی میری لڑکی بھی ہو، اور میری آقا بھی!

زہرا:۔ (ان باتوں سے متاثر ہو کر) لیکن خالہ کوئی بات بھی تو ہو!

خادمہ:۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔

زہرا:۔ امیرالمومنین آج خفا ہو گئے مجھ سے۔

خادمہ:۔ ارے یہ کیوں!

زہرا:۔ بس ہو گئے، امیرالمؤمنین جو ٹھہرے!

خادمہ:۔ لیکن خفا ہو کر جائیں گے کہاں؟ انہیں زہرا جیسی حسین و جمیل عورت ملے گی
کہاں؟ آج خفا ہیں، دیکھ لینا کل خوش ہو جائیں گے!

زہرا:۔ دیکھ لینا ایسا نہیں ہو گا!

خادمہ:۔ واہ ہو گا کیسے نہیں!

زہرا:۔ میں نے امیرالمؤمنین کے تیور دیکھے تھے!

خادمہ:۔ آخر بات کیا ہوئی؟

زہرا:۔ وہ مجھ سے بدظن ہیں، بدگمان ہیں!

خادمہ:۔ تم سے؟ تم جیسی پاک دامن سے؟ تعجب!

زہرا:۔ ہاں مجھی سے۔

خادمہ:۔ آخر کہہ کیا رہے تھے؟

زہرا:۔ تم نے دیکھا ہو گا، کبھی کبھی میں باتیں کرتے کرتے کچھ سوچنے لگتی ہوں!

خادمہ:۔ ہاں بارہا دیکھا ہے اور اس ادا پر پیار بھی آیا ہے!

زہرا :- یہی امیرالمومنین کے سامنے بھی کبھی کبھی ہو جاتا ہے!

خادمہ :- تو اسی پر خفا ہو گئے؟

زہرا :- ہاں ـــ ان کا خیال ہے کہ میں کسی کی محبت میں گرفتار ہوں، آہ میرا وہ پیارا بھائی جو مجھ سے بچھڑ گیا، اور اب شاید میں کبھی اسے نہ دیکھ سکوں گی!

خادمہ :- (حیرت سے) تمہارا کوئی بھائی بھی تھا؟

زہرا :- ہاں ایک بھائی تھا، بڑا پیارا، بڑا ہنس مکھ!

خادمہ :- تو کیا ہوا وہ؟

زہرا :- کہہ تو رہی ہوں بچھڑ گیا!

خادمہ :- لیکن میری بچی کیسے؟

زہرا :- قسمت سے ـــ وہی جب یاد آ جاتا ہے تو میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہوں؟ پھر میں اپنے ہوش میں نہیں رہتی!

خادمہ :- وہ تو ہوا ہی چاہے لیکن مجھے تو یہ آج ہی معلوم ہوا۔

زہرا :- ہاں ـــ میری کہانی کون سی ایسی دل خوش کُن ہے کہ سب کو سناتی پھروں؟

خادمہ :- لیکن آج تو میں سن کر رہوں گی۔

زہرا :- نہیں اس سے کچھ حاصل نہیں پرانے زخم تازہ ہو جائیں گے!

خادمہ :- وہ تو ہو چکے!

زہرا :- لیکن اس سے فائدہ؟

خادمہ :- جی بہلے گا، ممکن ہے میں تمہارے بھائی کو تلاش کرنے میں مدد دے سکوں!

---

(۳۷)

زہرا کی کہانی!

خادمہ کی بات زہرا کی سمجھ میں آگئی اور اس نے اپنی درد بھری داستان یوں شروع کی:

میرا گھر کوہ صنعا پر تھا؟ ہم پہاڑی لوگ بڑے جفاکش اور سخت کوش ہوتے ہیں ہمارا گھرانہ ایک متوسط الحال آدمی کا گھرانہ تھا، باپ جنگل میں کام کرتا تھا، ماں گھر سنبھالتی تھی، میں اور میرا چھوٹا بھائی آپس میں بہت محبت کرتے تھے، اس لئے ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے تھے ہم لکڑیاں چننے کے لیے دُور دُور نکل جاتے تھے کبھی تالابوں کے غوطے لگاتے، کبھی وادیوں کی سیر کرتے کبھی سبزے کو مسلتے اور روندتے دوڑ لگاتے، کبھی مرغابیوں کا شکار ڈھیلوں سے کرنے کی کوشش کرتے ہنستے کھیلتے گھر سے نکلتے، اور ہنستے کھیلتے گھر واپس آتے! وہ پہاڑ کی زندگی وہ بل کھاتی ہوئی ندیاں وہ شور مچاتے ہوئے چشمے وہ بھیڑ بکری کے ریوڑ وہ بڑے بڑے فلک فرسا درخت، وہ پھلوں اور پھولوں کی کثرت، جدھر نکل جاتے، ایک نیا مزہ آتا ـــــ آہ، اب وہ زمانہ کہاں واپس آسکتا ہے، اس کی یاد باقی رہ گئی ہے اور یہ یاد جب ستاتی ہے تو کلیجہ سے ہوک اُٹھنے لگتی ہے!

خادمہ نے اس وقت تک خاموشی سے یہ باتیں سنی تھیں اب اس نے بھی کچھ بولنے کی ضرورت محسوس کی اور کہا،

ہاں پرانا زمانہ بڑا ظالم ہوتا ہے، وہ جب یاد آتا ہے تو کلیجہ میں تیر بن کر لگتا ہے! زہرا نے سنی کی اَن سنی کرتے ہوئے اپنی کہانی کا سلسلہ جاری رکھا،

ایک روز اسی طرح ہم دونوں بھائی بہن جنگل سے گھومتے گھامتے واپس آ رہے تھے، شام ہو چکی تھی لیکن آج کی شام نہ جانے کیوں بھیانک معلوم ہو رہی تھی میں نے بھائی سے کہا۔

"جلدی چلو، شام ہو گئی ہے، اور جیسے جیسے اندھیرا بڑھتا جاتا ہے میرا دل ہول رہا ہے، نہ جانے کیوں ڈر لگ رہا ہے"!

وہ ہنسنے لگا،

"تم تو پاگل ہو خواہ مخواہ ڈر رہی ہو، ہم اکثر شام کو جاتے ہیں، کبھی کچھ نہیں ہوا، آج بھی کچھ نہیں ہو گا!"

یہ کہہ کر وہ پھر کھیل کود میں مشغول ہو گیا،!

جب تاریکی اور زیادہ بڑھ گئی تو میں نے کہا۔

"اگر تم نہیں چلو گے، تو میں اکیلی جاتی ہوں!"

وہ پھر ہنسنے لگا، اس نے کہا۔

"جا چکیں اکیلی، میرے ساتھ جاتے تو ڈر رہی ہو بھلا تنہا کس طرح جاؤ گی؟ اگر راستہ میں کسی نے پکڑ لیا تو کیا کرو گی؟

یہ باتیں سُن کر میں اور زیادہ سہم گئی، میں نے کہا،

"خدا کے لیے اب چلو ورنہ میں رونے لگوں گی"!

یہ حربہ کارگر ہوا، وہ میرا رونا کسی طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کہنے لگا۔

"اچھا چلو!"

ہم گھر کی طرف چل پڑے، راستہ سنسان تھا اور رات کی تاریکی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی، آج کچھ موسم بھی خراب تھا، دوپہر ہی سے بادل آئے تھے اور اس وقت تو گویا گھنگھور گھٹا گھری کھڑی تھی!

تھوڑی دور چلنے کے بعد گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی میں ڈر گئی میں نے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا، اور کہا۔

"کوئی آ رہا ہے"؟

وہ بھی سہم گیا تھا اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"ہاں — کوئی سوار معلوم ہوتا ہے، نہ جانے کون ہے"؟

اتنے میں ہم نے دیکھا، سامنے سے ایک نہیں بلکہ کئی سوار چلے آ رہے ہیں ہم دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے چپ چاپ راستہ چل رہے تھے جب وہ سوار قریب آئے تو گھوڑے سے اتر پڑے، ان میں سے ایک آدمی بڑھا اس نے ہم دونوں سے پوچھا

"تم کون ہو"؟

میں رونے لگی، لیکن میرا بھائی ہمت کر کے بولا،

"ہم پاس کے گاؤں کے رہنے والے ہیں وہیں جا رہے ہیں"!

سوار نے قریب آ کر میرا چہرہ دیکھا اور میرے بھائی کا چہرہ دیکھا پھر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"بڑے خوش قسمت ہو یار بڑا اچھا تحفہ ہاتھ لگا ہے یہ لڑکی ہزاروں میں ایک ہے، سال دو سال میں لاکھوں میں ایک ہو گی اس کے منہ مانگے دام ملیں گے، اور یہ لڑکا بھی اچھے داموں بک جائے گا!

پھر اس نے مجھ سے کہا۔

"تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے، اگر تم نے انکار کیا یا شور مچایا یا چیخنے کی کوشش کی تو یاد رکھو یہ ہے میرے پاس"!

یہ کہہ کر اس نے تلوار میان سے باہر نکال لی اور کہا۔

"ابھی تم دونوں کی گردن خاک پر لوٹتی نظر آئے گی"!

"میں اپنا مرنا گوارا کر سکتی تھی لیکن اپنے پیارے بھائی کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے نہیں دیکھ سکتی تھی!"

خادمہ بولی،

"ہاں سچ ہے بیٹی میرے تو آنسو نکلے چلے آ رہے ہیں، پھر؟"

زہرا بولی،

"میں نے کہا مجھے مار ڈالو، لیکن میرے بھائی کو نہ مارو!"

اس سوار نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔

"ہم سب سے پہلے اسی کی گردن ماریں گے اور اگر یہ چاہتی ہو کہ وہ زندہ رہے تو چپ چاپ چلی چلو!"

"میں راضی ہو گئی، اس سوار نے مجھے اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا لیا اور دوسرے نے میرے بھائی کو میرے پیارے بھائی کا چہرہ دہشت سے سفید ہو رہا تھا، میں نے اس

کی یہ حالت دیکھی تو ڈھارس بندھائی لیکن وہ گم صم تھا کیا مجال ہے جو رد یا ہو، یا زبان سے کچھ کہا ہو وہ سوار رات بھر چلتے رہے، صبح ہوتے ایک شہر میں پہنچے جس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی اس کا نام کیا ہے، وہاں دو دن رہے، وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر صقلیہ (سسلی) پہنچے جہاں عبیدی خاندان حکومت کرتا تھا، وہاں ایک یہودی کے ہاتھ ہم دونوں کو منہ مانگے داموں فروخت کر ڈالا۔

(۳۸)

بپتا ــــــ !

خادمہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے اور زہرا اپنی درد بھری کہانی ایک خاص سوز اور تاثر کے عالم میں کہے جارہی تھی!

"اب ہم غلام تھے! ــــــ!"

خادمہ نے کہا،

"بیٹی وہ دَور ختم ہو گیا، اب تو تم ایک پورے ملک کی مالکہ ہو اب وہ دن کیوں یاد کرتی ہو؟

زہرا نے ایک آہ سرد بھر کر کہا،

"خالہ تم نہیں سمجھ سکتیں، میری بپتا، میرا دُکھ میرا رنج!"

خادمہ :- بیٹی سمجھ سکتی ہوں سمجھ رہی ہوں لیکن میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ خدا کا شکر کرو وہ دَور ختم ہو گیا، اب تم اس سے کہیں زیادہ بہتر حالت میں ہو!

زہرا :- یہ تم نے کیسے جانا؟

خادمہ :- بھلا سوچو تو سہی اگر تم وہیں رہتیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ کسی کھاتے پیتے گھر میں کسی اچھے اور شریف آدمی کے ساتھ بیاہ دی جاتیں لیکن اب تو تم ایک ایسے شخص کی محبوبہ ہو جس نے تمہاری بادشاہت اپنے اوپر تسلیم کر لی ہے اور جو پورے ملک کا بادشاہ ہے، جس کے قبضہ میں خزانۂ عامرہ ہے، جس کے رعب و دہشت سے

سلاطینِ عالم کانپتے ہیں، جس کے جاہ وجلال کے آگے وقت کے بڑے بڑے گردن فراز ادب واحترام سے سر جھکاتے ہیں، جس کے ایک اشارۂ چشم پر قوموں اور ملتوں کی تقدیر بدل جاتی ہے، جس نے تمہیں سونے میں پیلا کر دیا ہے، جس نے تمہارے سامنے ہیرے اور جواہرات کے ڈھیر لگا دیئے ہیں، جس نے تمہیں پھولوں کی سیج عطا کی ہے، موتیوں کی مالاؤں سے تمہاری گردن پاٹ دی ہے جو تمہیں دیکھ دیکھ کر جیتا ہے، جس کی خوشی، مسرت، نشاط، طرب تم ہو صرف تم'!

زہرا:۔ سچ کہتی ہو خالہ، لیکن دل پر گھر کے چھٹنے سے بھائی کے بچھڑنے سے جو زخم لگا ہے وہ اب تک تازہ ہے، اور شاید وہ زندگی بھر یونہی ہرا رہے گا!

خادمہ:۔ اب بھی؟

زہرا:۔ ہاں —— جب میں پہلے پہل جزیرہ صقلیہ میں پہنچی تو وہاں خدا کی قدرت کا تماشہ نظر آگیا، شہر کی شان و شوکت، حسن وخوبی، آرائش وزیبائش دیکھ کر میں دنگ رہ گئی، ایسے پُر فضا، کشش انگیز اور سحر طراز مناظر میری نظر سے کبھی نہ گذرے تھے کیونکہ میں ایک کوہستانی مقام کی رہنے والی تھی، وہیں کے پہاڑوں، گھاٹیوں اور وادیوں میں میری پرورش ہوئی تھی، جانور چرانا اور لکڑیاں چننا میرا بہترین مشغلہ تھا!

خادمہ:۔ وہ تو ہوا ہی چاہے، کہاں پہاڑ، کہاں شہر دونوں کی زندگی میں زمین وآسمان کا فرق ہے!

زہرا:۔ ہاں خالہ اور اس فرق کو میں آج تک محسوس کرتی ہوں، کتنا پیارا زمانہ تھا؟

میں اور میرا بھائی، جنگل میں جانور چراتے، شام ہوتے ہوئے لکڑی کا گٹھر سر پر رکھ کر جانوروں کو ہنکاتے ہوئے گھر واپس آتے، ہنستے کھیلتے، شور کرتے، دند مچاتے، ماں راستہ دیکھ رہی ہوتی، باپ انتظار کر رہا ہوتا، پھر کڑکڑاتی ہوئی سردی میں ہم لوگ ایک الاؤ کے گرد بیٹھ جاتے، تاپتے جاتے اور کہانیاں سنتے جاتے، ہماری جھونپڑی دھوئیں سے بھر جاتی، آنکھوں میں آنسو بھر آتے لیکن خوشی اور مسرت تھی کہ پیچھا نہ چھوڑتی کسی طرح۔

خادمہ :۔ (متاثر ہو کر) ہاں سچ کہتی ہو بیٹی!

زہرا :۔ کتنی سادہ تھی وہ زندگی! معصومیت سے بھری ہوئی، سُکھ سے بھرپور، خوشی کا ایک نغمہ، مسرّت کا ایک طوفان!

خادمہ :۔ لیکن وہ زندگی لاکھ سہانی ہو ایسی زندگی سے جو اب بسر کر رہی ہو اچھی نہیں ہو سکتی!

زہرا :۔ خالہ غلط ——— یہ بات غلط ہے! ہاں یہ سچ ہے کہ یہاں مجھے ہر طرح کا عیش و آرام میسر ہے، خلیفہ میرا عاشق ہے میں اس کی محبوبہ ہوں، جو چاہتی ہوں وہ ہو جاتا ہے، جو چاہوں وہ ہو سکتا ہے، یہ راحت یہ عیش جاودان، یہ سرور بے اندازہ، یہ تنعم، یہ عافیت، یہ آرام، یہ بیش قیمت اور بے بہا زیور یہ قیمتی اور گراں مایہ قالین، یہ نرم نرم گدے اور سب سے بڑھ کر یہ دنیاوی جنت قصر زہرا، بھلا ان چیزوں کا جواب ہو سکتا ہے کہیں!؟

خادمہ :۔ وہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں میری بچی!

زہرا :۔ لیکن ان سب چیزوں کو وہاں کی زندگی کے مقابلہ میں ہیچ اور کمتر سمجھتی ہوں!۔
——— ہائے اب وہ زمانہ کہاں، اب وہ آزادی کہاں، اب وہ نشاطِ سرمدی

کہاں؟ وہ سلگتی ہوئی لکڑیوں کے الاؤ کہاں؟ وہ جانوروں کے ریوڑ کہاں؟
وہ بے فکری کہاں؟ وہ جماؤ کہاں؟ وہ پہاڑ کہاں؟ وہ وادی کہاں؟
وہ چٹانیں کہاں؟ وہ گھاٹیاں کہاں؟ —— خالہ جب یہ باتیں یاد آجاتی ہیں تو دل میں اک ہُوک سی اٹھتی ہے جیسے اندر ہی اندر کوئی کلیجہ مسلنے لگتا ہے!

خادمہ :- لیکن اب ناممکن تمنا سے حاصل کیا؟ وہ دَور ختم ہوگیا اب واپس نہیں آسکتا!

زہرا :- کاش میرا بھائی مجھے واپس مل جاتا، میرے آنسو تھم جاتے اسے پاکر اُسے دیکھ کر

خادمہ :- اس کا ملنا بھی اب مشکل ہے'!

زہرا :- خدا کے لیے ایسے بدفالی کے لفظ منہ سے نہ نکالو، خدا کرے وہ زندہ ہو، اللہ کرے وہ مجھے مل جائے، خدا کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے'!

خادمہ :- تمہارا نام تو اب ساری دنیا میں مشہور ہے، اگر وہ زندہ ہوتا تو مل نہ جاتا آکر!

زہرا :- نہیں یہ بات بھی نہیں، میرا اصلی نام زہرا نہیں، یہ نام تو یہاں آکر پڑا ہے، میرا بھائی تو وہی نام جانتا ہے جو تھا!

خادمہ :- وہ کیا تھا؟

زہرا :- مینا۔ —— اور ٹھنڈی سانس لے کر اب اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا ہے جس کے جیون پر!

خادمہ :- خدا کرے وہ مل جائے دل سے دُعا کرتی ہوں!

زہرا :- آمین!

خادمہ :- لیکن وہ بچھڑا کیسے؟

زہرا :- آہ کیا بتاؤں!

خادمہ :- کچھ تو کہو، درد کی کہانی کہنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے!

زہرا :- جانتی ہوں، اسی لیے ایک سانس میں ساری کہانی سُنا دی،!

خادمہ :- تو یہ بھی بتا دو وہ بچھڑا کس طرح؟

زہرا :- ہائے وہ سماں نہیں بھولتا، کسی طرح نہیں بھولتا، اندھیری رات تھی، ہماری کشتی ڈگ مگ ڈگ مگ کرتی سمندر کے ہچکولے سہتی چلی جا رہی تھی کہ وہ میرا بھائی میرا پیارا بھائی میرے پہلو سے پہلو ملائے بیٹھا تھا، اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اس کا گول گول معصوم سا چہرہ میری نظر کے سامنے تھا کہ بحری قزاقوں نے ڈاکہ ڈالا، مجھے چھین لے گئے، اور میرا بھائی وہیں رہ گیا وہ میرا ہاتھ پکڑ پکڑ کر زور لگا رہا تھا اور یہ ظالم اسے دھکے دے دے کر پیچھے ہٹا رہے تھے۔ —— آہ اُف،!

یہ کہہ کر زہرا بچّوں کی طرح بلک بلک کر اور پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی، خادمہ غریب کا خود یہ حال تھا کہ وہ زہرا سے زیادہ متاثر تھی، وہ بھی اس کے گلے میں باہیں ڈال کر رونے لگی! —— رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی اور یہ دونوں گلے میں باہیں ڈالے رو رہی تھیں!

وہ آدمی — !

بڑی دیر تک دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے، پھر خادمہ نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

خادمہ:۔ بیٹی صبر کرو، !

زہرا:۔ خالہ صبر کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہوں! وہ تو کرنا ہی پڑے گا، کر ہی رہی ہوں!

خادمہ:۔ پھر تم یہاں کیسے پہنچ گئیں، امیر المؤمنین الناصر کے محل میں؟

زہرا:۔ یہ بھی ایک لمبی داستان ہے، !

خادمہ:۔ تو کہہ ڈالو نا، آخر نیند تو آنے سے رہی، !

زہرا:۔ اب میں جن لوگوں کے قبضہ میں تھی، وہ سب مجھ پر بہت مہربان تھے اور اس فکر میں تھے کہ مجھے کسی اچھی جگہ اچھے داموں پر بیچ دیں، !

خادمہ:۔ اے ہے، یہ کم بخت بھی بردہ فروش تھے؟

زہرا:۔ جو چاہو سمجھ لو، میں کیا جانوں کون تھے؟ ——— انہی میں ایک شخص تھا سلیمان، نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر مجھے وحشت سی ہونے لگتی تھی وہ کچھ اس طرح للچائی ہوئی نظروں سے مجھے گھورا کرتا تھا، اس طرح گھس گھس کر میرے پاس بیٹھتا تھا کہ اسے دیکھ کر مجھے متلی سی ہونے لگتی تھی!

خادمہ:۔ آدمی کو دیکھ کر متلی ہونے لگتی تھی؟

زہرا :۔ ہاں خالہ ——— وہ جتنا جتنا مجھ سے گھلنے ملنے کی کوشش کرتا تھا اتنا ہی اتنا میں اس سے متنفر اور بیزار ہوتی جاتی تھی۔

خادمہ :۔ (ہنس کر) ہائے کیا گزرتی ہوگی بیچارے کے دِل پر!

زہرا :۔ ایک دن اُس نے کچھ بدتمیزی کی باتیں مجھ سے کرنا چاہیں!

خادمہ :۔ اتنا بڑھ گیا حوصلہ اس کا!

زہرا :۔ ہاں۔ — میں نے ڈانٹ دیا اور دوسرے جو لوگ تھے ان سے شکایت کردی!

خادمہ :۔ پھر تو خوب گت بنی ہوگی۔

زہرا :۔ ہاں خوب گت بنی، بلکہ شاید پٹا بھی،!

خادمہ :۔ بہت اچھا ہوا۔

زہرا :۔ لیکن وہ پھر میرا جانی دشمن ہوگیا!

خادمہ :۔ وہ تو ہوا ہی چاہیے،!

زہرا :۔ بلکہ ایک دن اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ مجھے کہیں کا نہ رکھے گا —— اور ہاں یہی وہ بدبخت تھا جس نے میرے بھائی کو دھکّے دے دے کر میرے ساتھ نہیں آنے دیا تھا، اسی کشتی میں دھکیل دیا تھا، اس لئے میں اور زیادہ اس سے جلتی تھی، اور اس کی صورت دیکھ کر مجھے غصّہ چڑھ آتا تھا!

خادمہ :۔ پھر تو تمہاری نفرت بالکل بجا تھی ——۔ اچھا تو اب دھمکی بھی دینے لگے حضرت؟

زہرا :۔ ہاں، لیکن میں بھی کب ماننے والی تھی، میں نے پھر شکایت کردی، اس مرتبہ

پہلے سے زیادہ گت بنی، اور ان لوگوں نے اپنے گروہ سے اُسے نکال دیا، اور کہا، اب اگر تو نے ادھر کا رُخ کیا تو ہم تیری ناک کاٹ لیں گے، یہ کہہ کر دو جوڑے کپڑے، اور چند روپے دے کر اسے چلتا کر دیا، جاتے وقت اُس نے ان لوگوں سے کچھ نہ کہا، لیکن مجھ سے یہ کہتا گیا تم نے مجھے اپنا دشمن بنا لیا ہے اور میں اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتا، یاد رکھو ایسا انتقام لوں گا کہ عمر بھر یاد رکھو گی، ایسا تڑپا تڑپا کر ماروں گا کہ عبرت کا سامان بن جاؤ گی دوسروں کے لئے!

خادمہ:۔ اے واہ رے مردوے،!

زہرا:۔ اتنے دنوں کے بعد پہلی مرتبہ مجھے سلیمان کی لاف زنی پر ہنسی آئی، میں جانتی تھی، اب یہ میرا کچھ بھی نہیں کر سکتا، اب یہ یہاں قدم بھی نہیں رکھ سکتا اس میں اتنی ہمّت بھی نہیں کہ میرا بال بیکا کر سکے، لیکن دھمکی دیئے جا رہا ہے جیسے یہ سب کچھ کر سکتا ہے، جیسے یہ واقعی میری زندگی غارت کر کے رکھ دے گا،!

خادمہ:۔ لُچّا کہیں کا! —— اچھا پھر کیا ہوا؟

زہرا:۔ سلیمان تو چلا گیا، اور وہ لوگ میرے فروخت کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے مگر جب میرے منہ مانگے دام انہیں نہ ملے تو وہ مجھے لے کر قرطبہ میں آئے اور یہاں مجھے نیلام پر چڑھا دیا، اتفاق سے امیرالمومنین کے خواجہ سرا یاسر کی مجھ پر نظر پڑ گئی اس نے منہ مانگے داموں سے بھی زیادہ قیمت دے کر مجھے خرید لیا اور امیرالمومنین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہاں آ کر میری

قسمت واقعی بدل گئی امیرالمومنین نے اتنی توجہ فرمائی کہ میں محسود بن گئی ایک دُنیا مجھ سے رشک وحسد کرنے لگی، محل کا ایک ایک ذرّہ حسد کی آگ میں جلنے لگا، لیکن امیرالمومنین کی محبت بڑھتی ہی گئی، سچ کہتی ہوں خالہ، اگر بھائی کا غم مجھے نہ ہوتا تو واقعی امیرالمومنین کے زیرِ سایہ میں بڑے سکھ اور عیش کی زندگی بسر کرتی، لیکن کیا کروں وہ ہر وقت یاد آتا ہے اور جب اسے یاد کرتے کرتے میں کھو جاتی ہوں تو امیرالمومنین مجھ سے بدگمان ہو جاتے ہیں، بھلا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے مجھ پر!

خادمہ :۔ ہاں یہ تو سچ ہے لیکن امیرالمومنین بھی قابلِ معافی ہیں، وہ بھلا ان تفصیلات کو کیا جانیں، —— یا جانتے ہیں سب کچھ؟

زہرا :۔ نہیں کچھ نہیں جانتے، وہ بھلا کیا جانیں!

خادمہ :۔ انشاء اللہ میں تمہارے بھائی کو ڈھونڈ کر رہوں گی!

زہرا :۔ بس وہ دن میرے لیے یوم عید ہوگا!

خادمہ :۔ اچھا ایک ترکیب کیوں نہ کروں؟

زہرا :۔ وہ کیا؟

خادمہ :۔ یہ تمہارے نئے استاد جو مقرر ہوئے ہیں گانا سکھانے کے لئے ——

زہرا :۔ کون سعید؟ ہاں تو ان سے کیا مطلب؟

خادمہ :۔ مجھے معلوم ہوا ہے، وہ بڑے اچھے نجومی بھی ہیں، کیوں نہ ان سے اپنے بھائی کے بارے میں پوچھو ان سے، یقیناً نجوم کے زور سے سب کچھ بتا دیں گے!

زہرا :- (کچھ سوچتے ہوئے) ہاں ترکیب تو اچھی ہے!

خادمہ :- میں نے سُنا ہے سارے قرطبہ میں ان سے اچھا کوئی رمّال اور نجومی نہیں ہے میرا دِل گواہی دیتا ہے تمہارے بھائی کا پتہ ضرور مِل جائے گا، اگر وہ زندہ ہوئے، !

زہرا :- پھر تم نے اگر کہا ——— وہ ضرور زندہ ہے، انشاءاللہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا، بہرحال میں اس پہ غور کر کے فیصلہ کر دوں گی، فوری طور پہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی!

---

(۴۰)

دھاک بیٹھ گئی

جوہر نے آکر سعید کو وہ سارا ماجرا سُنا دیا تھا۔ جو الناصر اور زہرا کے مابین گزرا تھا، وہ پردہ کے پیچھے کھڑا ان دونوں کی باتیں سُن رہا تھا۔ اُس نے چند روز کی ملازمت پر اتنا اثر جما لیا تھا کہ وہ اسے اپنا معتمد ترین خادم گردانتے لگی تھی، جب اس نے یہ ساری باتیں سُن لیں تو اپنے آقا و مولا سعید کو جا کر بتا دیں، سعید سمجھ گیا کر اب خلیفہ ضرور مجھے بلائے گا۔ اور میرے علم نجوم کی مدد سے اس واقعہ کی اصلیّت اور ماہیت دریافت کرے گا۔ یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گیا۔ بستر پر لیٹا اور آرام کی نیند سو گیا، جب سے وہ اس قصر میں آیا تھا آج پہلی مرتبہ اتنی گہری نیند آئی تھے اسے، !

صبح اٹھنے کے بعد وہ خلیفہ کے پیامبر کا انتظار کرنے لگا، لیکن اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا، یاسر آیا اور اس نے کہا فوراً چلئے آپ کو امیرالمومنین نے ابھی یاد فرمایا ہے سعید نے انجان بن کر دریافت کیا چل تو رہا ہوں لیکن کوئی خاص بات ہے کیا؟ یاسر نے جواب دیا یہ میں نہیں جانتا امیرالمومنین نے مجھے جو حکم دیا ہے وہ میں نے آپ تک پہنچا دیا، لیکن کیوں بلایا ہے؟ یہ مجھے بالکل معلوم نہیں، سعید نے فوراً کپڑے بدلے اور یاسر کے ساتھ ہو لیا، وہ جب الناصر کے کمرہ میں پہنچا تو وہ اضطراب کے عالم میں ٹہل رہا تھا، اسے دیکھتے ہی اس نے یاسر سے کہا تھا، تم جا سکتے

ہو، وہ فوراً باہر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد خلیفہ نے لطف و مہر کی نگاہ
سے سعید کو دیکھا اور کہا۔

الناصر:۔ اس وقت ہم نے تمہیں ایک مقصد سے بلایا ہے'!

سعید:۔ غلام اسے انجام دینے میں اپنی جان کی پروا نہیں کرے گا!

الناصر:۔ جزاک اللہ ——— ہم نے سُنا ہے تم فنِ نجوم میں بھی کمال
رکھتے ہو؟

سعید:۔ مجھ جیسا بے کمال انسان کسی فن میں کمال کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا، لیکن ہاں
کچھ شدبد ضرور جانتا ہوں'!

الناصر:۔ یہ تو بتاؤ حسبِ قرارداد کل تم زہرا کو موسیقی کی تعلیم دینے گئے تھے؟

سعید:۔ جی ہاں گیا، لیکن وہ کہیں گئی ہوئی تھیں'!

الناصر:۔ کہاں گئی تھیں؟

سعید:۔ غلام اس کے بارے میں کیا عرض کر سکتا ہے؟

الناصر:۔ اپنے نجوم کے زور سے بتاؤ تاکہ ہم بھی جانیں، واقعی کس حد تک یہ فن
آتا ہے!

سعید:۔ بہتر میں کوشش کرتا ہوں ——— تھوڑا سا لوبان اور عود منگا
دیا جائے'!

خلیفہ کے حکم سے فوراً ایک انگیٹھی میں عود اور لوبان سلگنے لگا، جب دھواں سارے
کمرہ کو محیط ہو گیا تو سعید نے اُسے دونوں ہاتھوں سے اپنے سینہ کی طرف الجھنا شروع
کیا اور بڑبڑانے لگا،

"ایں یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ ——

"شہزادہ عبداللہ —— ——

"ارے ارے زہرا بھی؟ ——

یہ دونوں باغ کے کنج میں رات کے وقت بیٹھے باتیں کر رہے ہیں؟

حیرت، تعجب۔

پھر سعید خاموش ہوگیا، الناصر نے اس کی باتیں سنیں تو اس کا اعتقاد اور زیادہ مضبوط و مستحکم ہوگیا، اس نے یقین کرلیا، سعید واقعی غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں اور روحانی کمالات کا آدمی ہے، لیکن وہ بھی چپ چاپ اور خاموش بیٹھا رہا، تھوڑی دیر کے بعد جب دھواں کم ہوا تو سعید نے کہا۔

سعید:۔ امیرالمومنین میں اعترافِ خطا کرنا چاہتا ہوں،!

الناصر:۔ (حیرت سے) کیا ہوا؟ کیسی خطا؟

سعید:۔ اب تک میں اپنے علم کو بے خطا سمجھتا تھا، کبھی اس فن نے مجھے دھوکا نہیں دیا میں یہ سمجھنے لگا تھا کہ میں نے اس فن پر مکمل قابو حاصل کرلیا ہے یہ اب کبھی مجھے دھوکا نہیں دے سکتا ——

الناصر:۔ لیکن ہوا کیا؟

سعید:۔ آج معلوم ہوا یہ فن مجھے دھوکا دے سکتا ہے، بلکہ میں تو یہ سمجھنے لگا ہوں، یہ فن ہی سرے سے جھوٹ اور لغو ہے!

الناصر:۔ لیکن آخر کیوں؟

سعید:۔ اس لیے کہ میں نے جو کچھ دیکھا وہ بالکل جھوٹ ہے!

سعید :۔ میں نے دیکھا زہرا اور عبداللہ رات کے وقت، ایک درخت کی آڑ میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں —— یہ کبھی نہیں ہو سکتا، یہ ناممکن ہے، یہ جھوٹ ہے، یہ انہونی بات ہے، لہذا میرے اعترافِ خطا کو قبول فرمائیے اور معاف کر دیجئے مجھے!

الناصر :۔ تم نے ان دونوں کو باتیں کرتے ہوئے بھی تو سُنا تھا؟

سعید :۔ جی ہاں سُنا تھا!

الناصر :۔ وہ باتیں کس قسم کی تھیں؟ کیا کہہ رہے تھے یہ لوگ آپس میں؟

سعید :۔ یہ میں نہیں بتا سکتا،!

الناصر :۔ کیوں؟ وجہ؟

سعید :۔ اس لیے کہ میں باتیں نہیں سُن سکا، باتیں بہت آہستہ آہستہ ہو رہی تھیں، پھر یہ علم مشاہدہ میں کامل ہوتا ہے، سماعت میں نہیں!

الناصر :۔ لیکن اگر کوشش کی جائے،!

سعید :۔ تو سُنا جا سکتا ہے،!

الناصر :۔ تو کوشش کرو، ریاضت کرو، عمل کرو اور وہ باتیں سُن لو کسی طرح جو ان دونوں میں ہو رہی تھیں،!

سعید :۔ بہت خوب۔

الناصر :۔ یہ کام کب تک ختم کر سکو گے تم؟

سعید :۔ چند روز تو لگ ہی جائیں گے، ممکن ہے زیادہ دن بھی لگ جائیں کیونکہ کسی فن سے وہ کام لینا جو اس کے اصول کے خلاف ہو بہت زیادہ

محنت اور ریاضت کا طالب ہے!

الناصر:- کیا آج تم زہرا کے پاس تعلیم دینے جاؤ گے؟

سعید:- اگر اجازت ہو، !

الناصر:- وہ تو تمہیں مل چکی ہے۔

سعید:- تو ضرور جاؤں گا کیونکہ رکھا اسی لیے گیا ہوں۔

الناصر:- ٹھیک ہے وہاں جاؤ اور ہم کو ہر روز مطلع کرتے رہو کہ زہرا نے اس فن میں کہاں تک ترقی کر لی ہے؟ اور کس رفتار سے ترقی کر رہی ہے؟

(۴۱)

نجومی نے بتا دیا!

الناصر کی خلوت گاہ سے رخصت ہو کر سعید اپنی قیام گاہ پر آیا، کھانا کھایا اور بستر پر لیٹ رہا، سہ پہر کو یاسر حاضر ہوا اور اس نے کہا زہرا خانم نے آپ کو یاد کیا ہے۔ انہوں نے تعلیم کا یہی وقت مقرر فرمایا ہے، سعید اس کے ساتھ زہرا کے قصر پر پہنچا۔ وہاں جوہر پہلے سے انتظار کر رہا تھا، یاسر تو چلا گیا، اور جوہر اس سے یہاں اس طرح پیش آیا گویا وہ بالکل نہیں جانتا سعید کون ہے اور کیوں آیا ہے؟ وہ سعید کو لے کر ایک کمرہ میں پہنچا، یہاں بھی پردہ پڑا ہوا تھا، اور پردہ کے پیچھے زہرا بیٹھی تھی، سعید اپنی جگہ پر بیٹھ گیا، جوہر نے فرا زور سے کہ زہرا بھی سن لے پوچھا

کیا آپ ہی سعید کتب فروش ہیں جو ہماری ملکہ کو آدابِ موسیقی کی تعلیم دینے آئے ہیں؟

سعید نے اقرار میں جواب دیا، جوہر نے فوراً ایک باجہ لا کر سعید کے سامنے رکھ دیا، اور کہا،

"ہماری ملکہ اسی باجہ سے جو کچھ سیکھتا ہے سیکھے گی!"

سعید نے اس باجہ کو لیا، اور اِدھر اُدھر سے ٹھونک بجا کر تاروں کو ٹھیک کر کے اور کھونٹیوں کو درست کر کے جوہر کے حوالہ کیا اور اس سے کہا،

"ملکہ سے کہہ دو اسے اسی سُر پہ بجائیں جس پر میں نے اسے درست کیا ہے!

زہرا نے وہ باجہ لے کر بجانا شروع کر دیا، لیکن بار بار غلطی کر رہی تھی، سعید ہر مرتبہ بتاتا تھا۔ یہ پردہ گھٹا دیجئے، وہ پردہ بڑھائیے، اس کھونٹی کو کس دیجئے، اس کھونٹی کو ڈھیلا کر دیجئے۔

لیکن زہرہ اس وقت کسی دوسرے عالم میں تھی، وہ اس کے علم نجوم کا امتحان کرنا چاہتی تھی، اسے اپنا بھائی یاد آ رہا تھا، اور وہ چاہتی تھی کہ اس سے اس کی خیریت دریافت کرے اس کا حال پوچھے اس کے مستقبل کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور خود سعید بھی اس وقت ہوش میں نہ تھا، وہ زہرا سے اس قدر قریب تھا، پھر بھی بہت دُور تھا، ایک پردہ حائل تھا، اور اس نے اس کے جمالِ جہاں آرا کے دیدار سے محروم کر دیا تھا، اس کا جی چاہتا تھا، یہ پردہ ہٹ جائے اور وہ آزادی سے گلشنِ حسن کی گلچینی کر سکے، آخر اس نے تنگ آ کر جوہر سے کہا، اس طرح تو تعلیم ہو چکی۔ ہر ہر بات۔۔ مجھے تمہارے ذریعے سے کہلانا پڑتی ہے، باجہ اور گانے کے سلسلہ میں ہر ہدایت کے پیامبر تم ہی بنتے ہو، اور تم فنِ موسیقی سے بالکل کورے ہو، نہ جانے کیا غلط سلط جا کر بتا دیتے ہو، ملکہ سے کہو، اگر وہ اس غلام پر اعتماد کر سکتی ہیں تو پردہ ہٹا دیں اور تعلیم حاصل کریں، اور نہیں کرتیں تو غلام کو رخصت کر دیں، اس سے کیا فائدہ کہ میں آؤں بھی، اور کام بھی نہ بنے'!

جوہر نے جا کر یہ باتیں زہرا سے کہہ دیں، تھوڑی دیر میں وہ واپس آیا اور اس نے کہا،

ملکۂ عالیہ فرماتی ہیں، ہمیں پردہ اُٹھا دینے میں کوئی عذر نہیں ہے، لیکن ایک شرط ہے!

شرط کا نام سنکر سعید چکرا گیا، اس نے کہا،

"شرط کیسی؟ میں بالکل نہیں سمجھا!"

جوہر نے جواب دیا۔

ملکۂ عالیہ کچھ دریافت کرنا چاہتی ہیں، آپ اپنے نجوم کے ذریعہ ٹھیک ٹھیک جواب پہلے دے دیجئے، پھر پردہ اُٹھے گا،!

سعید نے بڑی آمادگی اور مستعدی کے ساتھ کہا،

"ملکہ جو کچھ پوچھنا چاہتی ہیں شوق سے پوچھیں، انشاءاللہ بالکل صحیح جواب ان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا،!

جوہر:۔ وہ ایک گم شدہ شخص کے بارے میں دریافت کرنا چاہتی ہیں، جس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا، اگر زندہ ہے تو کس حالت میں ہے؟ ــــــــــــــ کیا آپ ہماری ملکہ کو اس سلسلہ میں صحیح حالات بتا سکتے ہیں؟

سعید:۔ (جیب سے ایک ڈائری سی نکال کر ورق گردانی کرنے کے بعد) ملکۂ عالیہ شاید اپنے گمشدہ بھائی کے بارے میں دریافت کرنے کی آرزومند ہیں؟

یہ سُنکر زہرا فرطِ مسرت سے بے قابو ہو گئی، اس نے جوہر کے واسطہ کے بغیر خود ہی پُوچھا۔

بتائیے! اس کا نام کیا ہے؟

سعید:۔ اس کا قدیم نام سالم ہے!

یہ سُن کر زہرا اپنی جگہ سے اُچھل پڑی اس نے بڑی بے تابی کے ساتھ پُوچھا۔

زہرا :۔ کیا وہ زندہ بھی ہے ؟

سعید :۔ اب تک تو زندہ ہے !

زہرا :۔ اب تک سے کیا مطلب؟ کیا اس کی زندگی خطرہ میں ہے ؟

سعید :۔ بہت زیادہ خطرہ میں، یوں سمجھئے اس کے سر پر تلوار لٹک رہی ہے !

زہرا :۔ تو مجھے بتا دیجئے، کیا خطرہ ہے ؟ میں امیرالمومنین سے کہہ کر اسے ہر خطرہ سے بچا لوں گی !

سعید :۔ نہیں آپ اسے نہیں بچا سکتیں !

زہرا :۔ میں نہیں امیرالمومنین !

سعید :۔ وہ بھی نہیں بچا سکتے۔

زہرا :۔ واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ وہ ہر خطرہ سے اُسے بچا لیں گے.

سعید :۔ ملکہ عالیہ اُسے خطرہ کسی اور سے نہیں خود امیرالمومنین سے ہے۔ وہ اس کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں، جو اس کی شفاعت کرے گا وہ بھی مارا جائے گا، کسی طرح نہیں بچ سکتا!

زہرا :۔ لیکن کیوں ؟ کیا خطا کی ہے اس نے ؟

سعید :۔ بہت بڑی ——— ناقابلِ برداشت، ناقابلِ معافی !

(۴۲)

یا اللہ رحم!

زہرا، اب الناصر سے بھی زیادہ سعید کے علم و فن کی معتقد ہوگئی تھی، وہ اسے نجومی نہیں ولی سمجھنے لگی تھی۔ لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ باتیں ایک نئے خواجہ سرا جوہر کے سامنے ہوں۔ اس نے جوہر سے اشارہ کیا کہ وہ چلا جائے، چنانچہ وہ سامنے سے ہٹ گیا، اس کے جانے کے بعد زہرا نے پردہ ہٹا دیا، اور وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور سر پر خمار (اوڑھنی) ڈال کر چلمن کے قریب آکر بیٹھ گئی، جہاں سعید بیٹھا ہوا تھا! سعید اسے آتا دیکھ کر سروقدم تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا، زہرا پاس آکر بیٹھ گئی، شرم سے اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں، اس نے دریافت کیا،

"کیا واقعی سالم کے لیے خطرہ ہے"؟

اتنے میں زہرا کی نگاہ سعید پر پڑی، اس نے فوراً نیچی کر لی، لیکن پھر اسے دیکھا، اور ایسا محسوس کیا جیسے اُسے پہلے کہیں دیکھ چکی ہے، پھر اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا اور غور سے سعید کو دیکھنے لگی!

سعید نے اس کی یہ کیفیت بھانپ لی اور کہا۔

سعید:۔ آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ خطرہ کی، اور دہشت کی کوئی بات نہیں، ——— آپ اطمینان رکھئے، امیر المومنین سالم کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے، وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، وہ صحیح و سالم ہے اور صحیح و سالم

رہے گا!

زہرا:۔ خدا آپ کو خوش رکھے، آپ نجومی نہیں میرے لیے ایک ولی ہیں ولی!

سعید:۔ استغفراللہ ——— یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، میں ایک معمولی آدمی ہوں، گناہ گار، خطاکار، مستحق تعزیر وعقوبت ——— مجھے دیکھئے، میری طرف دیکھئے!

زہرا نے نگاہِ غور سے سعید کے چہرے کو دیکھا، اور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپالیا اور کہا،

زہرا:۔ آہ ——— یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟ یہ عالم بیداری ہے یا عالمِ خواب؟ یا اللہ مجھ پر رحم فرما، میں کہاں ہوں؟ کس حال میں ہوں؟

سعید:۔ آپ عالم بیداری میں ہیں۔ آپ کا ایک کمترین نیاز مند آپ کے حضور میں حاضر ہے!

زہرا:۔ (دونوں ہاتھ منہ سے ہٹاکر) کاش یہ عالم خواب ہوتا!

سعید:۔ کیوں؟ یہ تمنا کس لیے؟

زہرا:۔ تاکہ جو کچھ دیکھ رہی ہوں، وہ نہ دیکھ سکتی!

سعید:۔ (ہنس کر) معاملاتِ قدرت میں کون دخل دے سکتا ہے ——— اگر کچھ اور دریافت کرنا ہو تو فرمایئے، ورنہ اجازت مرحمت فرمایئے، تاکہ میں واپس جاؤں!

زہرا:۔ تمہیں کس نے روکا ہے؟

سعید:۔ تو کیا میں چلا جاؤں؟

زہرا:۔ ہاں فوراً؟

سعید:- میری سمجھ میں نہیں آتا آپ دفعتہً اتنی برہم کیوں ہوگئیں؟ اگر کوئی خطا سرزد ہوئی ہو تو اس کی معافی چاہتا ہوں!

زہرا:- خطا ——— معافی ———!

سعید:- جی ——— میں بالکل خلوصِ قلب سے عرض کر رہا ہوں!

زہرا:- تمہارا نام کیا ہے؟

سعید:- سعید ——— کتب فروشی میرا پیشہ ہے! اب موسیقی کے اُستاد کی حیثیت سے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں، آپ نے خواہ مخواہ مجھے رمل اور نجوم کے چکر میں ڈال دیا ہے۔

زہرا:- تم جھوٹے ہو!

سعید:- میرا جھوٹ؟

زہرا:- تم سعید کتب فروش نہیں ہو!

سعید:- پھر کیا ہوں؟

زہرا:- بدمعاش، لچے، شیطان!

سعید:- آخر کس صلہ میں یہ خطابات مجھے عطا کئے جا رہے ہیں؟

زہرا:- اس لیے کہ تم انہی کے سزاوار ہو!

سعید:- اور اس ہستی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو اپنے ولی نعمت کو دھوکا دیکر اس کی مہربانی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کے بیٹے سے رات کے وقت خلوت میں گھُل مل کر باتیں کرے؟

زہرا:- ایسیں بہ چپیں بہو گر، یہ تیرے شیطان اور خبیث ہونے کا دوسرا ثبوت ہے!

سعید:- مانتا ہوں اس سے بھی بدتر خطابات کا مستحق ہوں، لیکن آپکی مدد میرے سوا کوئی نہیں کر سکتا،

زہرا:۔ تجھ جیسے روسیاہ سے میں کسی مدد کی طالب نہیں ہو سکتی، چلا جا دفع ہو جا یہاں سے میں تیری صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی!

سعید:۔ بہتر ہے چلا جاتا ہوں!

زہرا:۔ تو پھر جاتا کیوں نہیں؟ کھڑا کیوں ہے؟

سعید:۔ یہ خوب سمجھ لیجئے آپ کی مصیبت میرے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا!

زہرا:۔ مجھے موت منظور ہے تیری مدد کے مقابلہ میں!

سعید:۔ لیکن ابھی تو آپ اپنے بھائی سالم سے بڑی محبت جتا رہی تھیں، گویا اس کے فراق میں مری جا رہی تھیں!

زہرا:۔ ہاں وہ میرا اکلوتا بھائی ہے۔ اس کے فراق میں واقعی میری جان پر بنی ہے لیکن تجھے اس سے کیا؟ تو اس کا نام کیوں لیتا ہے؟

سعید:۔ صرف میں ہی اس دنیا میں اسے موت سے بچا سکتا ہوں!

زہرا:۔ تم کون ہو؟

سعید:۔ کیا آپ نے اب تک اپنے دیرینہ خادم بلکہ غلام کو نہیں پہچانا ——— ؟

زہرا:۔ تم اپنا نام کیوں نہیں بتاتے؟

سعید:۔ بتا تو دیا مجھے سعید کہتے ہیں، کُتب فروشی کا پیشہ کرتا ہوں۔ اس محل میں نجومی بن کر آیا ہوں!

زہرا:۔ یہ تمہارا اصلی نام نہیں ہے اصلی نام بتاؤ!

سعید:۔ آپ جانتی تو ہیں خواہ مخواہ پوچھ رہی ہیں میرا نام سلیمان ہے!

یہ سنتے ہی زہرا تیورا کر گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی!

(۴۳)

داؤ چل گیا!

سعید نے فوراً اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں، اور ذرا دیر میں وہ ہوش میں آگئی۔ اس نے سعید کو نفرت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا،

"آہ تو ہی سلیمان ہے، میری ساری مصیبتوں، بربادیوں اور تباہیوں کا اصل سبب میں تجھے معاف نہیں کر سکتی، تو اب بچ کر نہیں جا سکتا، تجھے ضرور سزا ملے گی،"!

سعید:۔ یہ صلہ ہے میری محبت کا، زہرا تمہاری محبت میں میں نے کیا کیا نہ کیا؟ کیسے کیسے پاپڑ نہ بیلے، کیسے کیسے گناہ نہ کئے، کس کس طرح کے جرائم نہ کئے؟ صرف اس لیے کہ تم مجھے مل جاؤ۔ تمہیں میں پالوں اور تم مجھے یوں جھڑک رہی ہو؟ یوں میری محبت کی توہین کر رہی ہو؟ یوں میرے زخمی دل پر چرکے لگا رہی ہو۔

زہرا محبت کو ٹھکرانا اچھا نہیں ہوتا،

زہرا:۔ خاموش او بے ادب، تو نہیں جانتا میں کون ہوں؟

سعید:۔ خوب جانتا ہوں تم زہرا ہو، الناصر کی محبوبہ، قصر زہرا کی مالک، قرطبہ کی فرماں روا لیکن مجھے دیکھو، مجھے پہچانو میں فقیر سہی، بے مایہ سہی، پریشان حال سہی، لیکن محبت بھرا دل اپنے سینہ میں رکھتا ہوں، تمہیں چاہتا تھا، تمہیں چاہتا ہوں، تم ہی کو چاہتا رہوں گا، ایسی بے لوث محبت کا ٹھکرا دینا گناہ ہے،

پاپ ہے، یہ نہ کرو!

زہرا:۔ تو قابلِ نفرت ہے!

سعید:۔ کس خطا میں؟

زہرا:۔ میری ساری بربادیوں کا سبب تو اور صرف تو ہے!

سعید:۔ میرا اگر کوئی گناہ ہے تو صرف یہ

کہ تم کو پوجتا ہوں، چاہتا ہوں، پیار کرتا ہوں! اور اس گناہ کا مجھے اعتراف ہے، یہ گناہ میں نے کیا، اور زندگی کی آخری سانس تک کرتا رہوں گا، یہ گناہ اب میری زندگی کا جزو بن گیا ہے!

زہرا:۔ تو اسے بھول رہا ہے تو کس سے مخاطب ہے؟

سعید:۔ نہیں، یہ مجھے یاد ہے!

زہرا:۔ تو امیرالمومنین کی محبوبہ سے بدتمیزی اور گستاخی کر رہا ہے!

سعید:۔ بالکل نہیں، میں اپنی محبوبہ سے بات کر رہا ہوں، پہلے تم میری محبوبہ ہو، پھر امیرالمومنین کی، پہلے میں نے تم سے محبت کی، پھر امیرالمومنین نے، میرا حق امیرالمومنین دام اقبالہٗ سے کہیں زیادہ ہے۔!

زہرا:۔ میں تیری اس زبان درازی کا ذکر امیرالمومنین سے کروں گی اور اس کے بعد پھر تجھے موت سے کوئی نہیں بچا سکے گا!

سعید:۔ لیکن اس سے پہلے سالم اس دُنیا سے رخصت ہو چکا ہو گا!

زہرا:۔ تو اس پر دسترس نہیں حاصل کر سکتا۔

سعید:۔ وہ میرے قبضہ میں ہے، جب چاہوں مُرغی کی طرح اس کی گردن مروڑ ڈالوں!

زہرا :۔ جھوٹ، غلط!

سعید :۔ تو میں آپ کا یہ چیلنج منظور کرتا ہوں!

زہرا :۔ یعنی ——— ؟

سعید :۔ تھوڑی دیر میں سالم کی گردن آپ کے سامنے پھڑکتی ہوگی، صرف ذرا سا انتظار کر لیجئے!

زہرا :۔ (ازرہ بگڑ کر) اس کی تجھے مہلت نہیں ملے گی، ابھی امیرالمومنین کو تیرے کرتوت سے واقف کرتی ہوں۔

سعید :۔ ہاں آپ یہ کر سکتی ہیں لیکن اُلٹی ذلّت اٹھانا پڑے گی آپ کو۔

زہرا :۔ یہ کیوں؟

سعید :۔ اس لیے کہ امیرالمومنین مجھ سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے ہیں، حد یہ ہے کہ وہ آپ کے کہنے سے بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ہاں اگر میں چاہوں تو بلاشبہ آپ کو ان کی نظر میں ذلیل کر سکتا ہوں!

زہرا :۔ جعل ساز!

سعید :۔ آپ شوق سے جو چاہے کہئے، لیکن اسے نہ بھولئے کہ میں بھی بہت بڑی طاقت ہوں، مجھے خفا نہ کیجئے، میری بد دعا نہ مول لیجئے، یہ سودا گھاٹے کا سودا رہے گا آپ بھی اپنی عظمت و رفعت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی!

زہرا :۔ میں اپنی زندگی کی، اپنی عظمت و رفعت کی تجھ سے بھیک نہیں مانگنا چاہتی!

سعید :۔ لیکن اپنے بھائی پر تو رحم کیجئے، اس کی جان تو نہ لیجئے!

زہرا :۔ تو اس کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا!

سعید:۔ ایسی باتیں کر کے مجھے مجبور نہ کیجئے!

زہرا:۔ کیا کرے گا تو؟

سعید:۔ اسے ہلاک کر دوں گا۔ وہ میرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کی جان میری مٹھی میں ہے، وہ صرف میرے رحم وکرم پر زندہ ہے۔

زہرا:۔ لیکن تم اس کے دشمن کیوں ہو؟

سعید:۔ اس لیے کہ تم میری دشمن ہو!

زہرا:۔ اچھا میں تجھ سے دشمنی نہیں کروں گی!

سعید:۔ اس سے کیا ہوتا ہے؟

زہرا:۔ پھر تو کیا چاہتا ہے؟

سعید:۔ محبت ——— تمہیں مجھ سے محبت کرنا پڑے گی۔

زہرا:۔ تو یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے آقائے ولی نعمت کی امانت میں خیانت کروں جو دنیا میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہے، اسے دھوکا دوں، جو دنیا میں سب سے زیادہ مجھے چاہتا ہے، اس کے ساتھ فریب کروں، جو میرا محسن ہے، اس کے احسان کو فراموش کر دوں؟ نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا، یہ خیالِ خام اور تصورِ ناتمام ہے منہ دھو رکھ!

سعید:۔ میں فی الحال صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میری محبت کا جواب محبت سے دو، اس کے بعد جو چاہوں گا وہ بعد کی چیز ہے۔

زہرا:۔ ناممکن، قطعاً ناممکن ہے، تو مجھے عفت، پاک دامانی اور شرافت کے راستہ سے منحرف نہیں کر سکتا۔ میں تجھ سے نفرت کرتی ہوں اور ہمیشہ کرتی رہوں گی!

سعید:۔ اچھا آؤ ایک سمجھوتہ کر لیں۔

زہرا:۔ کیا مطلب؟

سعید:۔ تم مجھ سے نفرت کرتی رہو، لیکن مجھے محبت کرنے کی اجازت دے دو! ——— اس میں تو تمہارا کچھ نہیں بگڑتا، اس میں تو کچھ حرج نہیں؟

زہرا:۔ یہ سب بدمعاشی اور خباثت کی باتیں ہیں، انہیں میں سننا بھی نہیں چاہتی!

سعید:۔ میں تمہیں تمہارے نوجوان، خوبصورت اور قابل بھائی کی زندگی کا واسطہ دیتا ہوں اس پر رحم کرو اس کی جوانی پر رحم کرو، اس کی پُر امید زندگی پر رحم کرو!

زہرا:۔ اس کے لیے تو میں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہی ہوں، کاش ———

سعید:۔ ہاں وہ زندہ رہ سکتا ہے، تمہیں مِل سکتا ہے صرف ایک "ہاں" کہہ کر تم اسے بچا سکتی ہو، تم اسے موت کے منہ سے چھین لا سکتی ہو!

زہرا:۔ یہ سب تیری بکواس ہے؟

سعید:۔ یعنی میں جھوٹ بول رہا ہوں؟

زہرا:۔ ہاں تو اوّل درجہ کا لپاڑی اور جھوٹا ہے۔

سعید:۔ یعنی سالم کے بارے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ غلط ہے؟

زہرا:۔ بالکل غلط، ازاول تا آخر غلط!

سعید:۔ (ہنس کر) اس کا نیا نام بتا دوں! سنوگی؟

زہرا:۔ اتنی دیر سے تیری بکواس سُن ہی تو رہی ہوں!

سعید:۔ تو سن لو اس کا نام صاحب النقمہ ہے!

زہرا:۔(چونک کر) کیا کہا؟

سعید:۔ صاحب النقمہ!

زہرا:۔ صاحب النقمہ ـــــــ یعنی خلیفہ کا دشمن جانی؟

سعید:۔ ہاں وہی!

زہرا:۔ جو تختِ خلافت کا دشمن اور غدار ہے؟

سعید:۔ ٹھیک، بالکل وہی۔

زہرا:۔ جو چاہتا ہے کہ خلافت اس خاندان سے نکل جائے؟

سعید:۔ جی درست!

زہرا:۔ جو عربوں اور بربروں کو خلافت کے لئے اُبھار رہا ہے کہ وہ بغاوت کردیں؟

سعید:۔ ہاں تم تو خوب جانتی ہو اسے!

زہرا:۔ جس کے سر کی قیمت خلیفہ نے ایک لاکھ روپیہ مقرر کی ہے؟ جس کی تلاش میں ہمارے جاسوس سرگرداں ہو رہے ہیں، پھانسی کا تختہ جس کا انتظار کر رہا ہے؟

سعید:۔ تمہیں تو اس کی پوری تاریخ معلوم ہے ہاں بھئی، یہی صاحب النقمہ تمہارا بھائی ہے۔

زہرا:۔ نہیں میں نہیں مان سکتی کسی طرح نہیں مان سکتی!

سعید:۔ اور اگر میں منوا دوں تب کیا کرلوگی؟

زہرا:۔ تیرے جھوٹ کی مجھ پر حقیقت کھل چکی ہے، اب بکواس بند کر اور خیریت چاہتا ہے تو اپنی راہ لے، زیادہ سے زیادہ جو سلوک تیرے ساتھ روا رکھا جا سکتا ہے

وہ یہ ہے کہ خلیفہ سے تیری ان پاجیانہ باتوں کا ذکر نہ کروں، لیکن اب اگر ایک لمحہ بھی یہاں ٹھہرا تو یہ ساری رعائتیں واپس لے لی جائیں گی۔

سعید:۔ لیکن سنو تو!

زہرا:۔ میں کچھ نہیں سننا چاہتی، تو یہاں سے چلا جا، خیریت اسی میں ہے۔

سعید:۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تم خود سالم کے خون کی پیاسی ہو؟

زہرا:۔ میں کیوں ہونے لگی؟ جھوٹے؛

سعید:۔ کیا تم سمجھتی ہو صاحب النقمۃ بچ جائے گا!

زہرا:۔ بچے یا نہ بچے، مجھے اس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے؟

سعید:۔ کیا وہ تمہارا بھائی نہیں ہے؟

زہرا:۔ ہرگز نہیں وہ میرا بھائی کیوں ہوتا؟

سعید:۔ اچھا ثبوت دوں تب تو مان لوگی؟

زہرا:۔ (حیران ہو کر) ثبوت؟ تیرے پاس کچھ ثبوت بھی ہے؟

سعید:۔ جی ہاں ہے، اور ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

زہرا:۔ مجھے یقین نہیں آتا، میں تجھ سے اور تیرے فریب، و دروغ سے اچھی طرح واقف ہوں!

سعید:۔ اچھا تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے، ثبوت دیکھ لو پھر نہ ماننا۔

زہرا:۔ کیا ہے وہ ثبوت؟

سعید:۔ تم سالم کا خط پہچانتی ہو؟ اس کی طرزِ تحریر سے واقف ہو؟

زہرا:۔ خوب اچھی طرح!

سعید:۔ (جیب سے ایک کاغذ نکال کر زہرا کی طرف بڑھاتے ہوئے) لیجئے اسے ملاحظہ فرمائیے یہ سالم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے یا نہیں؟

زہرا نے کاغذ ہاتھ میں لے لیا یہ خون کی روشنائی سے لکھا ہوا تھا عبارت یہ تھی،

"میں سالم، صاحب النقمہ ان لوگوں میں ہوں جو حق کے ساتھی، صداقت کے طرفدار اور راستی کے رفیق ہیں، میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ عبدالرحمٰن الناصر کو جب تک قتل نہ کرلوں چین سے نہ بیٹھوں گا، خواہ اس کام کے انتظار میں میری ساری زندگی ہی کیوں نہ بیت جائے، وہ اپنے تئیں، الناصر کے لقب سے ملقب کرتا ہے حالانکہ قطعاً وہ اس لقب کا سزاوار نہیں، وہ اس قابل نہیں کہ مسندِ خلافت پر بیٹھے، وہ مسندِ خلافت کے لیے ایک ننگ ہے اور اس ننگ کے دھبّہ کو ہمیں مٹانا ہے خواہ ایک نہیں ہزاروں جانیں اس مقصدِ عظیم پر قربان ہو جائیں"!

زہرا نے خط پڑھا، واقعی اس کے بھائی سالم کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، وہ ایک ایک حرف پڑھتی جاتی تھی اور خوف وہراس کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی تھی، سعید نے جلدی سے وہ کاغذ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اچھی طرح لپیٹ کر پھر جیب میں رکھ لیا اور اس سے کہا۔

سعید:۔ پڑھ لیا یہ خط تم نے؟

زہرا:۔ (کانپتی ہوئی آواز سے) ہاں پڑھ لیا۔

سعید:۔ یہ حرف سالم کے قلم کے ہیں یا نہیں؟

زہرا :۔ معلوم تو اسی کے ہاتھ کے لکھے ہوتے ہیں ——— لیکن یہ تمہاری جعلسازی بھی ہو سکتی ہے!

سعید :۔ زہرا اس سخن سازی سے میرا کچھ نہیں بگڑے گا، تمہارا بھی کچھ نہیں جائے گا، البتہ بیچارے سالم کا سر گردن سے صاف ہو جائے گا۔

زہرا :۔ اچھا مان لیتی ہوں یہ اسی کا خط ہے مگر اس کی جان لینے سے تمہیں کیا مل جائے گا؟

سعید :۔ کچھ نہیں بلکہ افسوس ہوگا!

زہرا :۔ پھر کیوں اس کے درپے آزار ہو رہے ہو؟

سعید :۔ میں؟ ——— بالکل نہیں یہ خیال کیوں آیا تمہارے دل میں؟

زہرا :۔ بار بار کہہ چکے ہو کہ وہ نہیں بچ سکتا!

سعید :۔ وہ تو اس صورت میں کہ تم میری محبت ٹھکرا دو!

زہرا :۔ میں تم سے محبت تو کسی طرح نہیں کر سکتی!

سعید :۔ تو پھر سالم بھی نہیں بچ سکتا اسے مرنا پڑے گا!

زہرا :۔ کچھ بھی ہو تو مجھے راہِ راست سے نہیں ہٹا سکتا!

سعید :۔ زہرا سمجھ سے کام لو۔

زہرا :۔ آخر کیا چاہتا ہے تو؟

سعید :۔ کہو تو لاکھ مرتبہ کہہ دوں ——— محبت!

زہرا :۔ ناممکن ——— !

سعید :۔ آخر کیوں؟ ——— کیا اس لیے کہ میں غریب ہوں؟ کیا اس لیے کہ میں وجاہت سے محروم ہوں؟ ——— زہرا یاد رکھو، یہ قصر زہرا

ہمیشہ سلامت نہیں رہے گا، دولت و حشمت ہمیشہ ساتھ نہیں دے گی۔
یہ عیش و تنعم بہت جلد رخصت ہو جائیں گے۔ تمہارا یہ حسن بھی لازوال نہیں ہے۔ آج
تم پھول کی طرح تر و تازہ ہو، کل پھول ہی کی طرح مرجھا جاؤ گی، کملا جاؤ گی، ختم ہو جاؤ گی!

زہرا:۔ پھر ——— ؟

سعید:۔ لہٰذا اس محبت کی قدر کرو جو غیر فانی ہے!

زہرا:۔ الناصر کی محبت سے بڑھ کر لازوال محبت کون ہو سکتی ہے؟

سعید:۔ غلط ——— الناصر تم سے محبت ہی نہیں کرتا، بھلا کوئی بادشاہ بھی محبت کر سکتا ہے، یہ محبت نہیں ہوس ہے، اسے ٹھکرا دو، محبت میں کرتا ہوں، میری محبت کو قبول کر لو ——— ورنہ یاد رکھو آٹھ آٹھ آنسو روؤ گی! اور اس غلطی کی تلافی پھر کبھی نہ ہو سکے گی!

(۴۴)

جال ــــ!

زہرا نے سمجھ لیا، سعید کے جال سے نکلنا ممکن نہیں ہے اس سے اگر گلو خلاصی ہو سکتی ہے تو اس طرح کہ اسے دھوکہ دیا جائے، اس سے ظاہر داری کی باتیں کی جائیں۔ کیوں کہ اگر یہ ہاتھ سے نکل گیا تو سالم کی بھی خیریت نہیں ہے، اور میری عزت و آبرو بھی نہیں بچ سکتی، امیرالمؤمنین اس کے معتقد ہو چکے ہیں نہ جانے ان سے کیا لگا دے اور وہ یقین کر لیں، چنانچہ یہ سب کچھ سوچ کر اس نے کہا۔

زہرا:۔ اچھا یہ بتاؤ سالم ہے کہاں؟

سعید:۔ وہ ایسی جگہ ہے جسے صرف میں جانتا ہوں۔

زہرا:۔ لیکن میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔

سعید:۔ میں حاضر ہوں، چلئے ابھی ملا دوں گا۔

زہرا:۔ کیا وہ یہاں نہیں آسکتا؟

سعید:۔ نہیں ـــــــ ایسا کرنا خطرناک ہے، اس کے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی میرا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ خود چلی چلو۔

زہرا:۔ مجھے ایسا کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے!

سعید:۔ ڈر کا ہے کا؟

زہرا :- ممکن ہے تم دھوکا دو۔

سعید :- ایک محبت کرنے والا اپنے محبوب کو کبھی دھوکا نہیں دے سکتا، وہ اپنی جان کی بازی لگا دے گا، لیکن یہ کام نہیں کر سکتا۔

زہرا :- تو پھر کب چلنا چاہیئے؟

سعید :- جب چاہو، میں ہر وقت یہ کام کر سکتا ہوں، صرف تھوڑی دیر اور تھوڑی دور کا معاملہ ہے، اس سے ملو، باتیں کرو اور آ جاؤ شرط بس یہ ہے کہ
نگاہِ لطف کے اُمیدوار ہم بھی ہیں
اور دوسری شرط یہ ہے کہ اگر الناصر کو اپنے قبضہ میں رکھنا ہے تو جو بات میں اس سے یا تم سے کہوں اس سے اختلاف نہ کرنا تائید ہی کرنا!

زہرا :- ہاں اس کے لیے میں تیار ہوں، اس میں کوئی قباحت نہیں!

سعید :- تم سالم سے ملو گی تو تمہیں ایک عجیب بات کا اندازہ ہو گا!

زہرا :- وہ کون سی بات؟

سعید :- تم مجھ سے اتنی بدگمان ہو، برہم ہو، لیکن سالم تمہیں بتائے گا کہ میں ہی اس کا نجات دہندہ ہوں، میری ہی وجہ سے وہ زندہ اور سلامت ہے، میں نہ ہوتا تو اب تک کب کا اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہوتا!

زہرا :- اگر یہ سچ ہے تو میں تہِ دل سے تمہارا شکریہ ادا کرنے پر مجبور ہوں!

سعید :- میں بالکل غلط نہیں کہتا آخر تمہیں سالم سے ملنا ہے وہ خود ہی سارا کچا چِٹھا تمہیں سُنا دے گا، پھر تو مانو گی؟

زہرا :- انکار تو میں اب بھی نہیں کرتی، تمہیں تو خواہ مخواہ ایک بات کی

رٹ لگ گئی ہے۔

سعید:۔ بس تو ٹھیک ہے، موقع محل دیکھ لیں چپکے سے تمہیں لے جاؤں گا ——— لیکن آج کا دن بیکار نہیں جانا چاہیئے، کچھ سیکھ لو، تا کہ اگر خلیفہ تم سے پُوچھے تو بتا سکو کہ ہاں اتنا میں نے سیکھا ہے، ورنہ تمہاری بھی ہیٹی ہو گی اور میں بھی معتوب قرار دیا جاؤں گا ———

زہرا راضی ہو گئی، سعید نے بغدادی لے میں ایک راگ سکھایا اور بڑے اطمینانِ قلب کے ساتھ اپنی قیام گاہ پر واپس آگیا!

(۴۵)

فاطمی تحریکِ خلافت!

سلیمان یا سعید بڑے عجیب و غریب کردار کا آدمی تھا، وہ دراصل افریقہ کا رہنے والا تھا، وہ عبیدین (خلفائے فاطمی) سے گہرے روابط رکھتا تھا، اور اس نے اپنی زندگی ان کی تبلیغ اور پروپیگنڈے کے لیے وقف کر دی تھی، عبیدی خاندان یہ نہیں چاہتا کہ اندلس پر آلِ مروان حکومت کریں، جس طرح انھوں نے افریقہ اور مصر پر قبضہ کر لیا تھا اسی طرح وہ اندلس کو بھی زیرِ نگین لے آنا چاہتے تھے کہ عوام میں خلیفۂ اندلس عبدالرحمٰن الناصر کے خلاف ایسا جذبہ پیدا کر دیا جائے کہ جب کبھی افریقہ کی طرف سے اندلس پر حملہ ہو تو نہ صرف یہ کہ وہاں کے عوام مزاحمت اور مداخلت نہ کریں، بلکہ دلی جوش سے نئے حملہ آور کا خیر مقدم کریں، سعید میں بہت سی صلاحیتیں تھیں، وہ علم نجوم کا ماہر تھا، وہ خطابت کے فن سے آشنا تھا، وہ علم مجلس میں وقوف رکھتا تھا، وہ بہترین شاعر، بہترین ادیب، بہترین انشاپرداز اور بہترین خطیب تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سازش کرنے، لوگوں کو بھڑکانے اور اپنے مقصد کی راہ پر لگانے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، عبیدی خاندان یہ سمجھ رہا تھا کہ اندلس کی رائے عامہ کو متاثر کرنے کا کام جتنے عمدہ طور پر سعید انجام دے سکتا ہے کوئی نہیں دے سکتا، چنانچہ وہ اس کام پر مامور کیا گیا کہ اندلس جائے وہاں کے علماء کو مذہب کے نام پر، وہاں کے عوام کو معاش اور معیشت کے سوال پر بھڑکائے اور جب حالات سازگار ہو جائیں

تو وہ اپنے مرکز کو اطلاع دے اور پھر اندلس پر ایسا بھرپور حملہ کیا جائے کہ خاندان مروان پنپ نہ سکے، اور اس خاندان کا جس طرح دمشق سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا، اسی طرح اندلس میں بھی اس کا چراغ ابدالآباد تک کے لیے بجھ جائے۔ سعید نے بڑی خوشی سے یہ گراں بار ذمہ داری قبول کی، سب سے پہلے وہ صقلیہ گیا، وہاں اتفاقاً اس یہودی کے ہاں اس کی نظر زہرا پر پڑی، یہ نظر فیصلہ کن نظر بن گئی، وہ دل وجان سے اس پر عاشق ہوگیا، یہاں تک کہ اپنا مقصد تک فراموش کر بیٹھا، جس کے لیے وہ یہاں آیا تھا، لیکن زہرا نہ جانے کیوں اس کی صورت سے نفرت کرنے لگی تھی، وہ اس سے بات تک کرنے کی روادار نہیں تھی، یہاں تک کہ اس نے محض اس لیے کہ زہرہ کو حاصل کر سکے، ڈاکوؤں سے سازباز کی، لیکن اس طرح بھی کامیاب نہ ہوا، زہرہ فروخت ہوگئی، اور سعید کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ وہ کتنے میں بکی، کہاں بکی اور کہاں گئی، مایوس و دل برداشتہ ہوکر پھر صقلیہ واپس آیا اور وہاں ایک گوشۂ عافیت میں اپنے فرائض سے بیگانہ ہوکر زندگی کے دن کاٹنے لگا، اب اس کا کسی کام میں جی نہ لگتا تھا، دن رات اس کے سامنے زہرہ کی تصویر پھرتی رہتی، اور وہ اسی کی یاد میں کھویا رہتا، ساتھی اور دوست اس تغیر احوال کا سبب دریافت کرتے مگر وہ ٹال جاتا، مرکز سے اسے ہدایت کی جاتی کہ اپنے کام پر روانہ ہوجاؤ، مگر وہ کوئی عذر کر کے خاموش ہوجاتا، ایک عجیب وارفتگی کا عالم طاری تھا اس پر، نہ کھانے میں جی لگتا تھا، نہ دوستوں میں، نہ تحریک کے فروغ دینے میں، وہ کئی کئی دن کھانا نہ کھاتا، وہ ہفتوں اور مہینوں دوستوں سے نہ ملتا، اپنی اصل تحریک کو یعنی اندلس سے خاندان مروان کے خاتمہ کو بھی وہ عملاً فراموش کر چکا تھا، اس کی امنگیں ختم ہو چکی تھیں، اس کے عزائم کمزور

پڑ چکے تھے، اس کے ارادوں میں تزلزل پیدا ہو گیا تھا، اب وہ زندہ تھا لیکن مُردوں سے بدتر، نہ سرگرمی تھی، نہ جوش، نہ ولولہ، وہ ہفتوں اپنی قیام گاہ سے باہر نہ نکلتا اور اگر کبھی کسی ضرورت سے برآمد بھی ہوتا تو کسی واقف کار، شناسا، دوست اور ساتھی سے ملاقات نہ کرتا، اپنا کام کرتا، اور چپ چپاتے پھر قیام گاہ پر واپس آجاتا، یہی اس کی زندگی کے لیل ونہار تھے اور اسی طرح وہ اپنی زندگی کے دن یاس وحرماں، حسرت واندوہ اور ہجر وفراق کے عالم میں بسر کر رہا تھا۔

اتفاقاً ایک مرتبہ اسے صلیقہ کے بازار میں سالم نظر آگیا، یہ وہی سالم تھا جو زہرا کا بھائی تھا، اور جسے اس نے دھکے دے دے کر زہرہ سے دور کر دیا تھا، اور وہ روتی، آہ وفریاد کرتی اس سے دور ہو گئی تھی، سالم کو دیکھتے ہی اس کی امنگیں پھر تازہ ہو گئیں، اس کے ارادوں میں پھر جان پڑ گئی، اس کے حوصلے پھر کام کرنے لگے، سالم کو اس کی صورت بھی یاد نہیں تھی اور اب اس میں تغیر بھی خاصا ہو چکا تھا لیکن سعید کی آنکھوں میں سالم بسا ہوا تھا، اسے یقین تھا، سالم کے مل جانے کے معنی یہ ہیں کہ زہرا مل گئی، اسے معلوم تھا، زہرا سالم کو کس قدر چاہتی ہے، اسے یقین تھا کہ وہ زُہرا کو تلاش کر لے گا اور سالم کے واسطہ سے اس کی نفرت کو خرید لے گا، اور اس کے سینہ میں اپنی محبت کی چنگاری مشتعل کر دے گا، خواہ اسے تلاش کرنے میں اور اس تک پہنچنے میں کتنی ہی مدت کیوں نہ گذر جائے، پھر اس نے یہ بھی سوچا کہ سالم کو جو صرف ایک سادہ سلیٹ کی حیثیت رکھتا ہے، اگر ہموار کیا جائے، صحیح تربیّت دی جائے، اور اپنے راستہ پر لگایا جائے تو وہ بہت کام کا ثابت ہو سکتا ہے، یہ سوچ کر وہ بےکس، بےبس اور بےسہارا سالم کی طرف بڑھا، جو اب کوچہ گردی پر

مجبور تھا جس کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا، اس نے شفقت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا، محبت کی باتیں کیں اور اپنے ساتھ لے آیا، کچھ دن تک تو وہ صقلیہ ہی میں رہا، پھر سالم کو لے کر اندلس پہنچا اور یہاں سعید کے نام سے کتب فروشی کا پیشہ اختیار کر کے قرطبہ میں رہنے لگا، اس نے بہت جلد علماء اور فضلا کے گروہ میں اپنی جگہ پیدا کر لی۔ اس احتیاط کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا کہ پاس پڑوس کے لوگ اس کی شرافت، بھلمنساہت اور پاکیزہ اطواری کی بنا پر اس کے مداح بن گئے۔

سالم کو وہ تربیت دیتا رہا، سکھاتا رہا، پڑھاتا رہا، اپنے ڈھب پر لاتا رہا، یہاں تک کہ وہ عبیدیوں کا سب سے زیادہ پُر جوش جاں نثار اور فدا کار مبلغ بن گیا، اس کے دل میں اس نے فاطمی خاندان کی عظمت اور اندلس کے فرماں روا مروانی خاندان کی نفرت اس طرح جاگزیں کر دی کہ وہ ایک سچا، پکا اور سرفروش عبیدی بن گیا، سعید نے جو خفیہ تحریک عبدالرحمٰن الناصر کے خلاف شروع کی تھی، سالم اس کا سربراہ بن گیا اور عوام کی نظروں سے روپوش ہو کر ایک ایسی جماعت کو منظم کرنے لگا، جو اشارہ پاتے ہی تلواریں سونت کر میدان میں اترے، خوب خوں ریزی کرے اور خاندانِ مروان کا خاتمہ کر کے عبیدیوں کے لیے راستہ صاف کر دے، سعید بظاہر ایک کتب فروش کی طرح عافیت کی زندگی بسر کر رہا تھا، لیکن اس تحریک کا اصل قائد اور روحِ رواں وہی تھا، جماعت کے خفیہ جلسوں میں وہ شریک ہوتا تھا، مشورے دیتا تھا، پروگرام بناتا تھا اور نئی نئی اسکیمیں زیرِ بحث لاتا تھا۔

کئی برس اسی طرح گزر گئے!

اور ایک روز دفعتاً سعید کو معلوم ہوا کہ جس ہستی کے عشق میں اس نے اپنی زندگی کو گھن لگا لیا تھا، اور جس کی تلاش میں وہ آشفتہ اور سرگرداں تھا، وہ یہیں قرطبہ میں ہے اور ایک معمولی عورت نہیں بلکہ عبدالرحمٰن الناصر کی محبوبہ ہے، قصر زہرا کی مالک ہے، اب اس کا نام بھی بدل گیا ہے۔ اب وہ ضیا نہیں زہرا ہے، اب وہ عبیر و گلال، سونے چاندی اور ہیرے جواہر سے کھیلتی ہے، زہرا اب اتنی بلندبام ہو گئی تھی کہ اس تک پہنچنا، یا اسے حاصل کرنا بالکل ناممکن ہو گیا تھا، لیکن سعید ان لوگوں میں سے تھا جو مایوس ہونا نہیں جانتے، ہر ناکامی پر جن کے عزم میں اور زیادہ استحکام پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ اب اس کی سرگرمیاں اور بڑھ گئیں، ایک طرف تو وہ الناصر کی بیخ کنی کی تدبیریں سوچتا رہا، اس نے فقیہ ابن عبدالبر کو ہموار کیا، یاسر سے پینگ بڑھاتے۔ شہزادہ عبداللہ سے دوستی پیدا کی، حکم اور عبداللہ کے درمیان عابدہ کو واسطہ بنا کر منافرت پیدا کی، دوسری طرف اپنی چالاکیوں اور دانائیوں سے کام لے کر وہ عبدالرحمٰن الناصر کے دربار میں پہنچ گیا، اور چند ہی روز میں اس کا سب سے زیادہ معتمد اور معتبر حاشیہ نشین بن گیا پھر اس نے جوہر کی وساطت سے ایک طرف زہرا کے دل میں عابدہ سے رشک پیدا کیا کہ وہ الناصر پر ڈورے ڈالے، یہاں تک کہ وہ اس سے موسیقی سیکھنے پر آمادہ ہو گئی، اور اب اس نے یہ طے کر لیا کہ سالم کا راز منکشف کر کے اور اس کی زندگی کو واسطہ بنا کر وہ زہرا کو برضا و رغبت یا جبر و کراہ حاصل کر کے رہے گا!

چنانچہ آج زہرا سے اس کی جو باتیں ہوئی تھیں ان سے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اب زہرا اس کی دسترس سے باہر نہیں رہ سکتی!

زہرا کے ہاں سے واپس آنے کے بعد وہ اپنے بستر پر جب لیٹا تو بھی خوش آیند خیالات اس کے دل و دماغ پر مسلط تھے، اس نے سمجھ لیا تھا کہ پکے ہوئے پھل کی طرح اب زہرا اس کی جھولی میں آگرے گی" الناصر خواہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو، لیکن اب زہرا کو اس سے چھین نہیں سکتا، وہ اس کی ہے اور اس کی ہو کر رہے گی" اب وہ یہ نہیں سوچ رہا تھا کہ زہرا کیونکر اسے ملے گی؟ اس لیے کہ وہ تو مل چکی تھی' اب وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ زہرا کو لے کر کہاں جائے گا اور کس شہر میں عیش و کامرانی کی زندگی کا آغاز کریگا!

(۴۶)

جھڑپ

سعید اپنے بستر پر لیٹا ہوا انہی خیالات میں مستغرق تھا، سونا چاہتا تھا مگر نیند کا کہیں کوسوں پتہ نہیں تھا۔ آخر تنگ آ کر وہ بستر سے اٹھا اور ٹہلنے لگا۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی، مگر نہ طبیعت کو قرار آتا تھا، نہ نیند آتی تھی، یک بیک اس نے دیکھا کہ رات کی تاریکی میں کوئی شخص دبے پاؤں اس طرف سے گذر رہا ہے، یہ کون ہو سکتا ہے؟ اس وقت اس حالت میں یہ شخص کہاں جا رہا ہے، ضرور کوئی خاص بات ہے، یہ سوچ کر سعید کا جذبۂ تجسّس تیز ہوا اور وہ اپنے دروازے کی اوٹ سے لگ کر کھڑا ہو گیا کہ یہ شخص جب بالکل قریب آ جائے تو اسے پہچانے اور ضرورت ہو تو اس کا تعاقب بھی کرے، تھوڑی ہی دیر میں وہ قریب آ گیا،

یہ سائرہ تھا،

شہزادہ عبداللہ کا غلام!

سائر کو یوں دیکھ کر سعید سخت متحیر ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اب اس نے دیکھا کہ سائر اس ایوان کی طرف جا رہا ہے جہاں زہرا رہتی ہے، سائر اور اس وقت زہرا کی طرف؟ یہ سوچ کر سعید اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا، وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا، سائر زہرا کے ایوان میں داخل ہو گیا، اور سعید چوروں کی طرح پردے کی آڑ میں کھڑا ہو کر ساری کارروائی دیکھنے لگا، اس نے دیکھا کہ زہرا آرائش و زیبائش

کا پیکر بنی کھڑی ہوئی ہے، سائر کو دیکھ کر اس کا مپھول سا چہرہ کھل گیا، اس پر نشاط و مسرت کی کیفیت طاری ہوئی، اُس نے بڑی گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا، اور اس سے رازدارانہ باتیں کرنے لگی، سعید نے بہت کوشش کی کہ ان باتوں کی بھنک اس کے کان میں پڑ جاتے، لیکن اس قدر آہستہ آہستہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اس کے پلے کچھ نہ پڑا، لیکن یہ غیرت کا معاملہ تھا، زہرا الناصر کی نہیں اس کی محبوبہ تھی، وہ پردہ کے پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا کہ اس کی محبوبہ ایک غیر شخص سے نہایت رازداری کے ساتھ رات کے اندھیرے میں گفتگو کر رہی ہے، یہ منظر دیکھ کر اس کا خون کھول گیا، وہ برہمی، اشتعال اور جوش کے عالم میں پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا، اسے دیکھ کر سائر کے تو ہوش و حواس جاتے رہے لیکن زہرا پر بجائے اس کے کہ ندامت کی کیفیت طاری ہوتی، غصہ اور برہمی کی کیفیت طاری ہو گئی، اس نے بڑے درشت لہجہ میں کہا۔

زہرا :۔ آپ یہاں کیسے آئے ؟

سعید :۔ (غصہ کے ساتھ) یہ تماشہ دیکھنے کے لیے !

زہرا :۔ (برہم ہو کر) آپ کو یہ ہمت کیسے ہوئی کہ اس وقت بلا اجازت میرے کمرہ میں داخل ہوں ؟

سعید :۔ کیا میں سائر ایسے غلام سے بھی گیا گزرا ہوں ؟ وہ تو آسکتا ہے اور میں نہیں آسکتا، اس سے تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ باتیں ہو سکتی ہیں اور میں صرف اس لیے ہوں کہ دھتکارا جاؤں، ڈانٹا جاؤں، ذلیل کیا جاؤں ؟

زہرا :۔ یہ سب بیکار باتیں ہیں، آپ کو ایسی جرأت نہ کرنی چاہیے ــــ خلیفہ ناصر بھی میری اتنی ٹوہ نہیں لیتے، جتنی آپ لیتے ہیں۔

سعید :۔ ہاں! لیکن الناصر کو تم سے اتنی محبت نہیں ہے، جتنی مجھے ہے، اُس نے روپیہ سے تمھیں خریدا ہے اور میں نے اپنا دل تمھیں نذر کیا ہے، مجھ میں اور اس میں جو فرق ہے اسے فراموش کر کے میری محبت کی توہین نہ کرو!

زہرا :۔ لیکن آپ میری توہین کر رہے ہیں، دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا ہے جو اپنے محبوب کی توہین کرتا ہو؟ اپنے محبوب کے چال چلن پر شبہ کرتا ہو؟ اسے آوارہ اور ذلیل سمجھتا ہو۔

سعید :۔ میں نے ــــ

زہرا :۔ اگر آپ کی نظر میں میری حیثیت یہ ہے کہ میں ایک آوارہ عورت ہوں جو سائرہ جیسے غلام سے بھی محبت کی پینگ بڑھا سکتی ہے تو پھر بہتر یہ ہے کہ اپنے دل سے میرا اور میری محبت کا خیال نکال دیجئے اور اگر آپ مجھے عفیفہ اور پاکباز سمجھتے ہیں تو شرم کیجئے کہ آپ یہاں اس لیے آئے کہ مجھے گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے پکڑ لیں!

سعید :۔ (نادم ہو کر) زہرا تم خفا ہو گئیں، بھلا یہ بھی کوئی خفا ہونے کی بات ہے؟

زہرا :۔ یہ آپ تھے کہ میں صرف خفا ہوئی، اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید میں اس سے بہت بُرا سلوک کرتی۔

سعید :۔ خواہ وہ امیر المومنین الناصر ہی کیوں نہ ہوتے؟

زہرا :۔ جی ہاں!

سعید :۔ تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تمھارے دل میں الناصر سے زیادہ میری عزت و وقعت ہے؟

زہرا:۔ خود ہی سمجھ لیجئے!

سعید:۔ (خوش ہو کر) گویا تم نے میری محبت قبول کر لی؟

زہرا:۔ (مسکرا کر) اپنے دل سے دریافت کیجئے!

سعید:۔ (بے خود ہو کر) زہرا، تم نے مجھے خرید لیا، میں تمھارا بندۂ بے دام ہوں، مجھے معاف کر دو، میری خطا کو بخش دو!

زہرا:۔ لیکن اگر آپ ایسی حرکتیں کرتے رہے تو میرے دل میں جو کچھ بھی آپ کا خیال پیدا ہوا ہے، وہ نفرت سے بدل جائے گا!

سعید:۔ نہیں خدا کے لیے نفرت کا نام نہ لو میں تمھارا ہوں، تم میری ہو، دو محبت کرنے والے دلوں کے مابین نفرت کا نام ہی نہ آنا چاہیے، مجھے اس نام سے نفرت ہے!

زہرا:۔ یہی میں بھی چاہتی ہوں، لیکن یہ آپ کے اختیار میں ہے کہ آپ محبت کے قابل بنیں، یا نفرت کے! سچ کہتی ہوں، آج آپ کی حرکت سے مجھے بہت صدمہ پہنچا!

سعید:۔ لیکن میں معافی جو مانگ رہا ہوں، کیا معاف نہ کرو گی؟

زہرا:۔ کیسے نہ کروں گی لیکن آپ کی اس حرکت سے میں خود اپنی نظر میں ذلیل ہو گئی!

سعید:۔ یہ کیوں، میری زہرا یہ کیوں؟

زہرا:۔ اس لیے کہ میں نے محسوس کیا ناصر کے دل میں میری عزت کہیں زیادہ ہے، بہ نسبت آپ کے دل کے، کاش اُس کا الٹا ہوتا!

سعید :۔ یہ حرکت کسی بدظنی کسی بدگمانی کی بنا پر نہیں صرف محبت کی بنا پر سرزد ہو گئی ورنہ بھلا ایسا ہو سکتا تھا کہ میں اور اتنی بڑی خطا کرتا!

زہرا :۔ آپ کو سمجھنا چاہیے کہ میں اب زندگی کا راستہ بدل رہی ہوں کس لیے؟ کس کے لیے؟

سعید :۔ (مسرور ہو کر) کیا میرے لیے؟

زہرا :۔ آپ کو شک ہے ابھی تک شاید اس بارے ہیں؟ آخر آپ کو کس طرح یقین دلایا جا سکتا ہے؟ کیا اپنی گردن کاٹ کر رکھ دوں، آپ کے سامنے تب یقین کریں گے آپ؟

سعید :۔ نہیں زہرا، مجھے اتنا زیادہ شرمندہ نہ کرو، میں یقین دلاتا ہوں کہ اب تمھیں مجھ سے ہرگز کوئی شکایت نہ پیدا ہوگی ـــ لیکن کیا ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟

زہرا :۔ فرمائیے!

سعید :۔ (ادھر ادھر دیکھ کر) ہائیں سائنہ کہاں گیا؟

زہرا :۔ وہ آپ کو خوں آشام دیکھ کر اتنا سہم گیا کہ فوراً بھاگ گیا، اب تو شاید وہ وہاں پہنچ گیا ہوگا، جہاں سے آیا تھا!

سعید :۔ اور میں نے دیکھا بھی نہیں؟

زہرا :۔ آپ تو میری خبر لینے میں اتنے منہمک تھے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھے!

سعید :۔ (ہنس کر) ہاں یہی بات تھی!

زہرا :۔ لیکن آپ کچھ کہہ رہے تھے؟

سعید :۔ ہاں یہ کہ ساڑا اس وقت تمھارے پاس کیوں آیا تھا؟

زہرا :۔ پھر وہی باتیں؟ گویا اب تک آپ کے دل میں میری جانب سے بدگمانی موجود ہے؟

سعید :۔ بخدا نہیں، یونہی ایک سوال کر رہا ہوں!

زہرا :۔ لیکن اس کا جواب اس وقت نہیں دے سکتی!

سعید :۔ اس وقت کے کیا معنی؟

زہرا :۔ بات یہ ہے کہ آپ سے اپنی کوئی بات چھپانا گناہ سمجھتی ہوں، ضرور بتا دوں گی وہ کیوں آیا تھا؟ اور میں نے اس سے کیا باتیں کی تھیں، لیکن ہر بات کا ایک وقت اور موقع ہوتا ہے، اس وقت بتانا مصلحت کے خلاف ہے! ـــــ کہہ رہی ہوں نہ پوچھئے!

سعید :۔ اچھا نہیں پوچھتا ـــــ اب اجازت دو رات بہت بیت گئی تمھیں بھی نیند آ رہی ہو گی!

زہرا :۔ ہاں جائیے، لیکن ایک بات کا خاص طور پر آپ کو خیال رکھنا چاہیے۔

سعید :۔ وہ کون سی بات ہے جس کا مجھے خیال رکھنا چاہیے؟

زہرا :۔ یہ کہ یہاں میرے پاس کبھی ناوقت نہ آئیے۔

سعید :۔ یہ کیوں؟

زہرا :۔ اس لیے کہ اگر آپ زیادہ آتے رہے یا ناوقت آئے اور کسی نے دیکھ لیا تو پھر میں آپ سے اتنی دور کر دی جاؤں گی کہ شاید ہم پھر کبھی نہ مل سکیں، احتیاط اور دور اندیشی کا تقاضا یہی ہے!

سعید :۔ (خوش ہو کر) زہرا! تم جو کہو گی، میں وہی کروں گا!

(۴۷)

بیچاری عابدہ !

زہرا سے جب سعید رخصت ہوا، تو ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے کوئی شرابی پاؤں کہیں رکھتا تھا، پڑتا کہیں تھا، کئی سال کی ریاضتِ شاقہ کے بعد اب زہرا اس کی ہوگئی تھی۔ اب تک تو زہرا کو جبر اور جور سے حاصل کرنے کی تدبیریں سوچا کرتا تھا، لیکن آج کی گفتگو نے ثابت کردیا کہ جبر و جور کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی!

وہ خود بھی محبّت کا جواب محبّت سے دینے پر مجبور ہوگئی ہے !

یہی باتیں سوچتا انہی خیالات میں مگن وہ اپنے کمرہ میں آیا، روشنی گل کی اور بستر پر لیٹ گیا، وہی نیند جو اب تک روٹھی ہوئی تھی، اب آکر اس کے پاؤں دابنے لگی، اس کی آنکھوں میں جاگزیں ہوگئی، اب وہ بے فکر تھا، آسودہ تھا، خوش تھا، مطمئن تھا، اور سونے کی تیاریاں کر رہا تھا، یکایک اندھیرے میں سے ایک سایہ اپنی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ وہ بڑے مضبوط دل کا آدمی تھا، لیکن نہ جانے کیوں اس سایہ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ سہم گیا، اس کا مضبوط دل زور زور سے دھڑکنے لگا، طرح طرح کے اندیشے اسے ستانے لگے، آخر بڑی مشکل سے اس نے حواس مجتمع کیے اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا،

"کون ہے ؟"

وہ سایہ بالکل قریب آگیا، اور اس کے کانوں میں آواز آئی،

"عابدہ"!

اب سایہ بالکل قریب آچکا تھا، سعید اٹھ کر بیٹھ گیا، اس نے عابدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محبت بھرے لہجہ میں کہا۔

سعید:- عابدہ تم؟ اس وقت؟

عابدہ:- جی ہیں، زمانہ کی ستائی، قسمت کی ماری آپ کے در پر اسی وقت حاضر ہو سکتی تھی، سو آگئی، اگر میرا آنا ناگوار ہوا ہو تو واپس چلی جاؤں؟

سعید:- کیسی باتیں کرتی ہو عابدہ، بھلا تمھارا آنا اور مجھے ناگوار ہوگا، ایسا ممکن ہے؟

عابدہ: میں تو اب ایسا ہی سمجھنے لگی ہوں۔

سعید:- غلطی تم سے بھی ہو سکتی ہے، اگرچہ تم بڑی اچھی آدمی ہو۔

عابدہ:- آج میں آپ سے لڑنے آئی ہوں، فیصلہ کرنے آئی ہوں!

سعید:- (ہنس کر) اگر تم لڑنے آئی ہو تو میری گردن جھکی ہے، اگر تم فیصلہ کرنے آئی ہو تو اس کا حق میں تمھیں دیتا ہوں۔

عابدہ:- میں اتنے دنوں سے یہاں محل میں پڑی ہوں، لیکن آپ نے جھوٹوں بھی نہ پوچھا مر رہی ہوں یا زندہ ہوں؟

سعید:- عابدہ خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو جو خلافِ حقیقت ہوں، ہر روز نہ جانے کے بار یاسر سے تمھاری خیریت دریافت کرتا ہوں!

عابدہ:- اگر واقعی آپ کو میرا اتنا ہی خیال ہے تو ملتے کیوں نہیں؟

سعید:- ہاں بظاہر یہ اعتراض بڑا وزنی ہے لیکن در حقیقت بودا!

عابدہ: ۔اس لیے کہ آپ کے پاس اس کا جواب نہیں ہے؟

سعید: ۔جواب ایک نہیں دس ہزار ہیں، تم کو میں یہاں ایک خاص مقصد سے لایا ہوں، ملنے، حکایتِ ہجر و فراق بیان کرنے، افسانۂ محبت سننے سنانے کے لیے نہیں ۔۔۔ اس کام کے لیے تو ساری عمر پڑی ہے، بلکہ سچ پوچھو تو اسی پر ہماری کامرانی، شادکامی اور نشاط و مسرت کا انحصار ہے، اگر یہ کام نہ ہوا تو ہم کبھی ایک دوسرے سے نہ مل سکیں گے، اور اگر ہو گیا تو جانتی ہو کیا ہو گا؟

عابدہ: ۔میں نہیں جانتی!

سعید: ۔پھر ۔۔۔ اندلس کی حکومت سعید کے ہاتھ میں ہو گی، اور اندلس کی ملکہ عابدہ ہو گی!

عابدہ: ۔بس ایسی ہی دل خوش کن باتیں کر کے آپ مجھے چپ کر دیتے ہیں۔

سعید: ۔یہ حقیقت ہے ۔۔۔ ہماری ساری جدوجہد کیوں ہے؟ کس لیے ہے؟ عبدالرحمٰن الناصر کو زک دینے کے بعد میں عبداللہ کو تختِ حکومت پر کیوں بٹھاؤں؟ خود کیوں نہ بیٹھوں؟ اور جب یہاں کی عنانِ حکومت میرے ہاتھ میں ہو گی تو ظاہر ہے اس ملک کی ملکہ تم ہی ہو گی!

عابدہ: ۔جی بخشیے اس اعزاز سے مجھے۔

سعید: ۔یہ کیوں آخر؟

عابدہ: ۔میں ملکہ بننا نہیں چاہتی!

سعید: ۔پھر کیا بننا چاہتی ہو؟

عابدہ: ۔آپ کی خادمہ، آپ کی کنیز، آپ کی لونڈی ۔۔۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے، نہ دولت نہ ثروت، نہ محل، نہ لونڈی غلام، نہ خزانۂ عامرہ، نہ حکومت، نہ بادشاہت،

سعید: عجیب احمق ہو پھر کیا چاہیے؟

عابدہ: وہ شخص جس کا نام سعید ہے، میں اس دنیا پر، اس کی نعمتوں اور لذتوں پر لعنت بھیجتی ہوں مجھے یہاں کی کوئی چیز مطلوب نہیں ہے، اگر آپ مل جائیں۔

سعید: مجھے تم سے کون چھین سکتا ہے، میں محبت سے ناآشنا تھا، تم نے میرے دل میں اپنی محبت کی چنگاری سلگائی، میں نے عشق کا صرف نام سنا تھا، لیکن تم نے مجھے عشق کرنا سکھایا، میں حسن وجمال کی کیفیت کا قدرشناس کبھی نہ تھا، لیکن تمہارے حسن نے مجھے متوالا اور دیوانہ بنا دیا، جب یہ کیفیت ہے تو خود ہی سوچو میں تمہارے سوا کس کا ہو سکتا ہوں!

عابدہ: بس تو میرے بن جائیے!

سعید: بن کیا جاؤں؟ ہوں، عبدالرحمٰن الناصر کو زہرا سے وہ محبت نہیں ہے جو مجھے تم سے ہے!

عابدہ: یہ نہ کہئے، امیرالمومنین زہرا کو بہت چاہتے ہیں۔

سعید: چاہتے ہوں گے لیکن مجھ سے زیادہ نہیں۔

عابدہ: اتنا بڑا محل، اربوں روپیہ صرف کر کے انھوں نے صرف زہرا کی خوشنودی ہی کے لیے تو بنوایا ہے!

سعید: حکومت کی باگ میرے ہاتھ میں آجانے دو، اگر میں اس سے زیادہ شاندار محل تمہارے لیے "قصرِ عابدہ" کے نام سے نہ تعمیر کرا دوں تو میرا نام سعید نہ رکھنا!

عابدہ: میرا سب سے بڑا محل آپ کی ذات ہے!

سعید: تو پھر اسی پر قناعت کرو!

عابدہ :۔ لیکن کب تک ؟

سعید :۔ بس یوں سمجھو کہ سارے بدن کی سوئیاں نکل چکی ہیں، صرف آنکھوں کی باقی رہ گئی ہیں۔ یہ بھی بس اب نکلا ہی چاہتی ہیں !

عابدہ :۔ کتنے دنوں سے یہی سنتی چلی آ رہی ہوں!

سعید :۔ بس اب صرف چند ہفتوں کی بات ہے ــــ عابدہ میں محسوس کرتا ہوں میری وجہ سے تمھیں بہت سی کلفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو تکلیف تم جھیل رہی ہو، اس کا مجھے پورا پورا اندازہ ہے، لیکن جس طرح رات کے بغیر دن نہیں نکلتا، اندھیرے کے بغیر اجالا نہیں ہوتا۔ اسی طرح تکلیف کے بغیر راحت نہیں آتی، مصیبت کے بغیر عافیت کا احساس نہیں ہوتا، انشاءاللہ یہ دور جلد ختم ہوگا اور ہم دونوں اپنی زندگی کا نیا اور شاندار دور بہت جلد شروع کر دیں گے! مجھ پر اعتبار کرو، میری محبت پر یقین کرو، وہ کون رات ہوتی ہے جب تم میری آنکھوں میں بسیرا نہیں لیتیں؟ وہ کون دن ہوتا ہے جب تم میرے دل میں متمکن نہیں ہوتیں؟ وہ کون گھڑی ہوتی ہے جب تمھاری یاد میری رفیق نہیں ہوتی؟ لیکن میری عابدہ اگر میں تمھیں ہمیشہ کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہوں، تو پھر یہ تکلیفیں، یہ دکھ، یہ مصائب جھیلنے ہی پڑیں گے۔

عابدہ :۔ میں انکار تو نہیں کرتی، صرف یہ کہتی ہوں کہ اب طبیعت اکتا گئی ہے ان دکھوں کو جھیلتے جھیلتے!

سعید :۔ جب تم اپنی حالت پر کڑھتی ہو تو خدا کے لیے ایک لمحہ کے لیے میری حالت پر غور کر لیا کرو!

عابدہ :- یعنی ـــــــ ؟

سعید :- میں کس طرح زندگی بسر کر رہا ہوں، کھاتا ہوں مگر لطف نہیں آتا تفریحوں میں شریک ہوتا ہوں لیکن بددلی سے، خلیفہ کے دربار میں جاتا ہوں لیکن جی چاہتا ہے بھاگ کھڑا ہوں ـــــــ

عابدہ :- اور زہرا کو جب گانے سکھانے جاتے ہیں تب کیا کیفیت ہوتی ہے؟ سچ سچ کہیئے گا، دیکھئے جھوٹ نہ بولئے گا کہے دیتی ہوں!

سعید :- جھوٹ کیوں بولوں؟ سچ کہتا ہوں، سچ ہی کہوں گا!

عابدہ :- تو بتائیے پھر؟

سعید :- وہاں جاتا ہوں، اُسے گانا سکھاتا ہوں صرف ایک فرض سمجھ کر ورنہ نہ جانے کیا بات ہے، اس عورت سے مجھے کچھ وحشت سی ہوتی ہے، اب تم نے سچ پوچھا ہے تو بتانا پڑتا ہے کہ زہرا مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کم کوشش نہیں کرتی ہے، مسکراتی ہے، خواہ مخواہ کی باتیں کرتی ہے، گانا کم سیکھتی ہے، عشق و محبت کی باتیں زیادہ کرتی ہے، لگاوٹ کی باتیں۔ میں اُوبھ جاتا ہوں ان باتوں سے، بلکہ کل تو بڑی نازک صورت پیدا ہوگئی تھی!

عابدہ :- کیا ہوا تھا؟

سعید :- ہوا یہ کہ زہرا صاحبہ گانا سیکھتے سیکھتے کہنے لگیں۔ یہ بتائیے آپ نے کبھی محبت بھی کی ہے کسی سے؟

عابدہ :- سچ، سچ کہیئے!

سعید :- ہاں بھئی بالکل سچ!

عابدہ:۔ پھر آپ نے کیا جواب دیا؟

سعید:۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا، ہاں محبت کرتا ہوں ایک دوشیزہ سے ـــــ یہ سنتے ہی چہرہ اتر گیا۔ بڑی بے دلی سے پوچھا کس سے؟ میں نے کہا ہے ایک شریف اور پاک دامن لڑکی، کہنے لگی، کچھ تو اتہ پتہ بتائیے، میں نے کہا وہ اپنے عاشق کے سوا کسی مرد سے باتیں نہیں کرتی، کسی کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش نہیں کرتی، کسی سے چاہ اور لگاوٹ کے پینگ نہیں بڑھاتی میں ایسی ہی عورت سے محبت کر سکتا ہوں اور کرتا ہوں!

عابدہ:۔ یہ سن کر جل ہی تو گئی ہوں گی بیگم صاحبہ۔

سعید:۔ اجی کچھ نہ پوچھو، کوئلہ ہو گئی جل کر۔

عابدہ:۔ کیا جس عورت کو اس کا عاشق اتنا چاہتا ہو کہ اسے لونڈی سے ملکۂ عالم بنا دے وہ بھی بدراہ ہو سکتی ہے؟

سعید:۔ ہے جو ـــــ اجی ان باتوں میں فطرت پر انحصار ہوتا ہے اگر فطرت خراب ہو تو وہ ہر حالت میں خراب ہی رہتی ہے۔ ایک تم ہو کہ عبداللہ کے محلسرا میں، اور خلیفہ کے محل میں بھی کوئی کشش نہیں محسوس کرتیں!

عابدہ:۔ کیوں کریں ہمیں کیا ضرورت ہے؟

سعید:۔ وہی تو کہتا ہوں ور ایک وہ عورت ہے کہ اسے محل میں رہکر بدنظری کی عادت ہے!

عابدہ:۔ خدا بچائے ایسی عورتوں سے!

سعید:۔ ایسی عورتوں سے تو بزرگوں نے پناہ مانگی ہے!

عابدہ:۔ ہاں سچ تو ہے!

سعید:۔ اچھا یہ بتاؤ تمھیں میری ثابت قدمی پر یقین آیا یا نہیں؟

عابدہ:۔ مجھے شک کب تھا؟

سعید:۔ بس تو اب کبھی شکایت نہ کرنا، جاؤ اور جس طرح میں نے کہا ہے اپنا کام انجام دیتی رہو!

عابدہ:۔ اس سے تو مجھے ذرا بھی انکار نہیں، اگر آپ کی خوشی اور خوشنودی مطلوب ہے، تو کیا، جو کچھ بھی آپ کہیں گے کرنا ہی پڑے گا۔ اور خوشی سے کروں گی!

سعید:۔ میرا پروگرام اگر کامیاب ہو گیا تو دیکھ لوگی، چند ہی روز میں کیا سے کیا ہوتا ہے؟ ــــ ہاں یہ تو بتاؤ وہ ڈبیہ جو میں نے دی تھی کہاں ہے؟

عابدہ:۔ میرے پاس ہے، آپ کی امانت ہے۔ اس لیے ہر وقت اپنے پاس رکھتی ہوں۔ اس وقت بھی میرے پاس ہے۔ ایک مرتبہ میں نے اسے کھولا تھا تو اس میں کچھ سفوف سا نظر آیا تھا، کوئی دوا ہے کیا؟

سعید:۔ ہاں ــــ اسے بہت احتیاط سے رکھنا۔ کبھی نظر سے اوجھل نہ ہونے دینا، جب میں طلب کروں دے دینا!

عابدہ:۔ اس وقت چاہیے، تو اس وقت حاضر ہے ــ لیکن ہے کیا؟

سعید:۔ بڑے کام کی چیز ہے ــــ اچھا اب تم جاؤ ایسا نہ ہو کہ محل میں کسی کو معلوم ہو جائے کہ تم وہاں سے غائب ہو تو بنا بنایا کام بگڑ جائے!

(۴۸)

بس صرف زہرا!

عابدہ کے جانے کے بعد سعید عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گیا! وہی بات تھی،

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے، کلیسا میرے آگے!

ایک طرف عابدہ کی بے لوث محبت تھی، وفاداری تھی، اطاعت تھی، سپر انگندگی تھی دوسری طرف زہرا تھی، جس کے حسن وجمال کا وہ پرستار تھا، جس سے وہ کسی طرح دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں تھا، کبھی دل مشورہ دیتا کہ عابدہ کی ان وفاداریوں اور دلداریوں کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو چاہا جائے، اس کی محبت قبول کرلی جائے، ساری زندگی اسی کے لیے وقف کر دی جائے، اور پھر دل یہ فیصلہ کرتا تھا، غلط ـــــ ایسا نہیں ہو سکتا، عابدہ زہرا کی خاکِ پا کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی، عابدہ حسین ہے اور زہرا حسینانِ جہاں کی سرتاج ہے، عابدہ میں اطاعت ہے، فروتنی ہے، خاکساری ہے، زہرا میں رعنائی ہے۔ پندار ہے، نخوت ہے اور میں اپنے دل کو کیا کروں، وہ اطاعت، فروتنی اور خاکساری سے پیار نہیں کرتا وہ رعنائی، پندار اور نخوت کے آگے سر جھکاتا ہے!

نہیں میں زہرا کو نہیں چھوڑ سکتا، اس کی محبت سے دستبردار نہیں ہو سکتا، اس کا عشق حاصلِ حیات ہے، اگر وہ نہیں اس کی محبت نہیں تو یہ زندگی بیکار ہے، پھر زندہ

رہنے میں لطف کیا؟

لیکن پھر کروں کیا؟

کیا عابدہ کو چھوڑ دوں؟

نہیں یہ بھی نہیں ہو سکتا!

عابدہ سے مجھے بہت سے کام لینے ہیں!

اگر وہ نہ ہوتی تو میں زہرا کو نہیں پا سکتا تھا!

الناصر کے محل میں بار نہیں پا سکتا تھا!

حکم اور عبداللہ میں منافرت اور دشمنی نہیں پیدا کر سکتا تھا!

یاسر اور فقیہ ابن عبدالبر کو اپنے دام میں اسیر نہیں کر سکتا تھا!

یہ سارے کارنامے میرے نہیں عابدہ اور صرف عابدہ کے ہیں، اسے میں چھوڑ نہیں سکتا۔ اسے مایوس نہیں کر سکتا، اس کا دل نہیں توڑ سکتا۔ اسے خفا نہیں کر سکتا، جب تک اپنا مقصد نہ حاصل کر لوں۔ جب تک زہرا کا مالک نہ بن جاؤں جب تک اندلس کی حکومت پر قبضہ نہ کر لوں، اس وقت تک عابدہ میرے لیے اتنی ہی ضروری ہے، جتنی ہوا، جتنا پانی!

اور یہ سوچتے سوچتے ایک دوسرا خیال اس کے دل میں کروٹ لینے لگا!

وہ یہاں افریقہ کے خاندان شاہی کی طرف سے ایک کارِ خاص پر مامور ہو کر آیا تھا! اس کے یہاں آنے کا مقصد یہ تھا کہ عبیدیوں کے لیے فضا ہموار کرے، لوگوں میں ان کی حمایت کا پروپیگنڈہ کرے اور اُندلس کے عوام کو ان کے حملہ کے لیے آمادہ اور مستعد کر دے، لیکن جب سے اُسے زہرا کا پتہ چلا تھا، جب سے زہرا سے

اُس نے باتیں کیں تھیں۔ جب سے زہرا نے اس سے محبت کا اقرار کیا تھا، وہ سب کچھ فراموش کر چکا تھا، اب نہ اسے افریقہ یاد تھا، نہ صقلیہ، نہ اُندلس، صرف ایک فکر تھی کہ زہرا حاصل ہو جائے۔

——— آہ، اس عشق میں ——— وہ سوچنے لگتا ——— میں نے کیا کیا نہیں کیا، گھر چھوڑا، در چھوڑا، ملک چھوڑا، دوست احباب سے کنارہ کش ہوا، اپنی اصل تحریک سے غافل ہو گیا، آج اگر عبیدیوں کو پتہ چل جائے کہ میں ان کی تحریک کو فروغ دینے کے بجائے یہاں عشق بازی کر رہا ہوں تو یہ سر گردن پر سلامت نہیں رہ سکے گا، لیکن میں انہیں بھی دھوکا دے رہا ہوں، ان سے بھی فریب کر رہا ہوں، آخر اس کا انجام کیا ہو گا؟

کچھ بھی ہو انجام عشق نے مجھے جس راستہ پر ڈال دیا ہے، اب اس سے منحرف ہونا میرے بس میں نہیں، زہرا کی خاطر، میں سب کچھ کر سکتا ہوں، ہر دُکھ جھیل سکتا ہوں ہر بدنامی قبول کر سکتا ہوں، لیکن اسے اور اس کے خیال کو چھوڑ دوں، یہ نہیں ہو سکتا، زندہ رہوں گا تو زہرا کو حاصل کر کے ورنہ پھر موت سے بہتر کوئی رفیق نہیں، مجھے نہیں چاہیئے ایسی زندگی جو بغیر زہرا کے ہو!

اور پھر وہ سوچنے لگا!

وہ حسرت پُوری ہو گئی جو دل میں ایک عرصہ سے انگڑائیاں لے رہی تھی، میں زہرا کو چاہتا تھا، اس سے عشق کرتا تھا، اس پر جان دیتا تھا، اور وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی بیزار تھی مجھ سے، میرا ذکر نہیں سُننا چاہتی تھی، میری صورت نہیں دیکھنا چاہتی تھی،

اور اب؟

ابھی کل ہی رات کی تو بات ہے جب اس کی آنکھوں نے محبت کا اقرار کیا، اس کی بے زبانی نے اعتراف کیا کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ محبت کبھی بے اثر نہیں رہتی کیونکر ممکن تھا کہ میں تو اسے چاہوں اور وہ مجھ سے نفرت کرتی رہے، بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ آبِ حیات کا جام لب تک آ جائے اور ٹھکرا دیا جائے۔ زہرا میری محبت کی قدر کرنے لگے اور میں اسے ٹھکرا دوں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ننگِ انسانیت حرکت ہو سکتی ہے؟

میں اب عبیدیوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتا، حکم سے، عبداللہ سے، الناصر سے، یاسر سے، سائر سے، کسی سے مجھے کوئی مطلب نہیں، مجھے صرف اپنی زہرہ سے مطلب ہے، میری زندگی کا مقصد اب صرف یہ ہے کہ اسے پوجوں، اسے چاہوں اور اس کا ہو رہوں، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ غلط ہے، لغو ہے، مہمل ہے، یہی میرا ایمان ہے۔ یہی میرا عقیدہ، یہی میری دُنیا، یہی میری زندگی اور یہی میرا حاصلِ حیات! ——— خدائی اور خدا سب کو بھول چکا ہوں، مجھے صرف ایک نام یاد ہے، اور وہ ہے ——— زہرا ———!

---

(۴۹)

نیا عہد!

اور عین خیالات کے اسی طوفانی ہنگام میں سعید نے دیکھا کہ یاسر اس طرف آرہا ہے وہ سنبھل کر بیٹھ گیا، ضرور کوئی خبر ملے گی، ممکن ہے امیرالمومنین نے یاد فرمایا ہو، لیکن یہ کم بخت یاسر معلوم ہوتا ہے موت اس کے سر پر کھیل رہی ہے۔ یہ زہرا کا بدترین مخالف ہے، اس کا دشمن ہے، اسے زک دینے کی ذلیل و رسوا اور بدنام کرنے کی، خلیفہ کی نظر سے اسے گرانے کی سرگرم کوششیں کرتا رہتا ہے، ہاں مانتا ہوں، اسے زہرا کے خلاف بھڑکانے میں میرا بہت بڑا حصہ ہے، لیکن غلطی کس سے نہیں ہو سکتی، مجھ سے بھی ہوئی، مگر اس غلطی کا خمیازہ زہرا بھگتے یہ نہیں ہو سکتا، اس کا خمیازہ یاسر ہی کو بھگتنا پڑے گا، اپنے علم نجوم کے زور سے کسی دن اس کے خلاف خلیفہ سے کوئی ایسی بات کہہ دوں گا کہ پھر زندگی سلامت رہنا مشکل ہو جائے گی مروّت اور رعایت کی حد ہو چکی، اب میرا اور یاسر کا ساتھ نہیں نبھ سکتا۔

لیکن نہیں ——— جب تک مرحلہ بالکل سر نہ ہو جائے، اس کم بخت یاسر سے بگاڑنا ٹھیک نہیں، کھوٹا سکہ بھی کبھی کبھی کام آجاتا ہے، ممکن ہے اس کی ضرورت پڑے، حالات نہ جانے کیا رُخ اختیار کریں، مناسب یہی ہے کہ ابھی اس سے ربط ضبط قائم رہے'!

اتنے میں یاسر بالکل قریب آگیا، سعید اس کے استقبال کو اُٹھ کھڑا ہوا۔ بڑے

تپاک اور گرمجوشی سے معانقہ کیا،

سعید :۔ خوب آگئے بھئی۔

یاسر :۔ جی ہاں منہ دیکھے کی محبت اسی کو کہتے ہیں!

سعید :۔ یہ کیوں جناب؟ آخر اس بدگمانی کی وجہ؟ سبب؟ علت؟

یاسر :۔ ہم نہ آئے تو آپ نے خبر بھی نہ لی، کچھ پاؤں میں مہندی تو نہیں لگی تھی، خود آگئے ہوتے تو کیا بگڑ جاتا؟

سعید :۔ نہیں بھائی مجھے غلط نہ سمجھو، بس ادھر کچھ ایسی ذہنی اُلجھنوں میں گرفتار رہا کہ بس نہ آسکا!

یاسر :۔ سبحان اللہ، آخر وہ ذہنی اُلجھنیں کیا ہیں؟

سعید :۔ فکر مستقبل اور کیا؟

یاسر :۔ اب بھی مستقبل کی فکر؟ الناصر کی ناک کے بال تو بنے ہوئے ہو؟

سعید :۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے یار، ان لوگوں کے بارے میں بالکل سچ کہا ہے کسی دل جلے نے کہ ——— "گاہے بہ سلامے برنجند، وگاہے بہ دشنامے خلعت دہند"!

یاسر :۔ (ہنس کر) نہیں ہمارے مولانا امیر المؤمنین ایسے نہیں ہیں۔

سعید :۔ اس وقت کیسے آنا ہوا؟ کیا امیر المؤمنین نے یاد فرمایا ہے؟

یاسر :۔ نہیں امیر المؤمنین یہاں کہاں؟ وہ تو قرطبہ کے قلعہ میں تشریف فرما ہیں۔

سعید :۔ (متحیر ہو کر) یہ کیوں؟

یاسر :۔ فرانس اور اطالیہ کے سفرا آئے ہیں، ان سے ملاقات اور بات چیت کے

لیے وہی جگہ منتخب فرمائی ہے!

سعید:۔ لیکن عام طور پر تو ایسی تقریبات یہیں قصر زہرا میں منعقد ہوا کرتی ہیں!

یاسر:۔ ہاں، لیکن اس مرتبہ وہ وہیں تشریف لے گئے ہیں۔

سعید:۔ کب تک واپس آئیں گے؟

یاسر:۔ کل یا پرسوں تک آجائیں گے!

سعید:۔ کوئی اور تازہ خبر؟

یاسر:۔ خبر کیا؟ اس کم بخت زہرا نے ناطقہ تنگ کر دیا ہے، لیکن میرا نام بھی یاسر نہیں اگر اسے چھٹی کا دودھ نہ یاد دلا دوں، ایسا انتقام لوں گا کہ عمر بھر یاد کرے گی، آٹھ آٹھ آنسو روئے گی، مُنہ میں کالک لگا دوں گا —— دیکھ لینا!

سعید:۔ (مسکرا کر) لیکن میرے بھائی کیوں خفا ہو اس قدر؟

یاسر:۔ باتیں ہی ایسی کرتی ہے۔

یاسر:۔ کیا ہوا آخر؟

یاسر:۔ کل پھر عبداللہ صاحب کا پیامبر سائرہ آیا تھا!

سعید:۔ (انجان بن کر) سچ؟ واقعی؟

یاسر:۔ ہاں بھئی، میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا!

سعید:۔ پھر کوئی کارروائی کیوں نہیں کی؟ خاموش کیوں رہے؟

یاسر:۔ اس لیے کہ امیرالمومنین یہاں تشریف فرما نہیں تھے!

سعید:۔ تو اس سے کیا ہو سکتا ہے۔ محل کے نگہدار اور پاسباں تو تم ہی ہو!

یاسر:۔ لیکن خلیفہ کی عدم موجودگی میں، میں بالکل بے بس ہوں، سارے اختیارات اس عورت کے ہاتھ میں ہیں اگر چوں بھی کروں تو وہ کان پکڑ کر نکال دے اور خلیفہ صاحب بھی اس کے فیصلہ کی اپیل نہیں سُن سکتے!

سعید:۔ واہ بھئی یہ تو اچھی خاصی دھاندلی ہوئی!

یاسر:۔ اور کیا؟ ——— لیکن امیرالمومنین کو آ لینے دو، اگر عبداللہ اور سائرہ کی داستان نمک مرچ لگا کر نہ سنائی، تب کہنا۔

سعید:۔ اس سے کیا ہوگا؟

یاسر:۔ خلیفہ کی نظر سے گر جائے گی، اول تو وہ اسے مار ڈالیں گے، اور اگر جان نہ لی تو ذلیل کرکے محل سے ضرور نکال دیں گے۔

سعید:۔ ٹھیک ہے، وہ اسی سزا کی مستحق ہے!

یاسر:۔ لیکن اس سلسلہ میں آپ کو میری مدد کرنی ہوگی۔

سعید:۔ میں ہر خدمت کے لیے ہمہ وقت حاضر ہوں!

یاسر:۔ اگر خلیفہ علم نجوم کے زور سے معلوم کرائیں کہ زہرا اور عبداللہ کے تعلقات کی کیا نوعیت ہے تو صاف صاف کہہ دینا کہ دونوں میں ناجائز تعلقات ہیں۔

سعید:۔ کہہ تو دوں، لیکن اس طرح دو بے گناہوں کا خون ہوگا میری گردن پر!

یاسر:۔ آپ ان دونوں کو بے گناہ سمجھتے ہیں؟

سعید:۔ میرے علم کا جہاں تک تعلق ہے ان دونوں میں ناجائز تعلقات نہیں ہیں!

یاسر:۔ پھر کیسے ہیں؟

سعید:۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے میرے لیے!

یاسر:۔ یہ کیوں؟ یہاں آپ کا علم بیکار کیوں ہوگیا؟

سعید:۔ میں معلوم کر سکتا ہوں، معلوم کروں گا، لیکن ذرا دیر لگے گی، کچھ عملیات ہیں، جن کی تکمیل کے بغیر اس طرح کی باتیں نہیں معلوم ہو سکتیں!

یاسر:۔ خیر مجھے اس سے کچھ بحث نہیں میں تو خلیفہ سے یہی کہوں گا، اور تمہیں میری تائید کرنا پڑے گی!

سعید:۔ یار یہ مشکل ہے جھوٹ نہ بلواؤ مجھ سے!

یاسر:۔ میری محبت، خلوص، دوستی اور رفاقت کا یہی صلہ ہے!

سعید:۔ لیکن اتنا بڑا صلہ؟

یاسر:۔ اگر ضرورت ہو تو میں آپ کی خاطر جھوٹا حلف بھی اٹھا سکتا ہوں، اپنی گردن بھی کٹا سکتا ہوں، دنیا بھر سے لڑائی مول لے سکتا ہوں اور تم ذرا سا جھوٹ بھی نہیں بول سکتے؟

سعید:۔ اچھا ایک بات کرو آؤ ہم تم عہد کرلیں کہ جو کچھ تم کہو گے اس کی میں تائید کروں گا جو کچھ میں کہوں اس کی تم تائید کرو گے۔

یاسر:۔ (ہاتھ بڑھا کر) میں عہد کرتا ہوں، اور زندگی بھر اس پر قائم رہوں گا!

سعید:۔ لیکن تمہیں ایک رعایت مجھے دینی ہوگی!

یاسر:۔ کس قسم کی رعایت چاہتے ہو مجھ سے؟

سعید:۔ یہ کہ میں علم نجوم سے واقف ہوں، علم رمل کا ماہر ہوں تم سے زیادہ قیافہ شناس ہوں، اگر کبھی بظاہر تمہاری مخالفت کروں، تو اسے مخالفت پر نہ محمول کرنا!

یاسر:۔ خوب ـــ پھر اسے دوستی سمجھوں؟ تائید یقین کروں؟

سعید:۔ ہاں —— اور یہ میرا ذمہ کہ میں اس بات کو سنبھال لوں گا، تم پر کسی طرح کی آنچ نہیں آنے پائے گی!

یاسر سعید کے بہت سے کرشمے دیکھ چکا تھا اور وہ اس سے عقیدت رکھنے لگا تھا، اُس نے کہا،

"مجھے منظور ہے!"

سعید نے کہا۔

"شاباش —— آج سے ہماری دوستی کا ایک نیا اور شاندار اور ہمیشہ قائم رہنے والا عہد شروع ہو رہا ہے۔ —— آؤ مصافحہ کرو!

دونوں نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر اس عہد کی توثیق کر دی!

(۵۰)

پھر وہی کنجِ تنہائی!

یاسر اب اس فکر میں تھا کہ کسی طرح ایک مرتبہ عبداللہ اور زہرا کو باتیں کرتے ہوئے اور دیکھ لے اور الناصر کو وہاں لاکر کھڑا کر دے، اسے یقین تھا اگر ایسا ہوا تو پھر زہرا کی خیر نہیں یا تو وہ فوراً ہلاک کر ڈالی جائے گی، یا ذلت و خواری کے ساتھ محل سے نکال دی جائے گی، اس فکر میں کئی دن گزر گئے، لیکن موقع نہ ملا، اتفاق کی بات کہ جس روز الناصر قرطبہ کے قصر سے سفرائے فرانس و اطالیہ کے خیر مقدم اور ضروری تقریبات سے فارغ ہو کر قصرِ زہرا میں واپس آیا، اسی دن عبداللہ اور زہرا کی پھر اسی کنج میں رات کے وقت بالکل تنہائی کے عالم میں ملاقات ہوئی، یاسر کو آتے جیسے ہی یاسر نے دیکھا سمجھ گیا آج قسمت نے پانسہ میرے حق میں پھینکا ہے، اور اب زہرا میرے جال سے سلامت نہیں نکل سکے گی، اس نے یہ اندازہ بھی کر لیا کہ محل کے کچھ لوگ یقیناً عبداللہ اور ساگر سے ملے ہوئے ہیں، ورنہ کیونکر ممکن تھا کہ یوں وہ آتا ہے عبداللہ کو اپنے ساتھ لاتا رہے اور کنج میں تخلیہ کی ملاقاتیں ہوتی رہیں، اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ زہرا کے ساتھ ان لوگوں کو بھی قرار واقعی سزا ملے گی اور میری اس وفاداری سے الناصر اتنا خوش ہو گا کہ تمام کا درجہ ختم ہو جائے گا، اور میں پھر اپنے اصلی مقام پر فائز ہو جاؤں گا، اس نے زہرا اور عبداللہ کو تخلیہ میں یوں باتیں کرتے دیکھا تو تیر کی طرح سیدھا الناصر کے کمرہ میں پہنچا، جہاں وہ ابھی ابھی قصرِ قرطبہ

سے واپس آکر، کچھ ضروری کاغذات کے مطالعہ میں مصروف و منہمک تھا، یاسر پہنچا اور حسبِ عادت ادب سے گردن جھکا کر کھڑا ہوگیا، لیکن الناصر اپنے کام میں اس درجہ محو و مستغرق تھا کہ اس نے محسوس ہی نہیں کیا، کون آیا ہے اور کیوں کھڑا ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد جب اس نے نظر اٹھائی تو یاسر کو سامنے کھڑا دیکھا، بغیر طلبی کے یاسر کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اُس نے محسوس کیا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے، لیکن اپنی یہ کیفیت اس نے ظاہر نہیں ہونے دی، بڑی سنجیدگی کے ساتھ دریافت کیا۔

الناصر:- کہو یاسر قصر کا کیا حال ہے؟

یاسر:- میرے آقا، قصر کے تمام امور ٹھیک طور پر انجام پا رہے ہیں!

الناصر:- ہمیں تمہارے حسنِ انتظام سے توقع بھی یہی تھی!

یاسر:- ویسے بھی غلام اپنے فرائض میں غفلت کا مرتکب نہیں ہوتا، لیکن جب امیر المومنین قصر سے باہر تشریف فرما ہوتے ہیں تو غلام اپنی ذمہ داریوں کو اور زیادہ گراں بار محسوس کرنے لگتا ہے، دن کا آرام اور رات کی نیند اڑ جاتی ہے، کھانے پینے کا ہوش نہیں رہتا، صرف ایک ہی فکر رہتی ہے کوئی ایسی بات، رونما نہ ہو جائے جو امیر المومنین کی ذہنی اور قلبی پریشانی کی موجب ہو!

الناصر:- شاباش شاباش ——— ہمیں یقین ہے ہماری عدم موجودگی میں ایسی کوئی بات رونما نہیں ہوئی ہوگی!

یاسر:- کاش اس سوال کا جواب، غلام اثبات میں دے سکتا!

الناصر:- (پریشان ہوکر) کیوں؟ کوئی خاص بات رونما ہوئی!

یاسر:- وہی جس کا مشاہدہ امیر المومنین ایک مرتبہ کر چکے ہیں!

الناصر:۔ یعنی ——— ؟

یاسر:۔ وہی شہزادہ عبداللہ ———

الناصر:۔ اوہ میں سمجھ گیا ——— کیا وہ اب بھی یہاں آتا ہے؟

یاسر:۔ جی تشریف لاتے ہیں!

الناصر:۔ چوروں کی طرح، مجرموں کی مانند، دبے پاؤں؟

یاسر:۔ جی بالکل یہی کیفیت ہے'!

الناصر:۔ اور زہرا؟ ——— کیا وہ اب بھی اس سے ملتی رہتی ہے؟

یاسر:۔ انکار کیوں کر کروں میرے آقا؟

الناصر:۔ اور وہیں؛ اس کنج میں، رات کے وقت؛ تنہائی کے عالم میں؟

یاسر:۔ امیرالمومنین روشن ضمیر ہیں، ان پر سب کچھ روشن ہے' ان کی زبان سے وہی الفاظ نکلے جو حقیقت ہیں، جو واقعہ ہیں!

الناصر:۔ (سر پکڑ کر) اُف کتنا بڑا سانحہ ہے!

یاسر:۔ بے شک، بہت بڑا سانحہ، بہت رنجدہ حادثہ!

الناصر:۔ یہ عبداللہ میرا بیٹا ہے، میرا لختِ جگر ہے، میرا نورِ نظر ہے، اس سے میں محبت کرتا ہوں، اسے چاہتا ہوں، اس کی دلداری کرتا ہوں اور وہ اس کا صلہ یہ دے رہا ہے کہ میری حرم کو جو اس کی ماں کا مرتبہ رکھتی ہے' اس طرح گناہ اور پاپ کے راستے پر ڈال رہا ہے!

یاسر:۔ امیرالمومنین شہزادے صاحب نوجوان ہیں ———

الناصر:۔ (برہم ہو کر) تو اس سے کیا ہو سکتا ہے، نوجوان کے معنی یہ ہیں کہ ماں اور بہن

میں بھی امتیاز نہ کیا جائے؟ پھر اس میں اور ایک کتے میں کیا فرق ہے؟

یاسر:- بجا ارشاد ہوا ——— لیکن غلام یہ عرض کر رہا تھا کہ وہ دنیا سے ابھی ناواقف ہیں ———

الناصر:- غلط، مہمل، جھوٹ ——— وہ تمہاری نظر میں اس بدمعاشی اور بیہودگی کے باوجود دنیا سے ناواقف ہے، اگر وہ ناواقف ہو کر یہ کچھ کر سکتا ہے تو پھر واقف ہو کر تو شاید قیامت برپا کر دے!

یاسر:- میرے آقا غلام کچھ اور عرض کرنا چاہتا تھا ——— اس کا مدعا یہ تھا کہ وہ ابھی نوآموز ہیں، ناتجربہ کار ہیں ———

الناصر:- پھر وہی بکواس ——— نہیں وہ نوآموز اور ناتجربہ کار نہیں ہے، وہ شیطانوں کا شیطان ہے، وہ بدمعاشوں کا بدمعاش ہے، یہ حرکتیں جو وہ کر رہا ہے میرا خیال ہے کوئی بڑے سے بڑا غنڈہ اور عادی مجرم بھی نہیں کر سکتا، اور تم اسے ناتجربہ کار اور نوآموز سمجھ رہے ہو؟ حد ہو گئی حماقت کی!

یاسر:- میرے مالک، شاید غلام اپنا مافی الضمیر اچھی طرح سے ادا نہیں کر پایا۔

الناصر:- (اُوبھ کر) کیا ہے وہ مافی الضمیر؟

یاسر:- یہ کہ عورتیں ہی فتنہ و فساد کی جڑ ہوتی ہیں، مرد انہیں نہیں ورغلاتا وہ خود مردوں پر ڈورے ڈالتی ہیں!

الناصر:- (گردن ہلا کر) یہ تھا تمہارا مطلب ——— ؟

یاسر:- جی ——— خود غور فرما لیجئے، اگر جرم عبداللہ کا ہوتا تو زہرا اس کے محل میں اس سے ملنے جاتی، جُرم چونکہ زہرا کا ہے، لہٰذا عبداللہ یہاں آتا ہے،

وہ اسے بلاتی ہے، اس کی شہ پر طاز بن اس کی اور سائرہ کی آمد پر چشم پوشی
سے کام لیتے ہیں!

الناصر:۔ میں ان لوگوں میں سے کسی کو زندہ نہیں رہنے دوں گا!

یاسر:۔ (خوش ہو کر) بجا ارشاد ہوا، یہ لوگ اسی سلوک کے مستحق ہیں، محسن کشوں اور
احسان فراموشوں، غداروں اور خود غرض ہوس پرستوں کا انجام یہی ہونا چاہیئے

الناصر:۔ بے شک ——— اور میں یہی فیصلہ کر چکا ہوں!

یاسر:۔ بہت مبارک فیصلہ ہے!

الناصر:۔ میں چاہتا ہوں، ان لوگوں کو موقع پر گرفتار کروں ———

یاسر:۔ جی ——— آج ———

الناصر:۔ اب جس دن یہ لوگ آئیں اور اس طرح ملیں، فوراً مجھے اطلاع دو، میں تمہارے
ساتھ چل کر بچشم خود حالات کا معائنہ کروں گا، اور قضیۂ زمین بر سر زمین کے
مصداق وہیں اور اسی جگہ فیصلہ کر دوں گا!

یاسر:۔ غلام اس وقت اسی مقصد کے لیے حاضر ہوا تھا!

الناصر:۔ (چونک کر) کیا مطلب؟ کیا عبداللہ محل میں آیا ہوا ہے؟

یاسر:۔ جی ہاں وہ تشریف فرما ہیں!

الناصر:۔ (غصہ سے) اچھا یہ جرأت ——— اور زہرہ وہ کہاں ہے؟

یاسر:۔ وہیں! ——— عبداللہ کے پاس دونوں میں گھل مل کر باتیں ہو رہی ہیں!

الناصر:۔ سچ کہتے ہو؟

یاسر:۔ غلام اپنے آقا کے سامنے کس طرح جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ بالکل سچ

عرض کر رہا ہوں۔

الناصر:۔ ہم چلیں گے، اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور وہیں ان دونوں کی گردن تلوار سے اڑا دیں گے ـــــــ یہ دونوں زندگی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں، آج موت نے ان دونوں کو ایک جگہ کیا ہے!

یاسر:۔ بجا ارشاد ہوا،

الناصر:۔ ہماری تلوار کہاں ہے؟ ـــــــ لاؤ۔

یاسر:۔ (جلدی سے تلوار اٹھالاتا ہے) یہ حاضر ہے!

الناصر:۔ چلو ـــــ کہاں ہیں وہ لوگ؟

یاسر:۔ وہیں، اسی باغ میں، اسی کنج میں جہاں اس سے پہلے آپ نے دیکھا تھا،!

الناصر یاسر کے ساتھ روانہ ہوا، رات کافی آچکی تھی، محل کی اکثر خادمائیں اور کنیزیں سو چکی تھیں،!

الناصر اس طرح روانہ ہوا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے، یاسر سایہ کی طرح ساتھ ساتھ چل رہا تھا، باغ کے دروازے پر پہنچے تو اسے بند پایا، الناصر نے کہا۔

الناصر:۔ دروازہ تو بند ہے ـــــــ شاید وہ لوگ اُٹھ گئے!

یاسر:۔ نہیں میرے آقا، وہ لوگ یہیں موجود ہیں، وہ لوگ چور دروازے سے گئے ہیں ہم صدر دروازے سے داخل ہو رہے ہیں، کُنجی میرے پاس ہے ابھی کھولتا ہوں ـــــ آئیے، دروازہ کُھل گیا۔

الناصر اور یاسر باغ کے اندر داخل ہوئے، دوا یک طرف کچھ ہلکی ہلکی سی روشنی نظر

آئی یاسر نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس وہیں مجلس جمی ہوئی ہے ——— ایک طرف سائرن ان دونوں کے سامنے لیکن اتنے فاصلہ پر کہ گفتگو نہ سن سکے بیٹھا ہوا ہے، اور زہرا و عبداللہ راز و نیاز میں مصروف ہیں!

الناصر:۔ (دانت پیس کر) یہ ان دونوں کی آخری ملاقات ہے ——— لیکن قبل اس کے کہ موت ان دونوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا کرے، ہم چاہتے ہیں کہ ان کی گفتگو بھی سن لیں!

یاسر:۔ میرے آقا اس کا انتظام بڑی خوبی سے ہو سکتا ہے، دیکھئے وہ اس کنج کے پاس ایک بہت بڑا درخت ہے۔ ہم دونوں اسی کی آڑ میں کھڑے ہو جائیں گے، وہ ہمیں نہ دیکھ سکیں گے، اور ہم ان کے اتنے قریب ہوں گے کہ بڑی آسانی سے گفتگو سن لیں گے!

الناصر:۔ ہاں ٹھیک ہے چلو!

———

(۵۱)

پانسہ پلٹ گیا!

یاسر نے عبدالرحمٰن الناصر کو لے جا کر واقعی ایک ایسے درخت کے پاس کھڑا کر دیا کہ ان دونوں کی باتیں بہت آسانی سے سُنی جا سکتی تھیں، یاسر الناصر دم سادھے، سانس روکے کھڑے ہو گئے کہ زہرا اور عبداللہ اور سائرہ کو کسی غیر کی موجودگی کا شبہ نہ ہو، الناصر تلوار کی ٹیک لگائے درخت سے ملا کھڑا تھا زہرا عبداللہ سے کہہ رہی تھی،

زہرا:- عبداللہ، تم میری محبت سے ناجائز اور غلط فائدہ اٹھا رہے ہو، اب یہ نہیں ہو سکے گا''!

عبداللہ:- نہیں، تم نہیں سمجھتیں، اگر میں نے تمہاری محبّت کا صحیح اندازہ لگایا ہے تو تمہیں میرے راستہ کا پتھر نہ بننا چاہیئے، میری مدد کرنی چاہیئے، میرا ساتھ دینا چاہیئے ——— تختِ خلافت میرا منتظر ہے''!

یاسر نے آنکھ کے اشارہ سے الناصر سے کہا،

"ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ ——— یہ ہیں آپ کے فرزندِ سعادت مند، یہ ہے آپ کی محبوبۂ دلنواز، کس بے تکلفی سے محبّت کا اعلان و اظہار ہو رہا ہے کس اطمینان سے تختِ خلافت پر قبضہ کی اسکیمیں بنائی جا رہی ہیں، کتنی ڈھٹائی اور بے غیرتی سے آپ کی مملکت میں آپ کے محل میں آپ کا نمک کھا کر آپ کے سہارے زندگی بسر کر کے یہ لوگ آپ ہی کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں!

الناصر نے اس اشارہ کو سمجھ لیا، اس کی آنکھوں سے چنگاریاں برس رہی تھیں اس کا چہرہ وفورِ غضب سے تمتمایا ہوا تھا، اس کے پاؤں غصہ اور صدمہ کے باعث کانپ رہے تھے، لیکن اس نے اپنے جذبات پر قابو پالیا، اور انگلی کے اشارہ سے کہا،

"خاموش ـــ مجھے سننے دو، سُن لینے دو، پھر وہی ہوگا، جس کا فیصلہ کر کے میں آیا ہوں"

یاسر خاموش ہو گیا، لیکن دل میں بہت خوش ہو رہا تھا!

اسے یقین تھا انتقام کا وقت آگیا!

تھوڑی دیر میں شہزادہ عبداللہ اور زہرا کی گردنیں اسی باغ میں پھڑپھڑا رہی ہوں گی! زہرا کے مرتے ہی تمام کی ترکی تمام ہو جائے گی، آج میں خلیفہ کی نظر سے اترا ہوا ہوں، کل تمام کی یہی کیفیت ہوگی، میں پھر امیرالمومنین کی نظر پر چڑھ جاؤں گا، پھر میرا وہی دبدبہ اور طنطنہ ہوگا، جو پہلے تھا۔

اور عبداللہ اور زہرا کی باتیں جاری تھیں!

زہرا:۔ کیا تم تختِ خلافت کے مدعی ہو؟

عبداللہ:۔ کیوں نہیں ـــــــ والد محترم نے ایک ایسے شخص کو ولی عہد بنایا ہے جسے دنیا کے مقابلہ میں عقبٰے کی کوئی فکر نہیں، علم میں، عمل میں، شرافت میں، شجاعت میں، کس چیز میں یہ خاکسار حکم سے کم ہے؟

زہرا:۔ تمہیں حکم پر بھی اعتراض ہے، نہ تم اس کی ولیعہدی چاہتے ہو، نہ باپ کی خلافت پر راضی ہو!

عبداللہ:۔ بالکل نہیں؟

زہرا:۔ لیکن آخر کیوں؟

عبداللہ:۔ اس لیے کہ حکم نااہل اور نالائق ہے، اور میرا باپ ـــــ میرے باپ
کی یہ حالت ہے کہ اس نے چند روز کے وعدے پر عابدہ کو بلایا تھا اور اب وہ
اس کے محل میں اسیر ہے، بھائی اور باپ اگر میری ذرا سی خوشی بھی نہیں برداشت
کر سکتے، پھر میں ان کا خیال کیوں کروں!

زہرا:۔ لیکن عبداللہ یہ تو سوچو، بڑے بھائی کا حق فائق ہوتا ہے!

عبداللہ:۔ میں اسے نہیں مانتا، یہ اسلام کا حکم نہیں ہے کہ بڑی اولاد ہی کو اگرچہ وہ کتنی
ہی نالائق اور نااہل کیوں نہ ہو ولی عہد بنایا جائے اور چھوٹی اولاد کو گو وہ کتنی
ہی اہل اور قابل کیوں نہ ہو نظرانداز کر دیا جائے، میں اس فیصلہ کے خلاف
بغاوت کروں گا، اس فیصلہ کو اپنے زورِ بازو سے بدل دوں گا!

زہرا:۔ زورِ بازو کا مظاہرہ باپ کے مقابلہ میں کرو گے؟

عبداللہ:۔ مجبوری ہے جب باپ خود مجبور کر دے تو بیٹا کیا کرے؟

زہرا:۔ لیکن تم سمجھتے ہو کہ اگر تم نے بغاوت کی تو کامیاب ہو جاؤ گے؟

عبداللہ:۔ ضرور کامیاب ہوں گا۔

زہرا:۔ یہ اندازہ کس طرح کیا تم نے یہ بھی تو بتاؤ!

عبداللہ:۔ اس لیے کہ رعایا کو میرے ساتھ ہمدردی ہے، فقیہ ابنِ عبدالبر جیسا
زبردست اور ہمہ دان شخص میرا پشت پناہ ہے۔

زہرا:۔ لوگ اپنے خاندان کا نام روشن کرتے ہیں اور تم اپنے خاندان کو مٹانے پر تلے
ہوئے ہو، کیا سعادت، شرافت اور شجاعت اسی کو کہتے ہیں؟

عبداللہ:۔ کچھ بھی ہو ـــــ جب لوگ مجھے حکم پر ترجیح دیتے ہیں، تو میں کیوں نہ اس

موقع سے فائدہ اٹھاؤں!

زہرا:۔ لیکن یہ تو سوچو، کس سے مقابلہ کی ٹھانی ہے تم نے؟ —— باپ سے ——؟

عبداللہ:۔ ہاں —— اور یہ باپ وہ ہے جس نے میری خوشی چھین لی، میری مسرت لوٹ لی، نشاطِ خاطر سے مجھے محروم کر دیا!

زہرا:۔ عقل کے ناخن لو عبداللہ، ایک عورت کے لیے تم باپ کے دشمن ہو گئے ہو! جس نے تمہیں پالا پوسا، شہزادہ بنا کر رکھا، تمہیں مال و دولت سے بے نیاز کر دیا!

عبداللہ:۔ معاملہ میرا ہی نہیں —————— قومی نقطۂ نظر سے بھی یہ ضروری ہے کہ والد محترم سے مسندِ خلافت چھین لی جائے وہ ہرگز اس منصب بلند کے سزاوار نہیں ہیں۔

زہرا:۔ یعنی قوم بھی ان کی مخالف ہے؟

عبداللہ:۔ ہاں، بہت زیادہ۔

زہرا:۔ لیکن کس جرم میں؟ کیا خطا سرزد ہوئی ہے امیرالمومنین سے؟

عبداللہ:۔ (طیش میں آکر) بتاؤں؟ سن سکو گی؟

زہرا:۔ ہاں ضرور سنوں گی، بتاؤ۔

عبداللہ:۔ انہوں نے عربوں اور بربروں میں افتراق پیدا کیا، انہوں نے عربوں کے فخر کو ختم کر دیا۔ انہوں نے خواجہ سراؤں کو وہ عروج دیا کہ عرب بھی ان پر رشک کرتے ہیں، انہوں نے فضول خرچی کا ریکارڈ قائم کر دیا، یہ محل بنایا وہ قصر زریں تعمیر کر ڈالا، نئے نئے پل بنوا ڈالے، نئی نئی نہریں نکال دیں، مسافر خانے اور سرائے کی تعمیر پر بے دریغ روپیہ صرف کر دیا، عجائب خانے بنا ڈالے، چڑیا گھروں

کی بنیاد رکھ دی، حکومت کا سارا روپیہ انہی ذہنی تعیشات پر صرف ہوتا ہے،
اس سے قوم اور ملک کو کیا فائدہ پہنچتا ہے، دنیا والے واہ واہ کرتے ہیں،
شہرت بڑھتی ہے، لیکن قوم کو، ملک کو، دین کو، ملت کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

زہرا:۔ ٹھیک کہتے ہو!

عبداللہ:۔ غلط ہو تو ٹوک دیجئے، میں اپنی غلطی مان لوں گا!

زہرا:۔ اچھا امیر المومنین کے جرائم کی فہرست ختم ہو گئی؟

عبداللہ:۔ سوچوں تو اور بھی بہت سے بیان کر سکتا ہوں، لیکن جتنے کچھ میں نے بیان کر دیئے ہیں، وہ بھی کچھ کم ہیں؟

زہرا:۔ نہیں بہت زیادہ ہیں ——— اچھا اب میری ایک بات سنو، لیکن گوشِ ہوش سے!

عبداللہ:۔ سن رہا ہوں فرمائیے!

زہرا:۔ تمہیں یقین ہے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں؟

عبداللہ:۔ ہے اور بہت زیادہ۔

زہرا:۔ اور اتنی محبت کیوں کرتی ہوں؟

عبداللہ:۔ اس لیے کہ آپ کو یقین ہے میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں، آپ کا لحاظ کرتا ہوں، آپ کا ادب کرتا ہوں، آپ کی بات مانتا ہوں!

زہرا:۔ نہیں یہ کچھ نہیں میں اس لیے محبت کرتی ہوں کہ تم عبدالرحمٰن الناصر کے بیٹے ہو جو اس دنیا میں سب سے زیادہ مجھے چاہتا ہے، اور جو اس دنیا میں سب سے زیادہ مجھے عزیز ہے!

عبداللہ:۔ ہاں ہو سکتا ہے!

زہرا:۔ تمہیں یاد ہے ایک مرتبہ تم اور میں یہاں اسی طرح اسی وقت آئے تھے؟

عبداللہ:۔ ہاں یاد ہے!

زہرا:۔ اور تم نے عابدہ کے بارے میں اپنا دکھڑا سنایا تھا؟

عبداللہ:۔ جی ہاں یہ بھی یاد ہے!

زہرا:۔ اور میں نے تمہیں نصیحت کی تھی کہ صبر سے کام لو، بڑے بھائی اور باپ سے دشمنی پر کمر نہ باندھو؟ —— ٹھیک ہے نا؟

عبداللہ:۔ بالکل ٹھیک۔

زہرا:۔ اور پھر جانتے ہو کیا ہوا تھا؟

عبداللہ:۔ میں نہیں جانتا۔

زہرا:۔ امیرالمومنین کو کسی میرے دشمن نے بتا دیا کہ تم چوروں کی طرح یہاں آئے تھے، باغ کے کنج میں میری اور تمہاری تنہا رازدارانہ اور پُراسرار ملاقات ہوئی تھی ——

عبداللہ:۔ (حیرت سے) اچھا، واقعی؟

زہرا:۔ اور امیرالمومنین مجھ سے بدگمان ہو گئے، خفا ہو گئے، متنفر ہو گئے، انہوں نے بات چیت تک بند کر دی مجھ سے!

عبداللہ:۔ ارے میں نہیں جانتا، یہ کچھ ہو چکا ہے!

زہرا:۔ ہاں —— میں نے بدنامی گوارا کر لی، امیرالمومنین کی بدگمانی بھی برداشت کر لی ان کی طنز بھری باتیں بھی سُن لیں، ان کے کڑوے کسیلے بول بھی سہ لیے،

ان کی نظر میں ذلیل بھی ہوگئی ، لیکن انہیں یہ نہ بتایا کہ تم کیوں آئے تھے ! تم
سے کیا بات چیت ہوئی تھی ! جانتے ہو کیوں ؟

عبداللہ :۔ بتائیے میں نہیں جانتا !

زہرا :۔ صرف اس لیے کہ تم میں اور امیرالمومنین میں بدمزگی نہ ہو ، اگر وہ تم سے خفا ہو
جاتے تو تم کہیں کے نہ رہتے ، میں مرتبہ محبوبیت پہ فائز تھی ، مجھے یقین تھا
مجھ سے وہ ہمیشہ کے لیے برہم نہیں ہو سکتے ! ـــــــ لہذا میں نے تم پہ
آنچ نہ آنے دی اپنے اوپر اوڑھ لیا سب کچھ !

عبداللہ :۔ میں شکرگزار ہوں اس محبت کا ، واقعی مجھے اندازہ نہ تھا کہ آپ میرے
لیے اتنا کچھ کر سکتی ہیں :

زہرا :۔ اور اب میں تم سے اپنی اس محبت اپنے اس جاؤ اور اپنے اس کارنامہ کا
صلہ طلب کرتی ہوں !

عبداللہ :۔ جو کہئے ، میں آپ کا خادم ہوں ، کسی حکم سے باہر نہیں ۔

زہرا :۔ عہد کرو کہ اب ایسے ناپاک اور ذلیل خیالات تمہارے دل میں نہیں آئیں
گے اب کبھی ایسی بات نہیں سوچو گے ، زندگی بھر باپ کی اور بڑے بھائی کی
اطاعت و فرمانبرداری کرو گے ، ان تمام لوگوں سے قطع تعلق کر لو گے جنہوں نے
تمہیں باپ سے بغاوت کا مشورہ دیا تھا ــــــ بتاؤ کرتے ہو وعدہ ؟

عبداللہ :۔ اس تمام احترام کے باوجود جو میرے دل میں آپ کا ہے ، میں یہ وعدہ
کرنے سے قاصر ہوں ۔

زہرا :۔ یعنی تم اپنی رائے پہ قائم ہو ؟

عبداللہ :- جی ہاں، اس لیے کہ میں نے سوچ سمجھ کر وہ رائے قائم کی تھی !

زہرا :- لیکن سوچ سمجھ کر جو رائے قائم کی جائے وہ بھی غلط ہو سکتی ہے !

عبداللہ :- میں اسے نہیں مانتا۔

زہرا :- تم میرے اخلاص کا صلہ اسی نافرمانی کی صورت میں دو گے ؟

عبداللہ :- کاش میں ایسا نہ کر سکتا !

زہرا :- نہیں تمہیں میرا کہنا ماننا پڑے گا، میری بات پر عمل کرنا پڑے گا، تم غلط راستے پر جا رہے ہو، اور میں اس راستہ پر تمہیں نہیں چلنے دوں گی !

عبداللہ :- میں آپ کا حکم مان لیتا، اگر غلط راستے پر چل رہا ہوتا، لیکن میں جانتا ہوں کہ امیرالمومنین کے خلاف بغاوت کر کے میں ملک و قوم اور مذہب کی بہت بڑی خدمت انجام دوں گا، !

زہرا :- مجھے تم سے یہ اُمید نہ تھی کہ اس طرح تم مجھے میری نظر میں ذلیل کر دو گے، کتنی امیدیں تھیں مجھے تمہاری ذات سے، !

یہ کہہ کر زہرا رونے لگی، لیکن عبداللہ پر کوئی خاص اثر نہ ہوا اُس نے کہا۔
"آپ نہ روئیے ــــــ کاش میں آپ کو خوش رکھ سکتا، اس ایک بات کے علاوہ آپ جو کچھ کہیں گی اس کی دل و جان سے تعمیل کروں گا !

زہرا :- مجھے اس کے سوا کچھ اور نہیں کہنا ہے ــــــ عبداللہ اب تک میں تم سے استدعا کر رہی تھی، التجا کر رہی تھی، اب حکم دیتی ہوں کہ اس خیالِ خام سے باز آ جاؤ !

عبداللہ :- افسوس ہے کہ اس حکم کو بھی میں نہ مان سکوں گا۔

زہرا:۔ تمہیں ماننا پڑے گا، !

عبداللہ:۔ میں مجبور ہوں !

زہرا:۔ لیکن میں مجبور نہیں ہوں میں اپنے حکم کی تعمیل کرا سکتی ہوں، کرا دُوں گی،

یہ کہہ کر زہرا نے دستک دی اور دستک کی آواز سنتے ہی ایک دوسرے کنج سے جو بالکل سامنے تھا دس مسلح غلام نمودار ہوئے اور سامنے آ کر کھڑے ہو گئے !

زہرا نے عبداللہ اور سائر کی طرف اشارہ کر کے کہا،

"ان دونوں کو گرفتار کر لو" !

سائر تو کانپنے لگا، اس نے ذرا بھی مزاحمت نہ کی، اس کی گرفتاری بغیر کسی دشواری کے عمل میں آ گئی، لیکن جب دو مسلح غلام عبداللہ کے سامنے پہنچے تو اُس نے کہا۔

"کیا تم مجھے پہچانتے نہیں ؛ تم نہیں جانتے میں کون ہوں ؟

زہرا نے کہا۔

اگر یہ لوگ نہیں پہچانتے تو میں بتائے دیتی ہوں، یہ ہیں شہزادہ عبداللہ امیرالمومنین عبدالرحمان الناصر کے فرزند دلبند، لیکن میں حکم دیتی ہوں کہ اس شخص کو گرفتار کر لو، اگر یہ ذرا بھی مزاحمت کرے، تو اسے قتل کر دو، تمہارے اس فعل کی ذمہ دار میں ہوں، تم پر کوئی الزام نہیں آ سکتا، تمہیں کوئی سزا نہیں مل سکتی، تم پر کسی تعزیر و عقوبت کے مستحق نہیں قرار دیئے جا سکتے، تم جو کچھ کر رہے ہو میرے حکم سے کر رہے ہو، کیا تمہیں تامل ہے میرا حکم ماننے میں ؟

سب نے متفق اللفظ جواب دیا۔

ہم کسی کو نہیں جانتے ہم آپ کے غلام ہیں اور تعمیلِ حکم اپنا فرض سمجھتے ہیں!

زہرا نے کہا۔

شاباش وفاداری کے معنی یہی ہیں، —— بس اب دیر نہ کرو، میں پھر کہتی ہوں، عبداللہ کو گرفتار کر لو، اور اگر یہ ذرا بھی مزاحمت کرے تو بے تامل اس کی گردن اڑا دو!

یہ سنتے ہی وہ دسوں آدمی عبداللہ کی طرف لپکے، زہرا کی باتوں سے عبداللہ کچھ اتنا ہراساں اور سراسیمہ ہو چکا تھا کہ ذرا بھی مزاحمت نہ کر سکا، اس نے کچھ بھی مزاحمت نہیں کی اور آن کی آن میں وہ ایک قیدی بن گیا،!

عبدالرحمٰن الناصر، یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا،!

شروع میں اس پر برہمی اور غضب کی کیفیت طاری تھی لیکن جیسے جیسے گفتگو آگے بڑھی، اس کا غصہ کم ہوتا گیا اور دلچسپی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ جب زہرا نے مردانہ تیوروں کے ساتھ عبداللہ کی گرفتاری، ورنہ قتل کا حکم دیا تو وہ اپنی مسرت نہ دبا سکا۔ بے ساختہ اس کے منہ سے جزاک اللہ نکل گیا، لیکن اس وقت کچھ ایسی آپا دھاپی اور افراتفری کی کیفیت طاری تھی کہ کسی نے اس طرف توجہ نہ کی اور یاسر کا یہ عالم تھا کہ چہرہ زرد ہو رہا تھا، آئے گئے حواس باطل ہو رہے تھے، الناصر نے یاسر سے چلنے کا اشارہ کیا، اور ان سب کو اس حالت میں چھوڑ کر یاسر کے ساتھ باغیچہ سے باہر نکل کر اُس نے یاسر کے منہ پر ایک طمانچہ لگایا، اور اپنے کمرہ میں جا کر لیٹ گیا!

---

(۵۲)

قتل کا مشورہ!

یاسر خلیفہ کا طمانچہ کھا کر سیدھا سعید کے پاس پہنچا، اس کا بدن کانپ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، سعید نے اس حالت میں اسے دیکھا تو گھبرا گیا، اس نے کہا۔

کیا بات ہے یاسر تم اتنے پریشان اور آشفتہ خاطر کیوں نظر آرہے ہو کیا کوئی خاص واقعہ پیش آیا!؟

یاسر کی گھگی بندھی ہوئی تھی، بڑی مشکل سے اس نے اپنے اوپر قابو پایا اور آج کی ساری داستان از اوّل تا آخر اسے سنا دی اور کہا۔

میں نے سوچا تھا، آج زہرا کا خاتمہ ہو جائے گا، لیکن وہ نہ صرف بچ گئی بلکہ خلیفہ کی نظر میں اور زیادہ محبوب و معزز بن گئی، میں نے سوچا تھا، میں اپنا کھویا ہوا اقتدار واپس لے لوں گا، خلیفہ کی نظر میں میری وقعت بڑھ جائے گی، لیکن ہوا یہ کہ میں ان کی نظر میں اور زیادہ ذلیل و رسوا ہو گیا۔

اب کیا ہو گا؟

سعید یہ باتیں سن کر سکتہ میں آگیا، اس نے یاسر کی تسلی اور دلدہی کرتے ہوئے کہا، کچھ فکر نہ کرو، سب کچھ ٹھیک ہوگا ـــــ آخر میں کس مرض کی دوا ہوں، تم نے ہر موقع پر میرا ساتھ دیا ہے، کیا میں اتنا بھی نہیں کر سکتا کہ امیرالمؤمنین کا دِل

تمھاری طرف سے صاف کر دوں، جاؤ تم اطمینان کی نیند سوؤ، اور اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑ دو!

یاسر کے تن مردہ میں زندگی کی نئی رمق پیدا ہوئی اور وہ اپنی قیام گاہ پر واپس چلا گیا!

یاسر کے جانے کے تھوڑی دیر بعد سعید بستر پر سونے کے لیے لیٹا ہی تھا کہ خلیفہ کا خادم ہانپتا کانپتا حاضر ہوا، اس نے عرض کیا،

امیرالمؤمنین نے آپ کو فوراً طلب فرمایا ہے!

یہ سن کر سعید پر ایک گھبراہٹ تو ضرور طاری ہوئی، لیکن اس نے یہ کیفیت خادم پر ظاہر نہیں ہونے دی، وہ کتاب نجوم بغل میں داب کر الناصر کے حضور میں پہنچا، اس نے دیکھا کہ خلیفہ پر اس وقت اضطراب و اضطرار کی کیفیت طاری ہے، وہ ٹہل رہا ہے، کچھ سوچ رہا ہے اور کبھی کبھی زیر لب باتیں بھی کرنے لگتا ہے، سعید خلیفہ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا، خلیفہ نے اس سے کہا۔

الناصر:۔ تم آ گئے؟

سعید:۔ عالی جاہ!

الناصر:۔ تمھیں یاد ہے آج سے کچھ روز پیشتر ہم نے تم سے کچھ دریافت کیا تھا؟

سعید:۔ جہاں تک غلام کو یاد پڑتا ہے، زہرا اور عبداللہ کے بارے میں آپ نے دریافت فرمایا تھا؟

الناصر:۔ ہاں ـــــ تم نے اپنے علم کے زور سے اب تک نہ بتایا کہ ان دونوں کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ ان دونوں کے مابین گفتگو کیا ہوئی تھی؟

سعید:۔ جی ہاں ـــــ بات یہ ہے کہ ان تفصیلات کے معلوم کرنے کے لیے کچھ عملیات کی ضرورت تھی!

الناصر:۔ تو وہ کب پایہ تکمیل کو پہنچیں گے!

سعید:۔ میں ان سے فارغ ہو گیا۔

الناصر:۔ تو اب تم ہمیں بتا سکتے ہو؟

سعید:۔ جی ہاں اب اس سلسلہ میں آپ جو کچھ دریافت فرمائیں، میں سب کچھ بتا سکوں گا!

الناصر:۔ تو بتاؤ زہرہ اور عبداللہ میں پھر کوئی ملاقات ہوئی یا نہیں؟

یہ سنتے ہی سعید نے فوراً عود و عنبر سلگایا، اپنی کتاب کو اس کے دھوئیں میں غسل دیا، پھر کتاب کے اوراق اپنے اوپر جھلنے لگا، اس کے بعد اس پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی، ڈراؤنی اور بھیانک سی کیفیت اور اس نے کہنا شروع کیا،

"وہی کنج، رات کا وقت، سائرہ کی موجودگی، زہرا سے رازدارانہ باتیں!"

الناصر:۔ ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو، ابھی ابھی یہ تماشہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ـــ اب یہ بتاؤ زہرا اور عبداللہ کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟

سعید:۔ پاکبازانہ، زہرا کی عفت مآبی شک و شبہ سے بالاتر ہے! کیا آپ اس پر کچھ شبہ کرتے ہیں؟

الناصر:۔ نہیں ـــ یہ بتاؤ ان دونوں کی گفتگو کا موضوع کیا تھا؟

سعید:۔ (بھیانک صورت بنا کر) موضوع ـــــــ ایں یہ میں کیا سن رہا ہوں؟

عبداللہ تختِ خلافت کا دعوے دار ہے، !

زہرا اسے منع کر رہی ہے، روک رہی ہے، !

سائرا اس کے سامنے موجود ہے !

فقیہ ابن عبدالبر عبداللہ کو بغاوت پر آمادہ اور مستعد کر چکے ہیں، !

اور یہ یاسر!

جو خلیفہ کے پہلو میں درخت سے لگا کھڑا ہے، !

یہ بھی فتنہ کی جڑ ہے، !

لیکن نہیں! امیر المؤمنین کا مستقبل روشن ہے بشرطیکہ

الناصر:۔ کہو، کہو کیا کہنا چاہتے ہو، کس شرط سے میرا مستقبل روشن رہ سکتا ہے؟

سعید:۔ قتل ــــ!

الناصر:۔ قتل ــــ یعنی میں عبداللہ کو قتل کرا دوں؟

سعید:۔ ہاں ــــ لیکن صرف عبداللہ کو ہی نہیں ــ

الناصر:۔ پھر اور کسے کسے قتل کروں؟

سعید:۔ ان تمام لوگوں کو جو اس سازش میں شریک ہیں، جنہوں نے بغاوت کی اسکیم بنائی، جنھوں نے حکم کو اور آپ کو قتل کرنے کی تدبیریں کیں، جنہوں نے چاہا کہ آلِ مروان کی حکومت ختم ہو جائے، !

الناصر:۔ لیکن وہ کون لوگ ہیں؟ ان کا نام بتاؤ؟ بلا شبہ ان لوگوں میں سے ایک بھی نہیں بچ سکتا، سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا، بتاؤ عبداللہ کے سوا، اور کون کون قتل کا مستحق ہے، ذرا بھی پروا نہ کرو، صاف صاف کہہ

دو، میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ فتنہ کی جڑ قطع کر کے رہوں گا،!

سعید:۔ عبداللہ، فقیہ ابن عبدالبر، سائر، یاسر، ان سب کو قتل ہو جانا چاہیے!

الناصر:۔ میں سمجھ گیا، واقعی فتنہ وفساد کے بانی مبانی یہی لوگ ہیں، یہ ہرگز نہیں بچ سکیں گے،!

سعید:۔ لیکن میری ایک گذارش سن لیجیے،!

الناصر:۔ کہو، تمھاری ہر بات ہم مانیں گے اس لیے کہ تمھیں ہم نے سچا اور کھرا پایا ہے"!

سعید:۔ میری گذارش صرف یہ ہے کہ اس موقع پر آپ کو سنگ دل بن جانا چاہیے، رحم ومروت اور خون کے رشتہ کی پروا نہیں کرنا چاہیے، میں آپ کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زندہ بچ گیا تو پھر آپ بھی زندہ نہیں بچیں گے، حکم بھی زندہ نہیں رہے گا آلِ مروان کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گا!

الناصر:۔ (سہم کر) نہیں ایسا نہیں ہوگا، ان میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا، نہ عبداللہ، نہ سائر، نہ یاسر، نہ ابن عبدالبر،!

سعید:۔ بے شک یہی ہونا چاہیے،!

الناصر:۔ عبداللہ اور سائر تو گرفتار ہو چکے ہیں، یاسر اور ابن عبدالبر کو ابھی گرفتار کراتا ہوں!"

یہ کہہ کر اس نے دستک دی، فوراً کئی غلام نمودار ہو گئے، الناصر نے ان سے کہا!

"جاؤ ابھی فقیہہ ابن عبدالبر کو اس کے گھر سے، اور یاسر کو اسی محل کے کسی گوشہ سے گرفتار کر کے لاؤ اور ہمارے سامنے پیش کرو!

وہ لوگ ان دونوں کو گرفتار کرنے کے لیے چلے گئے اور سعید سوچنے لگا آج وہ تمام لوگ موت کے گھاٹ اُتر جائیں گے جن سے مجھے ذرا بھی خطرہ ہو سکتا ہے، یہ عبداللہ ہر وقت میرا نام لے کر ایک فتنہ کھڑا کر سکتا تھا، ابن عبدالبر بھی میرے تمام رازوں سے واقف تھا، یاسر تو کہنا چاہیے ہمراز اور دمساز تھا، یہی کیفیت سائرہ کی بھی تھی، وہ بھی اب میرے ہر راز کا امین بن چکا تھا، ان سب کے مرجانے کے بعد ایک عابدہ رہ جائے گی اور دوسرا جوہر، جو میرے اسرار سے میرے راز سے میری سرگرمیوں سے واقف ہیں، لیکن کوئی حرج نہیں، جہاں اتنے آدمی ٹھکانے لگائے جا سکتے ہیں، وہاں یہ دو آدمی بھی بڑی آسانی سے کسی موقع پر ختم کر دیے جائیں!

(۵۳)

فیصلہ کرلیا گیا

ابن عبدالبر اور یاسر کی گرفتاری کا حکم دے کر الناصر خاموش بیٹھ گیا، سعید بھی خاموش بیٹھا تھا لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، الناصر نے اسے باچشمِ پُر آب دیکھ کر کہا،

"کیا بات ہے سعید تم رو کیوں رہے ہو؟"

سعید:۔ (اور زیادہ روتے ہوئے) میرے آقا، میرے آقائے ولی نعمت،!

الناصر:۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

سعید:۔ امیر عبداللہ میرے آقا ہیں، جب ان کی موت کا تصور کرتا ہوں تو کلیجہ منہ کو آجاتا ہے ـــــ ہا، اتنا بڑا صاحبِ علم و فضل، اور ایسا غلط کار، ایسا معصیت شعار کاش کسی طرح ان کی جان بخشی ہو سکتی۔"

الناصر:۔ ناممکن، یہ نہیں ہو سکتا، سانپ کو قبل اس کے کہ وہ اسے ڈسے ہلاک کر دینا چاہیئے،!

سعید:۔ میں جانتا ہوں آپ اپنا فیصلہ نہیں بدلیں گے اور ایمان کی بات یہ ہے کہ بدلنا بھی نہیں چاہیئے، حالات نے اتنی نازک صورت اختیار کر لی ہے کہ اب فیصلہ کُن اقدام کی ضرورت ہے، اور خود آپ کے خاندان میں امیر معاویہ سے لے کر عبدالرحمٰن الداخل تک ایسی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں کہ خلفائے امویہ نے اپنے

عزیزوں، دوستوں، ساتھیوں، رفیقوں، بھائیوں اور رشتہ داروں کو اپنی اپنی حکومت اور اپنے اپنے جاہ وجلال کی سلامتی کے لیے موت کے گھاٹ اتارا، آپ عبداللہ کو چھوڑ دیں گے وہ آپ کو مار ڈالے گا، تو جب یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ دو میں سے ایک کو مرنا ہے، تو وہ کیوں نہ مرے جو ابھرنا چاہتا ہے اور جو دوسرے اہل اور مستحق اور قابض خلافت کے قتل کا درپے ہے،!

الناصر:۔ بے شک، بے شک، میری بھی رائے یہی ہے، اسی لیے میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے کوئی نہیں بچ سکتا!

سعید:۔ بے شک امیر المومنین ایسا ہی ہونا چاہیے،!

الناصر:۔ میں نے اپنے کانوں سے عبداللہ کے الفاظ سنے ہیں۔ اس کے عزائم کی تفصیلات سنی ہیں، یہ باتیں اگر تم سنتے تو تمہارا خون کھولنے لگتا!

سعید:۔ اب بھی کھول رہا ہے، امیر المومنین ورنہ میں اور بھلا شہزادہ عبداللہ کے قتل کا مشورہ دیتا جن کی محبت سے اب بھی میرا سینہ معمور ہے، لیکن بڑے فائدے کے لیے چھوٹا فائدہ قربان کر دیا جاتا ہے، عبداللہ پر اگر ضرورت ہو تو میں اپنی جان قربان کر سکتا ہوں اور عبدالرحمٰن الناصر پر میں بے تامل عبداللہ کو بھینٹ چڑھا سکتا ہوں، جب معاملہ یہاں تک آ جائے تو پھر سخت فیصلہ کرنا ہی پڑتا ہے، اور اس فیصلہ پر چاروناچار عمل ہی کرنا پڑتا ہے۔

الناصر:۔ مجھے بھی افسوس ہے کہ ایسا سخت قدم اٹھا رہا ہوں، لیکن کیا کروں، اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار بھی تو نہیں ہے،!

سعید:۔ بجا ارشاد ہوا،

الناصر:۔ ان لوگوں کو صبح ہوتے ہی موت کے گھاٹ اتاروں گا، اسی لیے اتنی رات گزارنے کے باوجود میں نے بستر راحت کی طرف توجہ نہیں کی کہ یہ گرفتار ہو لیں۔

سعید:۔ لیکن امیرالمؤمنین غلام ایک گزارش اور بھی رکھتا ہے۔

الناصر:۔ کہو، ضرور کہو!

سعید:۔ غلام کی رائے یہ ہے کہ ان لوگوں کو ابھی چپ چاپ قتل کر دیا جائے ۔۔۔!

الناصر:۔ یعنی کل کا انتظار نہ کیا جائے؟

سعید:۔ غلام کا مقصد یہی ہے!

الناصر:۔ لیکن اس میں مصلحت؟

سعید:۔ ان لوگوں کے قتل میں جتنی دیر ہوگی فتنہ و فساد کے امکانات تازہ رہیں گے، زندہ رہیں گے، پھر ایک بات اور بھی ہے۔

الناصر:۔ وہ کیا؟

سعید:۔ اگر یہ لوگ دن میں قتل کئے گئے تو بہت سے لوگوں کو بیچ میں پڑنے، معاملہ کو دبا دینے کا، سوال اٹھانے کا موقع مل جائے گا۔

الناصر:۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے!

سعید:۔ لہٰذا غلام کی رائے یہ ہے کہ جیسے ہی ابن عبدالبر اور یاسر گرفتار ہو کر آئیں، سب کو اسی وقت گردن مارنے کا حکم سنا دیجئے!

الناصر:۔ ایسا ہی ہوگا!

سعید:۔ اور یہ بھی ہونا چاہیے کہ ان کے قتل کے بعد ایک لوح جامع مسجد پر آویزاں کر دی جائے۔

الناصر:۔ لوح کیسی ؟

سعید :۔ لوح کی عبارت یہ ہو!

"امیر عبداللہ، خواجہ سراؤں کا سردار یاسر، فقیہ ابن عبدالبر اور سائر آج رات امیر المؤمنین کے حکم سے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اس لیے کہ حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کر رہے تھے، غداری کا جرم ان پر ثابت ہو چکا تھا، بغاوت کی تیاریاں انہوں نے مکمل کر لی تھیں، لہٰذا قبل اس کے کہ یہ کوئی اقدام کرتے کیفر کردار کو پہنچ گئے، اس واقعہ سے دوسرے شر پسند عناصر کو سبق حاصل کرنا چاہیے اور جان لینا چاہیے کہ جب شہزادہ عبداللہ تک کی جان لی جا سکتی ہے تو پھر کوئی مجرم اور خاطی بھی رحم و رعایت کی توقع نہیں کر سکتا، خاص طور پر صاحب النقمہ کو ہوشیار ہو جانا چاہیے اگر وہ اپنی سرگرمیوں سے باز نہ آیا تو اس کا حشر بھی ایسا ہی عبرت ناک ہو گا!"

الناصر:۔ تجویز تو معقول ہے! ـــــ رات کافی آگئی ہے، تم جاؤ آرام کرو، اور صبح اٹھ کر دیکھ لینا کہ یہ لوح فصیل کے دروازے پر آویزاں ہو جاتی ہے یا نہیں، میں جاگ رہا ہوں، جیسے ہی یاسر اور ابن عبدالبر گرفتار ہو کر آئے عبداللہ اور سائر سمیت قتل کر دیے جائیں گے، تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری!

---

(۵۴)

قتل!

سعید چلا گیا، اور اس کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد یاسر اور فقیہہ ابن عبدالبر گرفتار ہو کر آ گئے، خلیفہ نے ان میں سے کسی سے گفتگو نہیں کی، کمرہ سے باہر نکلا، جلاد کو بلایا، اور اس سے کہا کہ عبداللہ، سائڑ، یاسر اور ابن عبدالبر کی گردن ابھی مار دو!"

یہ لوگ جلاد کے ساتھ باہر گئے، اتنے میں عبداللہ اور سائڑ بھی لائے جا چکے تھے، الناصر پھر اپنے کمرہ میں آ کر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد جلاد نے آ کر اطلاع دی کہ حکم والا کی تعمیل کر دی گئی۔

یہ سن کر خلیفہ بہت خوش ہوا، اس کا جی چاہا کہ زہرا کو بلائے، اس سے باتیں کرے، اس کا شکریہ ادا کرے اور اس بدگمانی کی معافی مانگے جو اس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس نے غلام کو حکم دیا کہ فوراً جا کر زہرہ کو بلا لائے، زہرا عبداللہ کی گرفتاری کے بعد مطمئن ہو گئی تھی اور آرام سے سو رہی تھی، اتنے میں غلام پہنچا اور اس نے خلیفہ کا پیام پہنچایا، وہ یہ حکم سن کر گھبرا گئی، لیکن تعمیلِ حکم کے سوا چارہ کیا تھا، بستر سے اٹھی اور خلیفہ کے حضور میں پہنچ گئی، خلیفہ اس وقت بہت مسرور بیٹھا ہوا تھا، اُسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا، التفات اور توجہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مسند پر بٹھایا اور یوں ہم کلام ہوا،

الناصر: سب سے پہلے میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں، پھر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں!

زہرا:۔ امیرالمومنین کیا فرما رہے ہیں، میں ایک ناچیز لونڈی ہوں، شکریہ کیسا، اور معذرت کا ہے کی ؛

الناصر:۔ ہمیں تم سے بدگمانی ہوگئی تھی، لیکن آج کی باتیں سن کر، ہم مجبور ہوگئے کہ اپنی بدگمانی پر شرمندگی کا اظہار کریں، اور تمہاری بے لوث اور کھری محبّت پر اپنے دلی شکریہ کا اظہار کریں، !

زہرا:۔ (متعجب ہوکر) آج کی باتیں سن کر، کس قسم کی باتیں ؛ میں نہیں سمجھی !

الناصر:۔ وہی باتیں جو تمھارے اور عبداللہ کے مابین ہورہی تھیں ــــ !

زہرا:۔ (گھبراکر) وہ باتیں آپ نے سن لیں ؛ کہاں ؛ ــــ کیسے ؛

الناصر:۔ یہ کم بخت یاسر ہمیشہ سے تمھارا دشمن ہے، ہمیشہ لگائی بجھائی کرتا رہتا ہے، آج اس نے پھر تمھاری شکایت کی اور کہا عبداللہ آیا ہوا ہے، اور تم سے مصروفِ رازونیاز ہے، ہم اس کے ساتھ گئے اور ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہوکر ساری باتیں سن لیں۔

زہرا:۔ (محجوب ہوکر) جب آپ نے سب کچھ سن ہی لیا تو اب میں کیا عرض کرسکتی ہوں ؛

الناصر:۔ اب تمھیں کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں، یاسر بھی کیفرکردار کو پہنچ گیا، جو تمھارا دشمن تھا، اور عبداللہ، سائرا اور ابن عبدالبر بھی، جو سارے فتنہ کی جڑ تھے، !

زہرا:۔ نہیں اور لوگوں کو چاہے جیسی سزا دیجئے، لیکن عبداللہ کو کچھ نہ کہئے ؛

الناصر:۔ کیوں ــــ ؟

زہرا:۔ میں اسے سمجھا لوں گی، راہ راست پر آجائے گا، بھولا بھالا سادہ و معصوم

لڑکا ہے، دوسروں کے ورغلانے میں آگیا، !

الناصر:۔ میں نے اپنے کانوں سے اس کی باتیں سنی ہیں، وہ معافی کے قابل کب ہے؟

زہرا:۔ میں بھی اس کی ساری باتیں سن چکی ہوں، اسے میرے اوپر چھوڑ دیجئے،
میں ٹھیک کر لوں گی، !

الناصر:۔ کیا کر لو گی؟

زہرا:۔ کہہ تو رہی ہوں راہِ راست پر لے آؤں گی؟

الناصر:۔ لیکن کسے؟

زہرا:۔ عبداللہ کو، اور کسے؟

الناصر:۔ لیکن اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا!

زہرا:۔ یعنی ـــ ؟

الناصر:۔ یہ لوگ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

زہرا:۔ کیا سزا دی آپ نے، کچھ بتائیے بھی تو؟

الناصر:۔ قتل، ہلاکت، !

زہرا:۔ (روتے ہوئے) یہ میں کیا سن رہی ہوں میرے آقا ـــ کیا عبداللہ
ہلاک کر ڈالا گیا، قتل کر ڈالا گیا؟

الناصر:۔ ہاں ـــ وہ اسی سلوک کا مستحق تھا، وہ بھی اور اس کے ساتھی بھی!

زہرا:۔ نہیں آپ نے جلد بازی سے کام لیا، کس خبیث نے ایسا مہلک مشورہ
دیا تھا آپ کو، ہائے، آپ نہیں جانتے میں جانتی ہوں، عبداللہ کتنا نیک،
سعادتمند اور بھولا بھالا لڑکا تھا، یہ آپ نے کیا کیا کہ اس کی جان لے لی؟

الناصر: ۔ نہیں زہرا وہ اسی سلوک کا مستحق تھا!

زہرا: ۔ میں نہیں مان سکتی، اگر مجھے موقع ملتا، تو ضرور میں اسے راہ پر لگا لیتی، نہ جانے اس قدر جلد بازی کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی آپ کو؟ کیا صبح فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا؟

الناصر: ۔ نہیں زہرا اس فیصلہ میں تاخیر و تعویق نہیں ہونی چاہیے تھی، ورنہ معاملات اور بگڑ جاتے !

زہرا: ۔ کچھ بھی نہ بگڑتا، !

الناصر: ۔ یہ ہم جانتے ہیں، تم نہیں جانتیں، !

زہرا: ۔ آخر کسے کسے قتل کیا ہے آپ نے ؟

الناصر: ۔ تمام مجرموں کو!

زہرا: ۔ یعنی عبداللہ کے سوا اور کون کون ؟

الناصر: ۔ یاسر جو تمہارا دشمن تھا، سائرٌ اور عبداللہ اور ابن عبدالبر جو میرے دشمن تھے !

زہرا: ۔ ہا' اب کیا ہو سکتا ہے، ؟

الناصر: ۔ کچھ بھی نہیں، جو کچھ ہوا یہی ٹھیک ہوا، !

یہ کہہ کر الناصر نے وہ لوح زہرا کے سامنے رکھ دی، جو اس نے سعید کے مشورہ سے تیار کرائی تھی، اس میں صاحب النقمہ کے نام تنبیہہ و تہدید دیکھ کر وہ سہم گئی، اس نے دل میں سوچا، واقعی حکومت بری بلا ہے، باپ بیٹے تک کو نہیں معاف کر سکتا، اس کا خون پی لیتا ہے، جب عبداللہ نہ بچ سکا تو بھلا صاحب النقمہ میرا بھائی کیونکر بچ سکے گا؟

---

(۵۵)

دلِ مضطر!

روتی دھوتی زہرا واپس چلی گئی، اس کے جانے کے بعد الناصر نے محسوس کیا واقعی عبداللہ اور دوسرے لوگوں کو فوراً قتل کر کے اس نے جلدبازی سے کام لیا ہے، زہرا نے عبداللہ کے بارے میں اس کی سادگی، سعادت، معصومیت اور بھولے پن کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے تھے، وہ اب الناصر کے کانوں میں گونج رہے تھے، عبداللہ کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی، وہ زہرا کو اس پر ملامت کر رہا تھا کہ وہ عبداللہ کا نام لے لے کر کیوں رو رہی ہے، اور اب خود اس کا یہ عالم تھا کہ تکیہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا!

عبداللہ کی جواں مرگی، اس کے دل میں نوک خنجر کی طرح چبھ رہی تھی، ابھی اس غریب نے دنیا کا دیکھا کیا تھا، ابھی وہ نوجوان تھا، یہی دن تھے زندگی بسر کرنے کے، زندگی کا لطف اٹھانے کے، لطف و مسرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے!

اسی طرح روتے روتے صبح ہو گئی، وہ بڑی مشکل سے اٹھا، نماز پڑھی اور پھر بستر پر آکر دراز ہو گیا، اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے مہینوں کا بیمار رہا ہے، کمزوری اور نقاہت نے اس کے دل کو ڈانواڈول کر رکھا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اب چند گھڑی کا مہمان ہے، تھوڑی دیر میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گی۔

آخر اس نے جب حالت زیادہ بگڑتی دیکھی تو اپنے معالج طبیب سلیمان تاج کو حاضری

کا حکم دیا، آتے وقت وہ اس لوح کو پڑھ چکے تھے، جو عبداللہ وغیرہ کے قتل سے متعلق دروازے پر آویزاں تھی، لہٰذا انہیں خلیفہ کا مرض سمجھنے میں دیر نہیں لگی، انھوں نے کہا

سلیمان تاج:۔ امیرالمؤمنین کے دل و دماغ پر معلوم ہوتا ہے اس حادثہ کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔

الناصر:۔ ہونا ہی چاہیے، آخر عبداللہ میرا بیٹا تھا، میں اسے چاہتا تھا، کون باپ ہوگا جو اپنے بیٹے سے محبت نہ کرے، یہ دوسری بات ہے کہ اس کا جرم بہت سنگین تھا، اور اسی مناسبت سے میں سنگین تر سزا دینے پر مجبور ہو گیا، لیکن دل کی یہ حالت ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے میں اب بچوں گا نہیں، تھوڑی دیر کا مہمان ہوں،!

سلیمان تاج:۔ نہیں آپ ایسا خیال نہ فرمائیں، بے شک آپ کی نبض کمزور ہے، اور دل پر بھی کمزوری کا اثر غالب ہے، لیکن یہ عارضی کیفیت ہے، اگر آپ چاہیں تو فوراً ختم ہو سکتی ہے۔

الناصر:۔ کس طرح ـــــ؟

سلیمان تاج:۔ اپنا دل کسی اور طرف لگائیے، اس حادثہ کو یکسر فراموش کر دیجئے، کسی کو اجازت نہ ہو کہ اس بات کا ذکر بھولے سے بھی کرے!

الناصر:۔ یہ سب کچھ تو ممکن ہے، لیکن دل کس طرف متوجہ کروں؟ رہ رہ کر یہی خیال دل و دماغ پر مسلط ہو جاتا ہے آکر!

سلیمان تاج:۔ موسیقی سے بڑھ کر غم غلط کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، گانا سنیے انشاءاللہ حالت فوراً سنبھل جائے گی۔

الناصر:۔ موسیقی ـــــ ؟

سلیمان تاج:۔ جی ہاں کیا آپ کو موسیقی سے دلچسپی نہیں ہے ؟

الناصر:۔ ہے اور بہت زیادہ ہے !

سلیمان تاج:۔ بس تو کسی مغنیہ کو طلب فرمائیے، انشاءاللہ چند ہی راگ سننے کے بعد آپ اپنی حالت میں زمین آسمان کا فرق محسوس کریں گے !

الناصر:۔ اچھا ـــــ تو میں عابدہ کو بلاتا ہوں !

سلیمان تاج:۔ عابدہ ؟ ـــــ کیا یہ کوئی نئی مغنیہ حرم سرا میں داخل ہوئی ہے ؟

الناصر:۔ ہاں ـــــ یہ سعید وراق کی شاگرد ہے اور واقعی اس فن میں ماہر ہے !

سلیمان تاج:۔ جب آپ فرما رہے ہیں، تو ضرور ماہر فن ہوگی، لیکن مجھے حیرت سعید وراق پر ہوتی ہے !

الناصر:۔ یہ کیوں ؟ اس میں حیرت انگیز بات کون سی ہے ؟

سلیمان تاج:۔ ایسا ہمہ دان آدمی میری نظر سے نہیں گزرا۔

الناصر:۔ ہاں، بہت فاضل اور کامل آدمی ہے !

سلیمان تاج:۔ امیرالمؤمنین فاضل سا فاضل، کامل سا کامل، کون سا علم ہے جس میں وہ یگانۂ روزگار نہیں ؟ کون سا فن ہے جس کا وہ ماہر نہیں ؟ اس عمر میں ایسا یکتائے زمانہ آدمی میری نظر سے نہیں گزرا، ایک موسیقی بچ رہی تھی، آج معلوم ہوا کہ اس فن میں بھی طاق ہے !

الناصر:۔ کچھ نہ پوچھئے اس کی یہ شاگرد عابدہ حکیم ابونصر فارابی کا ایجاد کیا ہوا باجہ قانون، اس خوبی اور کمال سے بجاتی ہے کہ عرض نہیں کر سکتا !

سلیمان تاج :- واقعی ؟ —— یہ تو عجیب وغریب باجہ ہے !

الناصر :- ہاں، سن چکا ہوں اس میں ایسے راگ بھی ہیں کہ سننے والا ہنستے ہنستے لوٹ جائے اور ایسے بھی ہیں کہ سننے والے کی ہچکی بندھ جائے۔

سلیمان تاج :- بس تو اس سے بہتر علاج آپ کے لیے میں کوئی اور تجویز نہیں کرسکتا، آپ عابدہ کو بلوائیے اور اس کا گانا سنیے !

طبیب اعظم، سلیمان تاج تو یہ تجویز کر کے تشریف لے گئے اور الناصر نے خادم کو حکم دیا کہ جائے اور سعید سے کہے کہ عابدہ کو فوراً بھیج دے شاید اسی طرح دلِ مضطر کو قرار آجائے ،!

(۵۶)

ہلاکت کا نسخہ!

خادم دوڑا دوڑا سعید کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ امیر المؤمنین نے آپ سے کہا ہے کہ عابدہ کو فوراً ان کی خدمت میں بھیج دیجئے، سعید نے دریافت کیا کیا بات ہے، اس نے طبیب سلیمان تاج اور الناصر کی باہمی گفتگو کی ساری روداد اسے سنا دی اور کہا، امیر المؤمنین ان کا گانا سن کر اپنی طبیعت کا رخ بدلنے کی کوشش کریں گے۔

سعید نے کہا، میں سمجھ گیا، تم جاؤ میں عابدہ کو ابھی بھیجتا ہوں۔

چنانچہ خادم کے جاتے ہی سعید سیدھا عابدہ کے پاس پہنچا، وہ سعید کو دیکھتے ہی کنول کی طرح کھل گئی اس نے کہا۔

عابدہ :۔ زہے قسمت کہ آپ میرے پاس تشریف لائے!

سعید :۔ کیوں اس میں تعجب اور حیرت کی کیا بات ہے؟

عابدہ :۔ یہ تو میں بھی نہیں جانتی، ہاں، اتنا ضرور جانتی ہوں کہ آپ کا آنا کچھ عجیب سا لگ رہا ہے، نہ جانے کیوں جی چاہتا ہے آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھوں،

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں!

سعید نے عابدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لیا، اور بڑے محبت بھرے لہجہ میں کہا،

سعید :۔ عابدہ آج میں تمھیں ایک خوشخبری سنانے آیا ہوں، !

عابدہ :۔ ضرور سنائیے، آج امیر عبداللہ وغیرہ کے قتل کی جانکاہ خبر سن کر دل بہت مغموم ہے۔

سعید :۔ ہاں وہ بڑا اچھا آدمی تھا، میرا محسن تھا، آقا تھا، اور آہ ابن عبد البر کتنا دلچسپ آدمی تھا، روتوں کو ہنسا دیتا تھا اور وہ بے چارہ سائر کتنا وفادار اور اطاعت گذار شخص تھا !

عابدہ :۔ ہاں بہت زیادہ !

سعید :۔ بھلا ایسے لوگ اب اس دنیا میں کہاں نظر آئیں گے ؛

عابدہ :۔ لیکن آخر انھوں نے کیا خطا کی تھی کہ یوں قتل کر دئیے گئے ؛

سعید :۔ کچھ نہیں، !

عابدہ :۔ بلا قصور مار ڈالے گئے ؛

سعید :۔ ہاں ــــ ظالم اور سفاک شخص سے اور توقع بھی کیا ہو سکتی ہے، حد ہو گئی کم بخت الناصر نے اپنے بیٹے تک کا خیال نہ کیا، پھر ہمارا تمھارا کیا خیال کرے گا۔

عابدہ :۔ اور کیا، ہم لوگ کس شمار قطار میں ہیں، اسی لیے تو کہتی ہوں یہاں میرا جی نہیں لگتا، خدا کے لیے مجھ پر اور اپنے اوپر رحم کیجئے، یہاں سے چل نکلئے کہیں، ہم درگزرے اس محل کی زندگی سے !

سعید :۔ میری جان، یہی خوشخبری تو سنانے آیا تھا !

عابدہ :۔ لیکن آپ نے دوسری دوسری باتیں شروع کر دیں، کہیے کون سی خوشخبری

سنار ہے تھے آپ؟

سعید:۔ یہ کہ اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں، !

عابدہ:۔ (خوش ہو کر) یعنی یہاں رہنے کا زمانہ گذر گیا؟

سعید:۔ ہاں، ہاں!

عابدہ:۔ تو چلیے، پھر!

سعید:۔ اسی لیے آیا ہوں، !

عابدہ:۔ اپنا سامان لے آؤں جاکر؟

سعید:۔ آج نہیں —!

عابدہ:۔ پھر وہی آج نہیں، آخر پھر کب؟ میری تو جان سوکھی جاتی ہے یہاں، للّٰہ چلیے!

سعید:۔ کل چلیں گے — دیکھو اتنا صاف اور واضح وعدہ میں نے تم سے کبھی نہیں کیا تھا، پھر سن لو، بس صرف آج یہاں رہنا ہے، کل چلیں گے، کل کے بعد یہاں نہیں رہیں گے!

عابدہ:۔ (بے حد مسرور ہو کر) اعتبار کر لوں اس وعدہ کا؟

سعید:۔ یہ وعدہ نہیں ہے عہد ہے!

عابدہ:۔ اچھا تو اس عہد پر بھروسہ کر لوں؟

سعید:۔ ضرور — مردوں کا عہد بودا نہیں ہوا کرتا!

عابدہ:۔ یہ میں جانتی ہوں، !

سعید:۔ تمھیں ابھی الناصر کے پاس جانا ہے، !

عابدہ:۔ (سہم کر) یہ کیوں؟ وہاں جا کر میں کیا کروں گی؟

سعید:۔ وہاں جا کر، اسے اپنے گانے سے مسحور کرو گی،!

عابدہ:۔ نہیں میرا جی نہیں چاہتا، اس کے سامنے گانے کا۔

سعید:۔ لیکن میری خاطر سے، کیا تم مجھ سے یہ وعدہ نہیں کر چکی ہو کہ میری خاطر اگر ضرورت ہوئی تو اپنی زندگی تک قربان کر دو گی!

عابدہ:۔ ہاں یہ وعدہ میں نے کیا تھا، اور اس پر اب تک قائم ہوں، چاہیے تو ابھی امتحان لے لیجئے۔

سعید:۔ امتحان اس کا لیا جاتا ہے جس پر اعتماد نہ ہو، یقین نہ ہو، بھروسہ نہ ہو، تم پر میں اتنا بھروسہ اور اعتماد کرتا ہوں جتنا خود اپنے اوپر نہیں کرتا!

عابدہ:۔ اچھا چلی جاؤں گی،!

سعید:۔ یہ سن لو کہ آج کے بعد پھر کبھی تم وہاں جانے پر مجبور نہیں کی جاؤ گی، لہٰذا آج ایسا دل توڑ کر اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کرو کہ الناصر کے دل پر تمہارا سکہ جم جائے،!

عابدہ:۔ انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا — لیکن آج کے دن کی خصوصیت کیا ہے؟

سعید:۔ خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے یہاں قیام کا یہ آخری دن ہے، اس کے بعد ہم یہاں سے چلے جائیں گے، ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا، میں آؤں گا، لیکن ابھی تمھیں تنہا جانا ہے!

عابدہ:۔ کوئی مضائقہ نہیں چلی جاؤں گی!

سعید:۔ عابدہ ایک بات تو بتاؤ!

عابدہ :۔ فرمائیے !

سعید :۔ میں نے ایک دفعہ ایک چھوٹی سی ڈبیہ رکھائی تھی تمھارے پاس یاد ہے ؟

عابدہ :۔ جی ہاں خوب یاد ہے، اور میرے پاس اس وقت بھی موجود ہے !

سعید :۔ بس تمھاری انہی باتوں پر تو ہزار جان سے فریفتہ ہوں، بھلا اتنی فرض شناسی کس میں ہوگی، اچھا یہ بتاؤ تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس پڑیا میں کیا ہے !

عابدہ : یہ میں نہیں جانتی ؟

سعید :۔ اچھا کھولو اسے !

عابدہ :۔ (کھول کر) کھول لیا ۔

سعید :۔ کیا ہے اس میں ؟

عابدہ :۔ دو پڑیاں — کیا ہے ان پڑیوں میں ؟

سعید :۔ ایک خواب آور دوا ہے، اسے کھا لینے سے کئی گھنٹے تک آدمی بے خبر سوتا رہتا ہے !

عابدہ :۔ سمجھ گئی ہیں لیکن اس کا مصرف کیا ہے ؟

سعید :۔ مصرف یہ ہے کہ گانا سنانے کے بعد طبیب سلیمان کی دوا میں ایک پڑیا ملا کر خلیفہ کو چٹا دینا کہ وہ گہری نیند آرام سے سو جائے !

عابدہ :۔ اچھا — اور وہ دوسری پڑیا کیا کروں ؟

سعید :۔ اسے تم کھا لینا تاکہ تمھیں بھی گہری نیند آجائے، اس طرح میں تمھیں بیمار ظاہر کرکے طبیب سلیمان تاج کے پاس لے جاؤں گا، اور وہاں سے ہوشیار کرکے اپنے ساتھ اس دیس میں لے جاؤں گا جہاں ہم دونوں

عیش، کامرانی اور نشاط کی زندگی بسر کریں گے، ہماری اس نئی زندگی میں پھول ہی پھول ہوں گے کانٹا کوئی نہ ہوگا! سمجھ گئیں!

عابدہ:۔ ہاں اچھی طرح، اب میں جاتی ہوں، آپ بھی وہاں آنے کی کوشش کیجئے گا!

سعید:۔ ضرور، ضرور!

---

(۵۷)

دغاباز!

سعید اب اپنے راستہ کے کانٹوں کو ہٹا رہا تھا، اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ، جس طرح اور جس ذریعہ سے بھی ممکن ہو، اپنے اور زہرا کے راستہ سے ان تمام لوگوں کو ہٹا دے، جو آئندہ چل کر کسی وقت بھی، مخالف بن سکتے تھے، یا ان کی معلومات سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھا سکتے تھے، یا ان کی واقفیت کبھی خطرہ کی موجب ہو سکتی تھی، آج اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ عبدالرحمٰن الناصر اور عابدہ کا خاتمہ کردیا جائے، چنانچہ اس کی اسکیم کے مطابق چند گھنٹوں کے اندر ان دونوں کو ختم ہو جانا چاہیے تھا لیکن آدمی کچھ چاہتا ہے اور قدرت کی مرضی کچھ اور ہوتی ہے، ہوتا وہی ہے جو قدرت کو منظور ہو، جو اس کی مرضی ہو، آدمی کی ساری عقل، ذہانت، فراست اور دوراندیشی ایسے موقعوں پر رائگاں ہو جاتی ہے، اور وہ ہر طرح کے نقشے بنا چکنے کے باوجود ناکام ہو جاتا ہے، اس کی اسکیم فیل ہو جاتی ہے اور وہ بے بسی کے ساتھ، حالات و حوادث کا شکار ہو جاتا ہے، بالکل یہی صورت عبدالرحمٰن اور عابدہ کے ساتھ بھی ہوئی۔ عابدہ اور عبدالرحمٰن کو اپنی جگہ چھوڑ کر اب ذرا سعید کو دیکھنا چاہیے کہ وہ عابدہ کو رخصت کر کے کیا کرتا ہے، وہ عابدہ کے رخصت ہوتے ہی زہرا کے ہاں پہنچا، وہ اس وقت مغموم اور متفکر بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی اصل بات یہ ہے کہ اسے عبداللہ کی جوانا مرگی پر بہت افسوس تھا، وہ بار بار سوچتی تھی، کہ خلیفہ نے اسے قتل کرنے میں ضرورت سے

زیادہ جلد بازی سے کام لیا ہے، اس وقت بھی وہ اسی ادھیڑ بن میں تھی، سعید کو آتا دیکھ کر وہ کچھ نہ بولی، سعید آکر بیٹھ گیا، کچھ دیر تک تو وہ بھی خاموش رہا، پھر اس نے کہا،

سعید:- کیا بات ہے آج میں تمھیں بہت زیادہ مضمحل، افسردہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں؛ میرے ہوتے تمھیں پریشان کی ضرورت نہیں ہے، تمھارے لیے میں آسمان کے تارے بھی توڑ کر لا سکتا ہوں، !

زہرا:- میں زمین کی رہنے والی مخلوق ہوں مجھے تارے نہیں چاہئیں!

سعید:- کچھ خفا معلوم ہوتی ہو اس وقت؛

زہرا:- ہاں، ـــــ اپنی تقدیر سے!

سعید:- تقدیر سے؛ تم سے بڑھ کر خوش بخت کون ہو سکتا ہے! اس دنیا میں؛

زہرا:- میری خوش قسمتی کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ میرا بھائی اس شہر میں ہے اور میں اس کے دیدار سے محروم ہوں، بلکہ اب تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے قتل کا پروانہ صادر ہو چکا ہے، وہ قتل ہونے والا ہے، اسی محل میں اس کے لیے جلاد تلوار تیز کر رہا ہے۔ اور میں کچھ نہیں کر سکتی، !

سعید:- اس بے بسی کے کیا معنی؛

زہرا:- تو بتاؤ میں کیا کر سکتی ہوں؛

سعید:- اسے بچا سکتی ہو، ـــــ اس کا بال کون بیکا کر سکتا ہے؛

زہرا:- کیا تم نے امیر المومنین کا اعلان نہیں دیکھا جس میں انھوں نے عبداللہ وغیرہ کے قتل کا ذکر کر کے، صاحب النقمہ یعنی میرے بھائی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اب وہ نہیں بچ سکتا، !

سعید:۔ ہاں میں نے پڑھا ہے!

زہرا:۔ کیا تمہارا خیال ہے پھر بھی میں کچھ کر سکتی ہوں!

سعید:۔ یقیناً صرف تم ہی اسے بچا سکتی ہو اسے موت کے منہ سے چھڑا سکتی ہو، اس کی زندگی اسے بخش سکتی ہو!

زہرا:۔ کاش ایسا ہوتا!

سعید:۔ یہی ہے! اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ غلط ہے!

زہرا:۔ لیکن کیونکر؟

سعید:۔ چلو اس کے پاس چلیں، وہیں بیٹھ کر مشورہ کریں گے!

زہرا:۔ تم مجھے سالم کے پاس لے جانا چاہتے ہو؟

سعید:۔ ہاں کیوں کیا ہوا؟ — کیا تم وعدہ نہیں کر چکی ہو اس کے پاس چلنے کا؟

زہرا:۔ مجھے یاد ہے، وعدہ کر چکی ہوں۔

سعید:۔ بس تو تیار ہو جاؤ پھر!

زہرا:۔ مشکل ہے! بہت مشکل ہے، !

سعید:۔ یہ کیوں آخر، آخر اس مشکل کا سبب کیا ہے؟

زہرا:۔ میری کم ہمتی سمجھ لو، بزدل جو ٹھہری، عورت جو ہوں، !

سعید:۔ نہیں یہ بات نہیں ہے، بات کچھ اور ہی ہے!

زہرا:۔ وہ کیا بات ہے؟ کیا بات آئی ہے تمہارے ذہن میں!

سعید:۔ تم مجھ پر اعتماد نہیں کر سکتیں!

زہرا:- ہو سکتا ہے یہی وجہ ہو۔

سعید:- لیکن کیوں؟ تم مجھے کب تک ٹھکراتی رہو گی، ذلیل کرتی رہو گی،!

زہرا:- یہ الزام تو بالکل بے بنیاد ہے، میں نے تمھیں کبھی ذلیل نہیں کیا،!

سعید:- اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ تم میرے دل کو توڑ رہی ہو، میری محبت کی قدر نہیں کرتیں!

زہرا:- محبت ــــ وہ تو مجھے حاصل ہے۔

سعید:- امیر المومنین الناصر کی ــــ یہی کہہ رہی تھیں نا؟

زہرا:- ہاں ــــ انھوں نے مجھ سے محبت کی، اور مجھے دنیا کی سب سے زیادہ خوش بخت عورت بنادیا!

سعید:- محل بنا کر یا دولت دے کر؟

زہرا:- ہاں ایک ثبوت یہ بھی ہے۔

سعید:- محبت کو روپے سے نہ تولو آج الناصر کا جو سلوک تم سے ہے، کل وہ بدل بھی سکتا ہے،!

زہرا:- کیوں بدل سکتا ہے؟

سعید:- اگر تمھارے بجائے کوئی اور عورت اسے پسند آجائے تو اس سے زیادہ شاندار محل اس کے لیے بن سکتا ہے، اس سے زیادہ دولت اس کی جھولی میں ڈالی جاسکتی ہے!

زہرا:- یہ تو ہر شخص کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

سعید:- کیا میرے ساتھ بھی؟

زہرا :۔ کیوں نہیں؟ ـــــ فرض کرو آج تم کسی عورت سے محبت کرتے ہو، کل کیا دوسری سے نہیں کر سکتے؟

سعید :۔ یہ کام دنیا میں ہر شخص کر سکتا ہے، لیکن سعید نہیں کر سکتا۔

زہرا :۔ کیوں؟ ـــــ سعید میں کون سے سرخاب کے پَر لگے ہیں؟

سعید :۔ تم نہیں جانتیں تمھاری محبت میں کیسے کیسے پاپڑ میں نے بیلے ہیں، میں نے گھر چھوڑا، وطن چھوڑا، دنیا میں ترقیوں اور کامیابیوں کے دروازے میرے لیے کھلے ہوئے تھے، لیکن میں نے ان کی طرف رخ بھی نہیں کیا!

زہرا :۔ مجھے کیا ضرورت ہے کہ تمھاری ان باتوں کی تردید کروں؟

سعید :۔ یہی نہیں میں نے تمھارے لیے جرم بھی کئے ـــــ سنگین، ہولناک اور لرزہ خیز جرم!

زہرا :۔ (کانپ کر، ڈر کر) تم نے جرم بھی کئے ـــ تم نے؟

سعید :۔ ہاں میں نے!

زہرا :۔ لیکن میں نے تم سے کب فرمائش کی تھی کہ میرے لیے جرم کرو! میں تو جرم کے تصور سے کانپ جاتی ہوں۔

سعید :۔ ہاں تمھارا دل نازک ہے، اور ہاں واقعی تم نے مجھ سے کبھی اس طرح کی فرمائش نہیں کی!

زہرا :۔ پھر میرا نام کیوں بیچ میں آرہا ہے؟

سعید :۔ اس لیے کہ وہ جرائم تمھارے لیے مجھ سے سرزد ہوئے!

زہرا :۔ میں نہیں سمجھی تم کیا کہہ رہے ہو؟

سعید:۔ تمھیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، میں نے جو کچھ کیا، اگرچہ تمھارے لیے کیا، لیکن تمھارے کہنے سے نہیں کیا، اپنی محبت اور الفت سے مجبور ہو کر کیا۔

زہرا:۔ میری محبت کبھی کسی سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ وہ آدمی سے مجرم بن جائے!

سعید:۔ لیکن مجھ سے تو کیا ـــــ بتاؤں تمھیں کیا کیا ہے میں نے تمھارے لیے؟

زہرا:۔ تم جو کچھ کہہ رہے ہو میں سن رہی ہوں!

سعید:۔ تمھیں معلوم ہے، سائرؓ، یاسرؓ، ابن عبدالبر اور عبداللہؓ قتل کئے جا چکے ہیں؟

زہرا:۔ ہاں جانتی ہوں!

سعید:۔ یہ سب کچھ میرے مشورہ سے ہوا، میں بانی مبانی ہوں ان لوگوں کے قتل کا!

زہرا:۔ (لرز کر) تم ـــــ؟

سعید:۔ ہاں میں ـــــ کچھ اعتراض ہے تمھیں؟

زہرا:۔ واقعی بڑے خوفناک آدمی ہو!

سعید:۔ تمھاری محبت میں اس سے زیادہ خوفناک جرائم سرزد ہو سکتے ہیں مجھ سے۔

زہرا:۔ تم بار بار میرا، اور میری محبت کا نام کیوں لیتے ہو؟

سعید:۔ اس لیے کہ ان کو قتل اسی لیے میں نے کرایا ہے کہ تمھاری خوشنودی حاصل کر سکوں!

زہرا:۔ لیکن نفرت کے سوا تم کچھ اور مجھ سے نہیں پا سکتے، کم بخت ان لوگوں کے قتل سے تو میری خوشنودی کیونکر حاصل کر سکتا ہے؟

سعید:۔ ضرور حاصل کر سکتا ہوں ـــــ لیکن پہلے میری سن تو لو!

زہرا:۔ سن رہی ہوں، دیکھنا ہے، اب کون سا نیا افسانہ تیرا ذہن رسا تراشتا ہے!

سعید:۔ جتنے سخت و سست الفاظ چاہو میرے لیے استعمال کر لو، لیکن میری

محبت نہیں کم ہو سکتی، بلکہ ان تلخ نوائیوں سے اس میں کچھ اور اضافہ
ہو جاتا ہے!

زہرا:۔ مجھے تیری محبت کی ضرورت نہیں، ایسے خطرناک آدمی سے محبت کرنے
کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی!

سعید:۔ پھر وہی سختی، ارے بھئی سن تو لو میں کیا کہہ رہا ہوں!،

زہرا:۔ میں نے کب منع کیا ہے؟ جو تیرا جی چاہتا ہے بک تو رہا ہے۔

سعید:۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے، تمھارے بھائی کی قیام گاہ سے، اس کی سرگرمیوں
سے اس کے ارادوں سے عبداللہ بھی واقف تھا، یاسر اور سائرہ بھی،
اور نفیسہ ابن عبدالبر بھی!

زہرا:۔ یہ کیسے جانا تم نے؟

سعید:۔ ارے بھئی عبداللہ جس کھونٹے کے بل پر بچھڑے کی طرح اچھل رہا
تھا وہ صاحب النقمہ یعنی تمھارے بھائی کے سوا کون تھا؟

زہرا:۔ اچھا واقف تھے ــــ تو؟

سعید:۔ مجھے اندیشہ ہوا، اگر خلیفہ نے سختی کی، تو یہ لوگ اس کا پتہ دیں گے،
اور ساری ذمہ داری اسی پر رکھ کر اسے قتل کرا دیں گے اور اپنی جان بچا
لیں گے، میں نے انہیں قتل کرا دیا اور اسے بچا لیا،!

زہرا:۔ (کچھ سوچتے ہوئے) سچ کہتے ہو؟

سعید:۔ حلف لے لو، قسم لے لو،!

زہرا:۔ اگر یہ بات ہے تو میں تمھارا شکریہ ادا کرنے پر مجبور ہوں۔

سعید :۔ صرف شکریہ ادا کرو گی؟ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کیوں؟

زہرا :۔ اور کیا چاہتے ہو تم؟

سعید :۔ تمھاری محبت!

زہرا :۔ اس کے بارے میں ابھی کچھ جواب نہیں دے سکتی!

سعید :۔ پھر کب دوگی جواب؟

زہرا :۔ سالم سے ملنے کے بعد!

سعید :۔ اور سالم سے ملنے پر تم آمادہ نہیں ہوتیں کسی طرح!

زہرا :۔ اپنی زندگی اور روح سے کون ہوگا جو ملنے سے انکار کر دے!

سعید :۔ تو چلو!

زہرا :۔ میں نہیں جا سکتی، اسے لے آؤ یہاں کسی طرح!

سعید :۔ ناممکن ـــــ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، اگر وہ یہاں آگیا، تو تم بھی نہیں بچا سکو گی ـــــ پھر اس کا قتل ایک حقیقت بن جائے گا!

زہرا :۔ تو مجھی کو جانا پڑے گا؟

سعید :۔ ہاں ـــــ ہمت سے کام لو، مجھ پر اعتبار کرو!

تھوڑی دیر کا تو معاملہ ہے مل کر فوراً واپس آجانا۔

زہرا :۔ اگر کسی نے مجھے نکلتے دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟

سعید :۔ کوئی نہیں دیکھ سکے گا، یہ میرا ذمہ ـــــ بھیس بدل کر چلو گی تو کون پہچان سکے گا تمھیں؟

زہرا :۔ ہمیں آنے جانے میں کتنی دیر لگے گی!

سعید:۔ زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے!

زہرا:۔ اتنی دیر تو کچھ زیادہ نہیں، میری غیر حاضری بھی کچھ زیادہ نہیں محسوس ہوگی!

سعید:۔ یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں ــــ تو تیار ہو جاؤ پھر!

زہرا:۔ ابھی ــــ ؟ اسی وقت؟

سعید:۔ ہاں اس سے بہتر وقت کوئی اور نہیں مل سکتا! رات بڑی پردہ پوش ہوتی ہے، میں پھر کہتا ہوں، مجھ پر بھروسہ کرو اور یاد رکھو کوئی عاشق اپنی محبوبہ کو دھوکا نہیں دے سکتا، اس سے فریب نہیں کر سکتا، اسے مصیبت میں نہیں ڈال سکتا!

زہرا:۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر نہ جانے کیوں میرا دل دھڑکنے لگتا ہے، باہر جانے کے خیال سے!

سعید:۔ پہلی مرتبہ نکل رہی ہو اس لیے اور اس لیے بھی کہ عورت ہو!

زہرا:۔ اچھا کس طرح چلیں گے ہم لوگ؟

سعید:۔ بھیس بدل کر تم بھی باہر نکلنا، میں ابھی اسی طرح نکلتا ہوں، تمھارا خادم جوہر بھروسہ کا آدمی ہے تمھارے نزدیک؟

زہرا:۔ ہاں اسے میری ڈیوڑھی میں ملازم ہوئے ابھی بہت کم مدت گزری ہے، لیکن واقعی اس کی وفاداری پر میں بھروسہ کر سکتی ہوں، بہت اطاعت شعار اور خاموش آدمی ہے!

سعید:۔ تو اسے ساتھ لے چلیں گے، اب تو تمھیں اور زیادہ مطمئن ہو جانا چاہیے!!

زہرا:۔ ہاں، اب میں مطمئن ہوں بالکل،!

اتنے میں جوہر سامنے آگیا، سعید نے اس سے کہا،

"تیری ملکہ آج رات یہاں سے بھیس بدل کر تھوڑی دیر کے لیے باہر جائیں گی تاکہ اپنے ایک گم گشتہ عزیز سے مل سکیں، تو ان کے ساتھ ہوگا، میں رہنمائی کروں گا! کیا تیری وفاداری پر ہم دونوں بھروسہ کر سکتے ہیں؛

جوہر نے — سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا،

"بے شک، — جوہر کی گردن کٹ جائے گی، لیکن وہ یہ نہیں گوارا کر سکے گا کہ اس کی مالکہ پر کسی طرح کی آنچ آئے!

زہرا نے کہا۔

"جوہر ہمارے دل میں تمہاری جگہ ہے، تمہاری ان باتوں نے ہمارے دل میں تمھاری قدر پیدا کر دی، صرف تین گھنٹہ کے لیے ہمیں باہر جانا ہے!

جوہر نے جواب دیا،

تین گھنٹہ کے لیے نہیں میں تو عمر بھر کے لیے آپ کا غلام ہوں، آپ کے اشاروں پر چلنا میری سب سے بڑی سعادت اور فخر ہے!

سعید نے حکم دیا،

"تو بس فوراً تیار ہو جاؤ ہمیں ابھی چلنا ہے!"

(۵۸)

سنسان مقام!

سعید یہ پروگرام طے کر کے باہر چلا گیا، اس نے جوہر اور زہرا سے کہا، میں شہر پناہ کے باہر آپ کا انتظار کروں گا، وہاں ایک بہت بڑا درخت ہے اسی کے نیچے میں خچر پر سوار ملوں گا دو خچر میرے ساتھ ہوں گے ان پر تم دونوں سوار ہو جانا، صرف آدھ گھنٹے کی مسافت ہے، بہت جلد ہم لوگ پہنچ جائیں گے۔

سعید کے جانے کے تھوڑی دیر بعد جب محل کے چہل پہل میں ذرا کمی آگئی، تو زہرا بھی جوہر کے ساتھ بھیس بدل کر نکلی، جب تک محل سے باہر نہیں نکل گئی، اس کا دل دھڑکتا رہا، اور قدم قدم پر ڈرتی رہی کہیں پہچان نہ لی جائے؛ کہیں کوئی دیکھ نہ لے؛ لیکن محل سے باہر نکل کر اس نے اطمینان کا سانس لیا، اصل میں سالم کی جدائی اور محبت نے اسے اندھا کر دیا تھا، جب سے اسے یہ خبر ملی تھی کہ وہ زندہ ہے اس سے ملنے کے لیے وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے، سعید سے تو اسے کچھ خطرہ بھی تھا، کچھ دہشت بھی، کچھ ڈر بھی، لیکن جوہر کی رفاقت نے اس کے دل کو مطمئن کر دیا تھا، وہ اگرچہ نیا خواجہ سرا تھا لیکن ان چند دنوں میں اس نے غیر معمولی اعتماد اپنی مالکہ کا حاصل کر لیا تھا!

یہ لوگ جب اس بڑے درخت کے نیچے پہنچے تو وہاں سعید اپنے خچر پر سوار ان کا منتظر کھڑا تھا، یہ دونوں بھی خچر پر بیٹھ گئے، زہرا کی زندگی اگرچہ محل میں

خاتونِ حرم کی حیثیت سے بسر ہو رہی تھی، لیکن وہ سواری اور شکار کی عادی تھی، اور پھر خچر کی سواری گھوڑے سے زیادہ محفوظ اور آرام دہ ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ چھوٹا سا قافلہ ایک معلوم مگر غیر متعین منزل کی طرف روانہ ہو گیا،

کوئی ایک گھنٹے تک یہ لوگ اسی طرح خاموشی کے ساتھ چلتے رہے، قرطبہ نظروں سے اوجھل ہو گیا، ارباض کی سرحد آئی اور ختم ہوئی، آس پاس کی دوسری چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی دور رہ گئیں، مگر منزل مقصود نہ آئی، آخر زہرا نے قفل سکوت توڑا، اور کہا،

زہرا:۔ آخر کب تک ہم اسی طرح سر جھکائے چلتے رہیں گے؟

جوہر:۔ ہاں سعید صاحب، آخر ہماری منزلِ مقصود کب آئے گی؟

سعید:۔ اب آیا ہی چاہتی ہے۔

زہرا:۔ تم تو کہتے تھے آدھے گھنٹے کا راستہ ہے۔

سعید:۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا،!

زہرا:۔ لیکن ہمیں تو چلتے ہوئے ایک گھنٹہ سے زیادہ ہو چکا ہے!

سعید:۔ یہ بھی ٹھیک ہے،!

جوہر:۔ واہ بھئی، یہ بھی ٹھیک ہے، وہ بھی ٹھیک ہے، پھر غلط کیا ہے؟

سعید:۔ (ہنس کر) میاں جوہر خاصے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔

جوہر:۔ جی شکریہ اس بندہ نوازی کا، میری تعریف بعد میں کیجئے گا، پہلے یہ بتائیے ہمیں کہاں جانا ہے، اور وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے؟

سعید:۔ ہم زہرا کے بھائی سالم سے ملنے جا رہے ہیں اور اس کی قیام گاہ اب یہاں سے بہت قریب ہے!

جوہر:۔ صبح ہوتے ہوتے پہنچ جائیں گے ہم اس جگہ؛

سعید:۔ (مسکرا کر) پھر وہی شرارت، ارے خدا کے بندے بس اب پہنچا ہی چاہتے ہیں!

زہرا:۔ اب تو دو گھنٹے کے قریب ہونے کو آئے، آخر تم ہمیں بہلا پھسلا کیوں رہے ہو؟

سعید:۔ پھر وہی بدگمانی؛

زہرا:۔ لیکن بدگمانی کے اسباب کون پیدا کرتا ہے ــــ میں کہ تم؛

سعید:۔ ہم ذرا چکر کے راستے آئے ہیں تاکہ کوئی ہمیں پہچان نہ لے!

زہرا:۔ ورنہ اب تک پہنچ بھی چکے ہوتے کیوں؛

سعید:۔ اور کیا؛

جوہر:۔ جناب ایک بات کان کھول کر سن لیجئے،!

سعید:۔ فرمائیے، سن رہا ہوں!

جوہر:۔ اگر دس منٹ کے اندر ہم منزلِ مقصود پر نہ پہنچ گئے تو پھر ہم اپنے خچروں کی باگ موڑ کر اپنی اصلی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو جائیں گے،!

سعید:۔ یعنی واپس چلے جاؤ گے؛

جوہر:۔ واقعی آدمی آپ ذہین معلوم ہوتے ہیں، میرا مطلب یہی تھا،!

سعید:۔ لیکن اس کی ضرورت نہیں پڑے گی!

زہرا:۔ نہیں جوہر سچ کہتا ہے، میں تو واقعی چلتے چلتے گھبرا گئی ہوں، کیا ساری رات اسی طرح چلتے چلتے گذر جائے گی؛

سعید:۔ نہیں —— لو یہ دیکھو ہم پہنچ گئے!

سامنے ایک بھیانک سا کھنڈر تھا، یہاں پہنچکر سعید نے خچر کی لگام کھینچ لی،

"یہ ہے ہماری منزلِ مقصود!"

زہرا اس بھیانک منظر کو اور اس بھیانک کھنڈر کو دیکھ کر سہم گئی!

"یہی ہے سالم کی قیام گاہ؟"

سعید نے جواب دیا،

"ہاں —— ؛"

زہرا:۔ وہ اتنی خوفناک جگہ رہتا ہے؛

سعید:۔ وہ خود بھی تو خوفناک شخص ہے!

یہ کہہ کر سعید نے ایک سیٹی بجائی، فوراً کھنڈر کے کسی گوشہ سے ایک بڑا سا کُتّا بھونکتا ہوا برآمد ہوا اور سعید کے قدموں پر سر رکھ کر لوٹنے لگا۔

زہرا کا دل مطمئن ہو گیا کہ آخر وہ جگہ آگئی جہاں ہمیں پہنچنا تھا، کُتا بار بار بھونکتا تھا، زہرا کو دیکھ کر اور زیادہ بھونکنے لگتا تھا، لیکن سعید کی تھپکی اسے خاموش کر دیتی تھی، زہرا کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ کتا جوہر سے بھی مانوس نظر آ رہا تھا، اس کی طرف دیکھ کر وہ ایک مرتبہ بھی نہیں بھونکا، بلکہ کبھی کبھی اس کے پاؤں پر بھی سر رکھ کر کھیلنے لگتا تھا۔ خود بخود زہرا کے دل میں سوال پیدا ہوا،

"کیا جوہر سعید کا آدمی ہے؟ اگر نہیں تو یہ اسے دیکھ کر گردن کیوں ڈال

دیتا ہے، اور مجھے دیکھ کر بھونکنے لگتا ہے؛ آخر وہ اپنے جذبہ استعجاب کو ضبط نہ کر سکی، اس نے سوال کر ہی لیا،

"جوہر کیا تم یہاں کبھی آئے ہو؟"

جوہر کی سٹی گم ہو گئی، اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا، جسے تاریکی کے باعث وہ نہ دیکھ سکی، لیکن اس کی گھبرائی ہوئی آواز کو اس نے محسوس کر لیا وہ کہہ رہا تھا،

"نہیں میری ملکہ میں یہاں کبھی نہیں آیا!"

وہ بولی،

"پھر یہ کتا تم سے اتنا مانوس کیوں نظر آتا ہے؟"

جوہر بے انتہا ہوشیار اور کارگزار ہونے کے باوجود فوراً کوئی جواب نہ دے سکا، سعید نے اس کی ترجمانی کی،

"چونکہ میں جوہر سے مخاطب ہوں، اس لیے وہ سمجھ رہا ہے یہ میرا خاص آدمی ہے۔ کُتّے ویسے بھی بڑے سمجھدار ہوتے ہیں، اور یہ کتا تو خاص میرا تربیت یافتہ ہے، دیکھو اب تم پر بھی نہیں بھونکتا، میری ایک تھپکی نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ تم اجنبی نہیں ہو، دیکھ لینا تھوڑی دیر میں وہ تم سے بھی اتنا ہی مانوس ہو جائے گا جتنا مجھ سے ہے۔"

جوہر اب تک خاموش تھا اور اس کی خاموشی سے زہرا کا شبہ اور زیادہ قوی ہو گیا تھا، لیکن اسے مصلحت اسی میں نظر آئی کہ اس سوال کو یہیں ختم کر دے!

---

(۵۹)

دامِ فریب!

اس گفتگو کے بعد جوہر تو خچروں کو درختوں سے باندھنے میں مشغول ہوگیا، اور سعید نے سامنے کے ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زہرا سے کہا،

"آؤ چلیں!"

زہرا نے کوئی جواب نہ دیا ساتھ ہولی، سعید نے جیب سے کنجی نکالی، اور دروازہ کا قفل کھولا، اندر داخل ہوئے تو دیکھا مکان بالکل خالی پڑا ہے، دو کمرے ہیں ایک کوٹھڑی، ایک دالان اور چھوٹا سا صحن، دالان میں ایک فرش بچھا ہے، اس پر گاؤ تکیہ رکھا ہوا ہے، سعید نے فرش پر بیٹھتے ہوئے زہرا سے کہا،

آؤ یہاں آرام سے بیٹھ جاؤ!

زہرا:۔ (بیٹھتے ہوئے) لیکن میں یہاں آرام کرنے نہیں آئی ہوں، سالم سے ملنے آئی ہوں وہ کہاں ہے؟

سعید:۔ سالم۔ سالم بس یہی ایک رٹ لگا رکھی ہے تم نے!

زہرا:۔ تو اور کیا کروں؟

سعید:۔ (شرمندہ ہوکر) میرا مطلب یہ ہے کہ ذرا دیر یہاں بیٹھ کر سستا لو، پھر اطمینان سے سالم کی بات کریں گے!

زہرا:۔ سالم کی باتیں تو بہت سن چکی ہوں، میں تو اس سے ملنا چاہتی ہوں، اُسے

دیکھنا چاہتی ہوں، آخر وہ کب آئے گا؟

سعید:۔ تم تو بہت جلد پریشان ہو جاتی ہو، کہہ رہا ہوں بیٹھ جاؤ ——— کچھ ہو جائے گا،

زہرا:۔ بیٹھی تو ہوں،! اور کس طرح بیٹھوں،!

سعید:۔ تم اب تک مجھ سے بدگمان ہو، یہ ظلم کی انتہا ہے!

زہرا:۔ اور جو تم کر رہے ہو، یہ رحم ہے؟

سعید:۔ میں کیا کر رہا ہوں؟

زہرا:۔ پیاسے کو کنوئیں تک لے جاؤ، اور پانی نہ پلاؤ، یہ ظلم نہیں تو کیا ہے؟ کیا کہیں گے اسے؟

سعید:۔ اسے تو ظلم ہی کہیں گے ——— لیکن میں تو پیاسے کو کنوئیں کے پاس لایا ہوں اور پانی پلانے کا بندوبست کر رہا ہوں،!

زہرا:۔ مجھے ڈر ہے کہیں اس بندوبست میں ساری رات نہ بیت جائے، رات ختم ہونے سے پہلے ہمیں محل میں واپس پہنچ جانا چاہیئے،!

سعید:۔ ایسا ہی ہو گا، اطمینان رکھو ——— ابھی بہت رات باقی ہے!

زہرا:۔ تو خدا کے لیے اب مجھے زیادہ نہ ترساؤ! ——— میرا سالم کہاں ہے؟ یا اُسے بلاؤ، یا مجھے اس کے پاس لے چلو!

سعید:۔ ابھی لو،!

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باہر جانے لگا!

زہرا:۔ تم مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ میرا دل ہول رہا ہے؟

سعید :- تم گھبراتی کیوں ہو، جب تک میں زندہ ہوں کوئی خوف تم پر غالب نہیں آنا چاہیئے، میں تمہاری سپر ہوں، میں تم سے محبت کرتا ہوں اور زندگی کی آخری سانس تک نہ اس محبت سے دستبردار ہو سکتا ہوں، نہ تمہاری حفاظت اور نگہبانی کے خیال سے،——— تم بیٹھو، میں ابھی آیا!

زہرا :- لیکن جا کہاں رہے ہو یہ بھی تو معلوم ہو؟

سعید :- سالم کے بارے میں معلوم کر آؤں وہ کتنی دیر میں آئے گا——— رات اس انتظار میں تو ختم نہیں ہونی چاہیئے، آخر تمہیں واپس جانا ہے، !

زہرا :- ہاں ٹھیک کہتے ہو، جاؤ، لیکن خدارا جلد آ جانا، !

سعید :- ابھی آیا، !

سعید چلا گیا، !——— اور زہرا خیالات گوناگوں میں مصروف ہو گئی، وہ یہاں آ کر بہت پچھتا رہی تھی وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس نے آ کر غلطی کی، مہلک اور ناقابلِ تلافی غلطی لیکن اب نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ تھا، نہ ٹھہر سکتی تھی نہ جا سکتی تھی، وہ اپنے اختیار اور بس میں کب تھی؟ وہ بالکل سعید کے رحم و کرم پر تھی، اس کی زندگی، موت، عزت، آبرو، ناموس، ہر چیز سعید کے قبضہ میں تھی، وہ یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر قرطبہ اور قصر زہرا میں وہ اختیارات رکھتی تھی جو ایک خود مختار بادشاہ کو حاصل ہوتے ہیں اور یہاں وہ ایک قیدی تھی، اپنی بے بسی پر کڑھتے کڑھتے اس کی آنکھیں پُر آب ہو گئیں، لیکن یہاں کوئی ایسا بھی تو نہیں تھا، جو اس کے آنسو پونچھ لیتا، اُسے اختیار تھا جتنی دیر تک چاہے روئے اور جب تھک جائے تو رونا بند کر دے وہ اب سالم کی ملاقات سے مایوس ہوتی جا رہی تھی، یہ بات اس کے

دل میں بیٹھ گئی تھی کہ سعید نے اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا وہ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا؟

بڑی دیر گزر گئی مگر سعید نہ آیا، آخر جب انتظار کرتے کرتے وہ تھک گئی، تو اُٹھی اور دروازے کی طرف بڑھی کہ دیکھے سعید آرہا ہے یا نہیں دروازے پر پہنچ کر اس نے آڑ سے باہر جھانکا اور یہ دیکھ کر محوِ حیرت رہ گئی کہ سعید اور جوہر کھڑے ہوئے بے تکلف، دوستوں کی طرح گھل مل کر باتیں کر رہے ہیں، اب اسے یقین ہو گیا کہ جوہر درحقیقت سعید کا آدمی ہے، وہ اس کے پاس بظاہر خواجہ سرا کی حیثیت سے ملازم تھا، لیکن درحقیقت سعید کا آوردہ اور جاسوس تھا۔ لیکن وہ کچھ بھی تھا اب اس کی دسترس سے باہر تھا، یہ منظر دیکھ کر وہ سعید سے اور زیادہ متنفر ہو گئی، جوہر کے خلاف اس کے دل میں غم و غصہ بھرا ہوا تھا، لیکن وہ بے بس تھی، نہ کچھ کہہ سکتی تھی، نہ کر سکتی تھی، خاموشی سے اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئی، !

تھوڑی دیر کے بعد سعید آیا، زہرا نے انجان بن کر پوچھا :۔

زہرا :۔ سالم کا کچھ پتہ چلا ؟

سعید :۔ ابھی چل جائے گا ؟

زہرا :۔ اسی طرح رات بیتی جا رہی ہے، اور تمہارا ابھی کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا !

سعید :۔ بس اب تھوڑی دیر اور توقف کرو، پھر سالم ہمارے سامنے ہو گا جی بھر کے اس سے باتیں کرنا، اپنی کہنا اس کی سننا، اور ٹھنڈی ٹھنڈی تھر زہرا واپس چلی چلنا، !

---

(۶۰)

جوہر کا قتل!

ان باتوں سے زہرا کی ڈھارس بندھی، اس کی آنکھوں کے سامنے سالم کی تصویر پھرنے لگی، وہ بیتابی کے ساتھ اس گھڑی کا انتظار کرنے لگی کہ سالم آئے اور وہ اس سے باتیں کرے، اتنے میں باہر سے سیٹی کی آواز آئی سعید اُٹھ کھڑا ہوا، اُس نے زہرا سے کہا،

"آؤ چلیں، ——!"

وہ کھڑی ہو گئی۔

"اب کہاں چل رہے ہو؟"

سعید نے بتایا،

"سالم کے پاس، !"

سالم کا نام سُن کر وہ پھر بے بس ہو گئی، اور ایک معمول کی طرح اس کے ساتھ جانے پر رضامند ہو گئی، !

باہر نکلتے ہوئے اُس نے پُوچھا،

"کیا ہمیں کہیں اور جانا ہے کیا؟"

سعید نے جواب دیا،

ہاں ہم سالم کے پاس چل رہے ہیں، آؤ، تم تو خواہ مخواہ دور از کار باتیں کر کے وقت ضائع کر رہی ہو، ہمیں کشتی میں بیٹھ کر سالم کے گھر جانا ہے"!

زہرا نے پوچھا،

"کشتی میں بیٹھ کر؟ —— نہیں اب میں کہیں نہیں جاؤں گی، میں باز آئی سالم سے ملنے سے، تم تو مجھے میرے محل میں پہنچا دو!

سعید نے زہرا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"بچوں کی سی نادانی کی باتیں نہ کرو، تم اتنی بیقرار نہیں ہو، جتنا وہ تم سے ملنے کے لیے بیقرار اور مضطرب ہو رہا ہے، اپنی محبت سے نہیں تو اس پر رحم کر کے چپ چاپ چلی چلو!"

زہرا نے سوچا انکار بیکار ہے، میں اگر انکار بھی کردوں تو کیا کر سکتی ہوں، سنسان مقام، رات کا وقت، جوہر سے اُمید تھی کہ میرا ساتھ دے گا، لیکن وہ بھی اسی کم بخت کا آشنا نکلا، وہ خاموش ہو گئی اور چپ چاپ سعید کے نقشِ قدم پر چلنے لگی، !

ذرا دیر میں یہ لوگ دریا کے کنارے پہنچ گئے، کنارے پر ایک کشتی لگی ہوئی تھی، سعید اس میں اُچک کر بیٹھ گیا، پھر اس نے ہاتھ پکڑ کر زہرا کو بھی بٹھا لیا، اس وقت پھر اس کا جی چاہا کہ بیٹھنے سے انکار کر دے، لیکن جان رہی تھی اس کا انکار سعید کو ظلم اور دراز دستی پر آمادہ کر دے گا، اس لیے زبان سے اُس نے کچھ نہ کہا، اُسے رہ رہ کر جوہر کی نمک حرامی پر غصّہ آ رہا تھا، وہ ہرگز جوہر کو ایسا نہیں سمجھتی تھی کہ وہ دغا بازی سے کام لے گا، لیکن وہ پرلے درجہ کا دغا باز اور غدّار ثابت ہوا،

کشتی پر کوئی ملاح نہ تھا، جوہر ہی ملاح کی حیثیت سے اُسے کھے رہا تھا، کبھی کبھی گنگنانے لگتا تھا، اشعار پڑھنے لگتا تھا، مسکرانے لگتا تھا، ہنسنے لگتا تھا، اور زہرا سے پوچھ لیتا تھا،

"آپ اداس اور مضمحل کیوں نظر آرہی ہیں"؟

اس سوال میں طنز تھا، اس انداز میں طنز تھا، اس سوال کا مطلب یہ تھا کہ آپ دام میں پھنس چکیں اب رہائی کی تمنا بیکار ہے" اس انداز کا مطلب یہ تھا کہ عافیت اسی میں ہے کہ راضی بہ قضا ہو کر چپ چاپ جہاں ہم لئے چلتے ہیں، چلی چلیئے۔

کشتی جب بیچ دریا میں پہنچی تو سعید ایک بڑا سا پتھر لے کر اُٹھا، یہ پتھر ایک مضبوط سی رسّی میں بندھا ہوا تھا، وہ جوہر کے قریب آیا، جو بے فکری سے کشتی کھے رہا تھا سعید نے وہ پتھر اس کے گلے میں ڈال دیا، اور اس خیال سے کہ وہ بوجھ نہ محسوس کرے، اسے اپنے ہاتھ میں لئے رہا پھر رسّی اُس کے گلے میں ڈال دی،!

جوہر نے کہا،

"میرے آقا یہ آپ کیا کر رہے ہیں"؟

سعید کھلکھلا کر ہنس پڑا اُس نے جواب دیا،

"تیری جان لوں گا"!

وہ کہنے لگا،

"میری جان آپ کے سوا ہے کس کی، جب چاہیئے لے لیجئے آپ کی نذر ہے"!

زہرا یہ باتیں سُن رہی تھی اور پیچ و تاب کھا رہی تھی، اب جوہر نے سعید کو آقا کہہ کر اور اس سے اس طرح کی نیازمندانہ باتیں کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ واقعی اسی کا غلام ہے زہرا کا نہیں ——!

جوہر اسی طرح ہنس ہنس کر سعید سے باتیں کر رہا تھا، اور سعید ہنس ہنس کر اس کی باتوں کو سُن رہا تھا، کبھی کبھی کچھ کہہ بھی دیتا تھا! —— دفعتہً اُس نے جوہر

کے سینہ پر ایک گھونسا مارا اور قبل اس کے کہ وہ سنبھلے کہ اسے دریا میں دھکا دے دیا!

وہ آہ کر کے گرا، اور اس بھاری پتھر نے جو اسی میں بندھا ہوا تھا، اُسے آن کی آن میں تہہ تک پہنچا دیا، نہ وہ اُبھر سکا نہ اپنے بچانے کی کوشش کر سکا، جوہر کا یہ عجیب اور حسرت ناک انجام دیکھ کر زہرا ڈر گئی، اُس کا رواں رواں کانپنے لگا، اس کی گھگھی بندھ گئی، سعید اس کے پاس آیا اور بڑی بے پروائی کے ساتھ کہا،

"عجب بے وقوف آدمی ہے اس طرح گرا کہ پھر اُبھر ہی نہ سکا، مر ہی گیا،

زہرا خاموش نہ رہ سکی اُس نے جواب دیا،

وہ اتنا طاقت ور نہ تھا کہ گلے میں بندھے ہوئے پتھر کو بھی اپنے ساتھ ابھار سکتا!

سعید نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا،

"تمہارا خیال ہے میں نے جوہر کی جان لی ہے"!

وہ بولی،

"اگر یہ خیال ہے تو کچھ غلط ہے؟ جھوٹ ہے"؟

سعید کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی، اُس نے کہا،

ہاں میں نے اسے ہلاک کر دیا!

زہرا:۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ آپ ہی کا غلام یا ملازم تھا،

سعید:۔ ہاں یہی بات تھی،!

زہرا:۔ آپ ہی نے اسے میرے پاس رکھا تھا؟

سعید:۔ ہاں تاکہ وہ تمہاری دم بدم کی خبریں پہنچایا کرے، تمہاری ہر نقل و حرکت سے مجھے مطلع کرتا رہے! —— اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس نے بڑی خوبی اور

خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے ، !

زہرا :۔ اور آپ کی طرف سے انعام یہ ملا کہ آپ نے اسے مار ڈالا !

سعید :۔ ہاں زہرا ، میں نے اُسے مار ڈالا ، اور بہت اچھا کیا ، مجھے یہی کرنا چاہیئے تھا ،

زہرا :۔ آپ کا فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آتا !

سعید :۔ اگر میں اسے نہ مارتا تو اس سے دبتا ، یہ میرے اور تمہارے راز کا امین بن گیا تھا ، جب تک دوست اور ساتھی تھا ——— تھا ، لیکن اگر کبھی بگڑ جاتا ، مخالف ہو جاتا تو وہ خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا اور میں خطرناک آدمیوں کے بارے میں یہی کرتا ہوں کہ انہیں ختم کر دوں ، زندگی ان سے چھین لوں ، انہیں زندہ رہنے کے حق سے محروم کر دوں !

زہرا :۔ بہت درست خیال ہے آپ کا ، وفاداری کا صلہ اسی طرح دینا چاہیئے ، !

سعید :۔ زہرا ، میرے اور تمہارے نقطۂ نظر میں فرق ہے ، !

زہرا :۔ ہاں بہت بڑا فرق !

سعید :۔ میں وفاداری وغیرہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ، !

زہرا :۔ پھر آپ کے نزدیک اہم کیا چیز ہے ؟

سعید :۔ اپنا مفاد ، !

زہرا :۔ بڑا اچھا اصول ہے یہ !

سعید :۔ بے شک ——— میرا مفاد یہ ہے کہ تمہیں پا لوں ، تمہیں حاصل کر لوں دیکھ لو ، اس مقصد کے حصول کے لیے کیا کچھ کر چکا ہوں ، اور کیا کچھ کر رہا ہوں ، !

زہرا :۔ ہاں خوب دیکھ رہی ہوں ، بہت اچھی طرح ،

سعید:۔ مجھے اس کے اعتراف میں اب ذرا بھی تامل نہیں کہ اسی لیے میں نے عبداللہ، ابن عبدالبر، سائرؔ اور یاسر کی جان لی، اسی لیے جوہر کو موت کے گھاٹ اتارا اور اسی لیے ——

زہرا:۔ ابھی کچھ اور لوگ باقی ہیں جن کی جان لینی ہے ؟

سعید:۔ ہاں —— لیکن اب تو وہ بھی ختم ہو چکے ہوں گے !

زہرا:۔ وہ بدقسمت لوگ کون ہیں ؟

سعید:۔ ہیں —— وقت آجانے پر معلوم ہو جائے گا، !

زہرا:۔ پھر بھی اگر بتا دو گے تو میں کچھ مخبری تو نہ کر دوں گی جا کر،

سعید:۔ نہیں مجھے تم سے مخبری کا اندیشہ نہیں ہے (ہنس کر) اور اگر مخبری کرنا بھی چاہو تو کس سے کرو گی،

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا،!

بلکہ یوں سمجھو کہ

جڑ کٹ گئی نخلِ آرزو کی، !

لہٰذا اس طرف سے تو میں یکسر بے فکر ہوں، !

یہ باتیں سُن کر زہرا لرز اُٹھی، اس کے دِل میں طرح طرح کے وہم اور شکوک آنے لگے۔ اس نے جی کڑا کر کے دریافت کیا۔

زہرا:۔ لیکن ان لوگوں کے بارے میں جنہیں موت کے گھاٹ اتارنے کا بندوبست کر آئے ہو اگر بتا دو گے تو کیا بگڑ جائے گا، جب کہ جانتے ہو کہ میں تمہاری قید میں ہوں، اور بالکل بے بس ہوں، !

سعید:۔ اور سب کچھ کہہ لو، مگر یہ نہ کہو کہ تم قید میں ہو اور بے بس ہو!

زہرا:۔ پھر کیا کہوں؟

سعید:۔ میں تمہاری قید میں ہوں، میں تمہارے بس میں ہوں، تم میری مالک ہو، میں تمہارا غلام ہوں، میں تمہارا بندۂ بے دام ہوں، تم میرے جان و دل پر قابض اور متصرف ہو، اور میں صرف اس لیے ہوں کہ تمہاری چاکری کرتا رہوں، تمہیں خوش رکھوں، تمہاری رضامندی حاصل کروں، تمہیں کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے دوں،

زہرا:۔ ہاں سچ کہتے ہو، جو کچھ کہتے ہو وہ کر بھی تو رہے ہو، اسی لیے تو ان دشمنوں کے نام نہیں بتاتے، جنہیں موت کے گھاٹ اتارنے کا انتظام کرائے ہو، میں انہیں زندہ کر لوں گی نا!

سعید:۔ (ہنس کر) مُردوں کو کوئی زندہ نہیں کر سکتا!

زہرا:۔ (اشتیاق کے ساتھ) تو پھر سناؤ،!

سعید:۔ ایک نام بتائے دیتا ہوں جس کی تم دشمن ہو!

زہرا:۔ (پریشان ہو کر) یہ جھوٹ ہے، میں کسی کی دشمن نہیں ہوں ——— خیر کون ہے وہ؟

سعید:۔ عابدہ! ———!

عابدہ کا نام سُن کر زہرا اُچھل پڑی، اس نے کہا،

زہرا:۔ تم نے عابدہ کو مار ڈالا؟

سعید:۔ ہاں مار ڈالا،

زہرا :- لیکن وہ تو تمہاری محبوبہ تھی، دوست تھی، ساتھی تھی، رفیق اور غمگسار تھی،
ہر سازش، ہر منصوبے میں شریک تھی، میرا خیال ہے وہ خود بھی تم سے بہت
زیادہ محبت کرتی تھی،

سعید :- ہاں، وہ محبت کرتی تھی افسوس میں اُسے نہ چاہ سکا، !

زہرا :- کیوں ؟ آخر کس لیے، !

سعید :- اس لیے کہ

پہلو میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے !
یا تم سے محبت کر لیتا یا اس سے دونوں سے تو ناممکن تھا محبت کرنا !

زہرا :- تو اسے کسی اور طرح اپنے راستہ سے ہٹا دیتے، جان لینے کی کیا ضرورت تھی،
مجھے اس کی جواں مرگی پر ترس آ رہا ہے، !

سعید :- بس میں اب دوسرا نام نہیں لوں گا، !

زہرا :- یہ کیوں ؟

سعید :- ورنہ تم اس کے بڑھاپے پر رونے لگو گی ——— اتنا زیادہ رحمدل ہونا
اچھا نہیں ہوتا !

زہرا :- پھر بھی آخر وہ کون ہو سکتا ہے ؟

سعید :- عابدہ بھی ہمارے راز کی امین بن چکی تھی، وہ اگرچہ مجھ سے محبت کرتی تھی اور
اس کی جان لیتے ہوئے میرا دل کڑھا لیکن حالات ایسے تھے کہ اس کے سوا
کوئی اور چارہ کار ہی نہیں تھا، بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ میرے حکم سے، میری
مرضی سے عبدالرحمٰن الناصر کو تو زہر پلا دیتی اس کی جان لے لیتی اور خود بچ جاتی

پھر کیا وہ مجھے اس پر مجبور نہ کرتی کہ میں تم سے دستبردار ہو جاؤں، اور اس سے شادی کر لوں، اور اگر ایسا کرتا تو میری زندگی بے کار تھی، میں نے یہ سارے پاپڑ تمہارے لیے، تمہیں حاصل کرنے کے لیے بیلے تھے، اور اب جب راستے کے تمام کانٹے ہٹ جاتے، میں تم کو چھوڑ کر اُسے محبوبہ بنا لیتا، یہ کتنی عجیب اور اَن ہونی بات تھی، بھلا میں ایسا کر سکتا تھا؟ لہٰذا وہی زہر کی پڑیا جس نے الناصر کی جان لی، عابدہ کے لیے بھی بلائے جان بن گئی، !

سعید اپنی رو میں یہ ساری باتیں کہتا چلا گیا، لیکن اس نے زہرا کی طرف توجہ نہ کی، کہ ان باتوں کا اس پر کیا ردِ عمل ہوا؟ وہ مبہوت اور ششدر نظر آ رہی تھی، اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، لیکن نطق و گویائی کی قوت ایسا معلوم ہوتا تھا سلب ہو چکی ہے دفعتاً سعید کے منہ پر ایک طمانچہ پڑا، وہ کشتی کے بالکل کنارے پر بیٹھا ہوا تھا، گرتے گرتے بچا، لیکن بہت جلد اس نے اپنے تئیں سنبھال لیا اور غصہ سے کہا۔

سعید :- کیا تم میری جان لینا چاہتی تھیں؟

زہرا :- تُو اسی قابل ہے کہ مار ڈالا جائے، !

سعید :- کیا میری محبت کا یہی صلہ ہے؟

زہرا :- تجھ جیسا درندہ محبت کے معنی بھی نہیں جانتا۔ ——— سعید سچ کہو کیا واقعی تم نے امیر المومنین کو زہر دلوایا ہے عابدہ سے!

سعید :- ہاں، میں نے ایسا کیا ہے تاکہ بلا غل و غش تمہیں حاصل کر سکوں!

زہرا :- تو مجھے نہیں صرف میری لاش کو حاصل کر سکتا ہے!

سعید :- میں تمہیں نہیں مرنے دوں گا، کسی طرح بھی نہیں!

زہرا :۔ مرنے والے کو کوئی نہیں روک سکتا، میں اب تک مر چکی ہوتی، لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ تو جھوٹا ہے، تو نے یہ افسانہ صرف اس لیے تراشا ہے کہ مجھے امیر المومنین کی زندگی سے مایوس کر کے اپنا مطلب نکالے،

سعید :۔ اس کے لیے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کام تو ویسے بھی ہو سکتا تھا!

اتنے میں کشتی کنارے آ لگی اور زہرا نے محسوس کیا، جہاں سے یہ کشتی چلی تھی، وہیں واپس آ گئی ہے اسے حیرت ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے کہا۔

زہرا :۔ یہ تو وہی جگہ ہے جہاں سے ہم چلے تھے!

سعید :۔ ہاں وہی جگہ ہے!

زہرا :۔ لیکن پھر تم نے یہ کشتی کا کھڑاگ کیوں کھڑا کیا تھا؟ سالم کہاں ہے؟

سعید :۔ کشتی کا کھڑاگ اس لیے کھڑا کیا تھا کہ جوہر کو ختم کیا جا سکے، رہا سالم تو وہ یہاں کہاں؟

زہرا :۔ (پریشان ہو کر) پھر وہ کہاں ہے؟ کہاں ملے گا؟

سعید :۔ وہ عبد اللہ وغیرہ کے قتل کی خبر سن کر بھاگ کھڑا ہوا، کیونکہ امیر المومنین الناصر نے اس کے قتل کا اعلان کر دیا تھا! ——— وہ قیروان بھاگ کر گیا ہے، وہاں چلو اس سے ملو، اور پھر چاہو تو وہیں رہو، چاہو یہاں واپس آ جاؤ، میں بہر حال تمہارے ساتھ ہوں،!

زہرا :۔ بہت فریب کھائے، مجھے قیروان نہیں جانا ہے، میں اب اپنے محل واپس جانا چاہتی ہوں،!

اتنے میں کشتی کنارے آلگی، سعید اس میں سے اُترا اس نے کہا۔

"آؤ، جاؤ گی یا نہیں ——— یہ سب مسئلے یہیں بیٹھ کر طے کریں گے، کشتی میں نہیں طے ہو سکتے"!

زہرا نے کشتی سے اُترنے سے انکار کر دیا،

"اب میں تیرے ساتھ نہیں جا سکتی، تو دغا باز ہے، جھوٹا ہے، فریبی ہے،

سعید نے کہا۔

میں جو کچھ بھی ہوں، لیکن میرے بغیر تم کسی طرح بھی نہ محل میں پہنچ سکتی ہو نہ سالم کے پاس ——— آؤ!

وہ اتر آئی!

(۶۱)

زہرا غائب ہوگئی!

اب ذرا عابدہ کی خبر لینا چاہیئے ——— !

وہ سعید کے حسب الحکم زہر کی دونوں پڑیاں لے کر امیر المومنین الناصر کی خلوت گاہ میں پہنچی، اور اپنی رس بھری تانوں سے اس کے دل کی دنیا زیروزبر کرنے لگی، گانا سنتے سنتے یکایک الناصر کو عبداللہ یاد آگیا، وہ اپنے اس بیٹے کو بہت زیادہ چاہتا تھا، اس کی موت اور قتل کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی، اور خود بخود اس کی آنکھیں پُر آب ہوگئیں، اسے بار بار زہرا کی یہ بات یاد آرہی تھی کہ وہ نا سمجھ تھا میں اسے سمجھا لیتی، راہ راست پر لے آتی، وہ سوچ رہا تھا، واقعی زہرا نے سچ کہا تھا، ضرور وہ اس کا کہا مان لیتا، راہ راست پر آجاتا، آہ میرے ہاتھ اپنے لختِ جگر اور نورِ نظر کے خون سے رنگین ہوئے، کاش حالات بدل جاتے، قسمت پلٹ جاتی عبداللہ بچ جاتا!

عبداللہ کی یاد کے ساتھ ہی اسے گانے سے نفرت ہوگئی اس نے عابدہ کی طرف دیکھا اور کہا،

"آج ہماری طبیعت کچھ بدمزہ ہے، تم واپس جاؤ، آرام کرو ہم بھی آرام کریں گے!"

یہ سُن کر عابدہ دنگ رہ گئی، خلیفہ کی اس روش نے سارا پروگرام درہم برہم کر دیا لیکن وہ زبردستی بھی تو نہیں کر سکتی تھی، وہ اگر گانا نہیں سُننا چاہتا دوا یا شربت نہیں پینا چاہتا تو میں کس طرح زبردستی اس کے گلے میں اُتار دوں، وہ یہی سوچ رہی تھی کہ

الناصر نے کہا.

"عابدہ تم نے شاید سُنا نہیں، میں کیا کہہ رہا ہوں؟ تم جاؤ، آرام کرو۔ اس وقت میری طبیعت بدمزہ ہے، مجھے راگ رنگ میں کوئی لطف نہیں آتا —— جاؤ!

عابدہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سیدھی سعید کے کمرہ میں پہنچی کہ اسے سارا ماجرا سنائے اور اب جو ہدایت وہ دے اس پر عمل کرے!

لیکن سعید کمرے میں نہیں تھا!

وہ کہاں گیا؟

کب آئے گا؟

یہی سوچتی ہوئی وہ کمرہ میں بیٹھ گئی، اس نے طے کرلیا کہ جب تک وہ آ نہیں جائیگا وہ اپنے کمرہ میں نہیں جائے گی، اسی لیے اس نے "خواب آور" دوا بھی نہیں کھائی کہ وہ اس کے کمرہ میں موجود تھی، جاگ رہی تھی اور سونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، جب بڑی دیر ہوگئی، اور وہ نہ آیا تو وہ زہرا کی طرف گئی کہ شاید اسے علم موسیقی کی تعلیم دے رہا ہو لیکن وہاں جاکر اُس نے ایک عجیب پریشانی اور اضطراب کے عالم میں لوگوں کو دیکھا، تحقیق کیا تو معلوم ہوا زہرا لاپتہ ہے، یہ سُنکر اس کا ماتھا ٹھنکا اور ساری کہانی اس کی سمجھ میں آگئی وہ سمجھ گئی کہ سعید اب تک مجھے دھوکا دیتا رہا، وہ دراصل زہرا کو چاہتا تھا اور آج موقع پاکر اُسے اڑا لے گیا، اور مجھے یکہ و تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑ گیا، اس خیال کے آتے ہی اس کا دل نفرت اور حقارت سے بھر گیا، جس دِل میں اب تک صرف سعید کی محبت تھی، اب وہ نفرت اور حقارت کا مرکز بن گیا ہے، پہلے اس کا جی چاہا کہ سعید کی بے وفائی پر پھوٹ پھوٹ کر روئے، لیکن دفعتہً اس کی

خودی جاگی اور اس نے اس حادثہ پر رونا اپنی توہین سمجھا، وہ سنبھل گئی، اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ اس دغا باز اور غدار سے انتقام لے گی،

ادھر الناصر کی جب طبیعت زیادہ گھبرائی تو اس کا جی چاہا کہ اپنی وفادار محبوبہ زہرا کو بُلائے اور اس سے باتیں کر کے دِل بہلائے، لیکن جب اس نے زہرا کو طلب کیا تو معلوم ہوا وہ یہاں نہیں ہے، غائب ہے، !

- زہرا غائب ہے! الناصر اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا، وہ اس کی وفاداری کو اپنی آنکھ سے دیکھ چکا تھا، !

نہیں یہ نہیں ہو سکتا، وہ غدار اور بے وفا نہیں ہے، ضرور کسی حادثہ کا شکار ہوئی ہے!

یہ سوچ کر اُس نے اپنے خاص خواجہ سرا ساہر کو طلب کیا، ساہر پر الناصر کو بہت اعتماد تھا، اور زہرا بھی، اگرچہ جوہر کے آنے کے بعد سے اُس سے ذرا ذرا اُکھڑی سی گئی تھی، لیکن ویسے اُس کا بہت خیال کرتی تھی، الناصر نے ساہر سے کہا،

"جس طرح ہو سکے، زہرا کو فوراً تلاش کرو!"

ساہر نے کہا۔

"نہ صرف یہ کہ زہرا نہیں ہے بلکہ سعید بھی غائب ہے، میرا خیال ہے سعید نے اسے ورغلا کر کسی حادثہ کا پروگرام بنایا ہے، وہ جب سے آیا ہے، میں اس کی نگرانی کر رہا ہوں، آج میرا ارادہ تھا کہ میں اس کے بارے میں اپنے معلومات عرض کروں، لیکن اس حادثہ کے بعد اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں،

الناصر نے کہا،

"میں کچھ نہیں جانتا، تم جس طرح ہو زہرا کی تلاش کرو، وہ مل جائے تو تمام گتھیاں خود بخود حل ہو جائیں گی۔

ساہر بہت خوب کہہ کر رخصت ہوا اور سیدھا عابدہ کے کمرہ میں پہنچا، لیکن وہ وہاں نہیں تھی"!

(۶۲)

انتقام کا جوش!

عابدہ بدستور سعید کے کمرہ میں بیٹھی ہوئی تھی، اس نے سوچا تھا کہ وہ سعید سے انتقام لے گی، پھر خیال آیا وہ ہاتھ سے نکل چکا، وہ زہرا کو اپنے ساتھ لے گیا وہ اب الناصر کی دسترس سے دُور ہے، اور نہ جانے کہاں ہے، اب وہ انتقام کی زد سے باہر ہے، اب اس سے انتقام نہیں لیا جا سکتا ——— !

پھر اب میری زندگی کا مصرف کیا ہو گا؟
میں اب کیا کروں گی؟ کہاں جاؤں گی؟
اب میں کسی سے محبت نہیں کر سکتی، !
اب میں کسی کی محبت نہیں قبول کر سکتی!
میرا اجڑا ہوا دل اب نہیں آباد ہو سکتا، !
مری ہوئی اُمنگیں پھر سے نہیں زندہ ہو سکتیں!
نہیں اب مجھے زندگی کی ضرورت نہیں، !
اب میرا بہترین مقام قبر کا گوشہ ہے، !

یہ سوچ کر اُس نے وہی "خواب آور" دوا نکالی، جس کے بارے میں تازہ حالات اور زہرا کی گم شدگی کے باعث اُس نے یقین کر لیا تھا کہ یہ زہر ملا ہل ہے، پڑیا کو گلاس میں ڈالا اور پینے کے ارادہ سے منہ کے قریب لے گئی، دفعتہً

ایک مضبوط ہاتھ کا جھٹکا محسوس ہوا اور گلاس فرش پر گر کے چکنا چور ہوگیا، عابدہ نے مڑ کر دیکھا تو ساہر کھڑا ہوا تھا،

عابدہ رونے لگی،

"آہ، —— کیا میں مر بھی نہیں سکتی ؟"

ساہر :۔ تم کیوں مرنا چاہتی ہو ؟ زندگی جیسی چیز بار بار نہیں ملتی، ایک مرتبہ جانے کے بعد پھر واپس نہیں آتی!

عابدہ :۔ مجھے زندگی سے نفرت ہے، میں زندہ رہنا نہیں چاہتی،!

ساہر :۔ کیوں ؟ زندگی سے کیوں بیزار ہوگئی ہو تم ؟

عابدہ :۔ اس لیے کہ زندگی مجھ سے نفرت کرنے لگی ہے!

ساہر :۔ غلط —— زندگی کسی سے نفرت نہیں کرتی،!

عابدہ :۔ مجھ سے کرتی ہے!

ساہر :۔ مجھے یقین نہیں آتا!

عابدہ :۔ تم میرے کون ہوتے ہو جو یقین حاصل کرنا چاہتے ہو، تمہیں اتنی ہمدردی کا کوئی حق نہیں، جاؤ مجھے میرا کام کرنے دو!

ساہر :۔ یہ نہیں ہوسکتا، انسانیت اور آدمیت بھی کوئی چیز ہے، میری بھی ایک بہن ہے اور وہ تمہاری ہی طرح خوب صورت ہے، میں اس کا مرنا نہیں برداشت کر سکتا پھر تمہارا مرنا کیونکر برداشت کر لوں!

عابدہ :۔ بڑے ہمدرد، بڑے انسانیت نواز —— جو مجھ سے محبت کرتا تھا، میری محبت کا دم بھرتا تھا، مجھ سے عشق کرتا تھا، وہ دغا باز ثابت ہوا،

اس نے مجھے دھوکا دیا، وہ ایک اور عورت کو لے کر بھاگ گیا، پھر میں
کسی اور سے کیا توقع کر سکتی ہوں، !

ساہر:۔ شاید تم سعید کے بارے میں کہہ رہی ہو؟

عابدہ:۔ ہاں اسی غدار، بے وفا اور دغا باز کا ذکر کر رہی ہوں، کیا وہ تمہارا
دوست تھا، کیا اس کے بارے میں یہ الفاظ تمہیں تکلیف دے
رہے ہیں —— ؟

ساہر:۔ نہیں —— میں جانتا ہوں، وہ انسان کے روپ میں شیطان ہے
اس کے بارے میں جو کچھ کہو میں اعتبار کر لوں گا، اس نے تمہیں دھوکا
دیا۔ وہ زہرا کو بھی دھوکا دے کر رہے گا، !

عابدہ:۔ بے شک —— مجھے اس کا یقین ہے، !

ساہر:۔ ایسا آدمی اس قابل نہیں ہے کہ اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے،

عابدہ:۔ پھر —— ؟

ساہر:۔ اس سے انتقام لینا چاہیئے، اسے کیفرِ کردار کو پہنچانا چاہیئے اسے قرار
واقعی سزا دینا چاہیئے!

عابدہ:۔ لیکن اب وہ تمہاری دسترس سے باہر ہو چکا ہو گا! اب تم اسے سزا
نہیں دے سکتے!

ساہر:۔ نہیں ابھی رات کا کچھ حصّہ باقی ہے، اتنی دیر میں وہ ہماری زد سے باہر
کیسے ہو سکتا ہے، ہم اس کا تعاقب کریں گے، اور پکڑ لیں گے اسے، شرط
صرف یہ ہے کہ اس کی قیام گاہ معلوم ہو، کیا تم اس کی قیامگاہ سے واقف ہو؟

عابدہ :- ہاں اربا ض اور حیرہ میں وہ رہتا ہے، !

ساہر :- تم میرے ساتھ چلو، نشان دہی کرو، میں اسے گرفتار کروں گا اور خلیفہ کے سامنے پیش کروں گا !

عابدہ :- مجھے اب اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، !

ساہر :- تم میرا ساتھ دو ، اپنے آقا الناصر کا ناموس بچانے میں میری مدد کرو،

عابدہ :- میں تیار ہوں چلو، :

میں تجھ سے محبّت نہیں کر سکتی

اور ادھر سعید زہرا کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کی کوششوں میں مصروف تھا، وہی سنسان مکان تھا، وہی ویران مقام، رات کا بہت تھوڑا حصہ باقی رہ گیا تھا، چاند ڈھل چکا تھا، اور ستارے ماند پڑ رہے تھے، زہرا بے بس، بے سہارا اور تنہا بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے سامنے ایک آقا اور مالک کی طرح سعید کھڑا تھا، سعید کو دیکھ دیکھ کر اس کا خون دہشت کے مارے سوکھ رہا تھا اور غصہ کے باعث اُبل رہا تھا، لیکن وہ بے بس تھی، کچھ نہیں کر سکتی تھی، دفعتاً فضا کے اس سناٹے میں سعید کی آواز گونجی!

سعید:۔ زہرا تم کس حال میں ہو؟ کیا سوچ رہی ہو؟ کیوں روٹھی ہوئی ہو؟

زہرا:۔ نہیں تم سے مجھے کوئی شکایت نہیں، اگر ہے تو اپنے آپ سے غلطی میری ہے تم پر کیسے تھوپ دوں؟

سعید:۔ نہیں تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے یہ خیال ہی کیوں دل میں آنے دیتی ہو؟

زہرا:۔ کیا یہ میری غلطی نہیں ہے کہ میں نے تم پر بھروسہ کیا، اور یہاں چلی آئی؟

سعید:۔ اس میں غلطی کیا ہے؟ کیا اپنے بھائی سے ملنا غلطی ہے، تم میرے لئے نہیں آئی ہو سالم سے ملنے آئی ہو!

زہرا:۔ لیکن سالم کہاں ہے؟ خدا اسے سلامت رکھے، کیا اُسے زمین نگل گئی یا آسمان

کھا گیا!

سعید:۔ وہ زندہ ہے، خیریت سے ہے محفوظ ہے اور اس سے زیادہ تم کیا چاہتی ہو؟

زہرا:۔ میں اس کی دریافت کرنے نہیں آئی تھی۔ ملنے آئی تھی وہ کہاں ہے؟

سعید:۔ قیروان میں ——— ہم لوگ یہ طے کر چکے تھے کہ اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو قیروان چلے جائیں یعنی الناصر کی حدود مملکت سے باہر نکل جائیں، چنانچہ اس نے جب عبداللہ وعبیرہ کی ہلاکت اور قتل کی خبر سنی ہو گی، اپنے ساتھیوں سمیت قیروان چلا گیا ہو گا وہاں ناصر کچھ نہیں کر سکتا، اگر واقعی اس سے ملنا چاہتی ہو تو میرے ساتھ چلو میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گا اس سے ملا دوں گا،!

زہرا:۔ بخشو ——— میں نہیں جانتی، میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ بھی مر چکا، اور شاید تم ہی نے اسے ہلاک کیا ہو گا، بہر حال مجھے وہیں پہنچا دو، جہاں سے لائے تھے۔

سعید:۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں تمہیں اپنے دل کی تسکین کے لیے لایا ہوں زہرا!

زہرا:۔ اور وہ تمہیں نہیں مل سکتی، کم از کم میری طرف سے تو نہیں،

سعید:۔ کیا تم میری محبت کو ٹھکرا دینے کا فیصلہ کر چکی ہو؟

زہرا:۔ بے شک تم اس قابل کب ہو کہ تم سے محبت کی جائے، بھلا ایک قاتل، ایک دغا باز، ایک لٹیرے سے محبّت کی جا سکتی ہے؟ اور اگر کی بھی جا سکتی ہو تو کیا مجھ میں اتنی محبّت ہے کہ تم سے محبت کر سکوں؟

سعید:۔ میں تم سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں، رحم کرو مجھ پر، میں تمہاری محبت

میں دیوانہ ہو رہا ہوں ——— دیکھو تمہارے سامنے ایک فقیر کی طرح وہ شخص کھڑا ہے جو بادشاہوں کا تختہ اُلٹ سکتا ہے؛ جو بادشاہتوں کو ختم کر سکتا ہے جو بادشاہوں کا ستیاناس کر سکتا ہے جو ایک بہت بڑی قوت ہے،
ایک بہت بڑی طاقت ہے،

زہرا:۔ محبت جبر و جور یا قوت و طاقت کے بل پر نہیں حاصل کی جا سکتی—— !

سعید:۔ پھر کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے؟

زہرا:۔ کسی طرح نہیں،!

سعید:۔ آخر کسی طرح تو؟

زہرا:۔ میں نہیں جانتی، میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تم سے محبت کرنا میرے لیے ناممکن ہے، ایک طرف موت کھڑی ہو اور دوسری طرف تم، اور مجھے اختیار کا حق دے دیا جائے کہ دونوں میں سے جسے چاہوں قبول کر لوں، تو بلاشبہ میں تمہیں مسترد کر دوں گی،! اور موت کو قبول کر لوں گی!—— جب میری نفرت کا یہ عالم ہے تو کیسے تم مجھ سے محبت کی اُمید اور توقع کر سکتے ہو!؟

سعید:۔ لیکن کیوں؟ آخر کیا برائی ہے مجھ میں؟

زہرا:۔ بہت خوب اس سے بڑھ کر بھی دھاندلی ہو سکتی ہے؟ آخر تم میں اچھائی کیا ہے کہ کوئی تمہیں چاہے؛ میرے سامنے تم اپنے جرائم کا اقرار کر چکے ہو، میرے سامنے تم نے اپنے مقتولوں کے نام گنوا دیئے ہیں، میرے سامنے تم نے جوہر کو قتل کیا ہے ——— کیا ایسے شخص سے میں محبت کر دوں؟ اور وہ بھی کس کے مقابلہ میں؟ الناصر کے مقابلہ میں؟

سعید:۔ (طنز سے) او ہو کیا کہنا ہے آپ کے الناصر صاحب کا!

زہرا:۔ بے شک وہ آدمیوں میں بہت، بہتر انسان، وہ بادشاہوں اور فرماں رواؤں میں عادل، محسن اور منعم بادشاہ، وہ محنت کرنے والوں میں بے نفس، ایثار پسند اور خود فراموش عاشق، وہ عالموں اور فاضلوں میں وسیع النظر عالم، متبحر فاضل اور یکتائے روزگار محقق ہے۔ اس سے تو دشمن بھی محبت کرتے ہیں، پھر میں کیسے نہ کروں؟ اگر میں اس کی محبت ٹھکرا دوں تو کیا مجھ سے بڑھ کر بھی کوئی احسان فراموش ہو سکتا ہے؟ کیا اس سے بدتر مثال بھی کفرانِ نعمت کی مل سکے گی؟

سعید:۔ تو یہ بات ہے؟ آپ واقعی الناصر سے محبت فرماتی ہیں؟

زہرا:۔ ہاں —— مجھے بڑے فخر کے ساتھ اس جُرم کا اعتراف ہے!

سعید:۔ میرے کارنامے تمہاری نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتے؟

زہرا:۔ بالکل نہیں،!

سعید:۔ تو اب مجھے دوسری صورت اختیار کرنی پڑے گی!

زہرا:۔ یعنی سختی کرو گے مجھ پر کیوں؟

سعید:۔ ہاں —— مجھ جیسا آدمی جتنی خوشامد تمہاری کر چکا ہے، یہ بھی بہت ہے اس سے زیادہ فروتنی اس کے بس سے باہر ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے مجبور نہ کرو، سختی کا برتاؤ کرنے پر!

زہرا:۔ جہاں تمہارے بہت سے رُوپ دیکھے تھے، وہاں تمہاری بہادری اور شجاعت کا رنگ بھی دیکھ لیا۔ واقعی بہادری کی تعریف یہی ہے کہ عورت کی

کمزوری سے فائدہ اُٹھایا جائے، اسے دھوکا دیا جائے، اُسے اسیرِ دام کرنے کی کوشش کی جائے، اسے اغوا کیا جائے اور جب کسی طرح دال نہ گلے تو اس پر سختی کی جائے۔

سعید:۔ (شرمندہ ہوکر) نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا، !

زہرا:۔ پھر کیا مطلب تھا؛ تمہارے مقابلہ میں جاہل سہی لیکن اتنی گئی گزری بھی نہیں ہوں کہ صاف اور واضح الفاظ کا مطلب بھی غلط سمجھوں!

سعید:۔ بہرحال ———

زہرا:۔ مجھے تمہاری بات ماننی چاہیئے؟

سعید:۔ ہاں میرا یہی مطلب ہے!

زہرا:۔ لیکن میں کہہ چکی کہ یہ نہیں ہو سکتا، ! مجھے موت منظور ہے، لیکن یہ گوارا نہیں کہ اپنے سچے اور کھرے عاشق الناصر کو دھوکا دوں، اسے چھوڑ دوں اور وقت کے سب سے بڑے دغاباز اور قاتل سے محبت کرنے لگوں۔ جانتی ہوں، میری جان تمہارے قبضۂ قدرت میں ہے لیکن میں مرنے کے لیے تیار ہوں، مجھے مار ڈالو اپنی تلوار کیوں نہیں نکالتے میان سے؟

سعید:۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، آخر تم الناصر کے متعلق غلط فہمی میں کیوں مبتلا ہو؟ وہ مر چکا ہے، منکر نکیر اس سے سوال جواب بھی کر چکے ہوں گے!

زہرا:۔ تو جھوٹا ہے، تیرا ہاتھ امیرالمومنین تک نہیں پہنچ سکتا،

سعید:۔ بخدا میں غلط نہیں کہتا، سچ کہہ رہا ہوں، !

زہرا:۔ اچھا سچ سہی ——— میں ساری زندگی ایک بیوہ عورت کی طرح

کاٹ دوں گی، لیکن تم پر یا کسی دوسرے مرد پر نظر نہیں ڈالوں گی، آخر وفا کا تقاضہ بھی تو کوئی چیز ہوتا ہے!

سعید:۔ ہاں ضرور ہوتا ہے —— لہٰذا میری وفاداری کی قدر کرو!

زہرا:۔ تو وفادار نہیں، شیطان ہے، تو نے جو کچھ کیا، اپنے لیے کیا —— محبت کے لئے نہیں، محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب تجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ میں الناصر سے محبت کرتی ہوں، تو تو اس سے محبت کرنے لگتا، اسے زک دینے اور نقصان پہنچانے کی ناپاک کوششوں سے باز آ جاتا —— محبت کا تقاضہ ایثار ہے، زبردستی اور دھاندلی نہیں!

سعید:۔ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا،

ہم کو منظور نکو نامی فرہاد نہیں!

زہرا:۔ میں بھی ایسی محبت نہیں کر سکتی!

سعید:۔ یہ تمہارا آخری جواب ہے؟

زہرا:۔ ہاں —— آخری اور قطعی

---

(۶۴)

آبرو بچ گئی!

سعیدہ نے غصّہ، برہمی، نفرت اور حقارت کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ زہرا کو دیکھا اور کہا،

"دیکھ میں آخری مرتبہ تجھے موقع دیتا ہوں کو سنبھل جا ورنہ تیری ایسی گت بنے گی کہ ——"

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا تھا کہ باہر سے کُتّے کے بھونکنے کی آواز آئی اور ایسا معلوم ہوا جیسے بہت سے گھوڑے میدان میں اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں!

زہرہ سمجھ گئی، یہ سوار ہیں، وہ بھاگی بھاگی دروازے پر پہنچی، جو اندر سے بند تھا سعید اُسے پکڑنے کے لیے لپکا لیکن وہ بڑھ کر دروازہ کھول چکی تھی، سب سے پہلے جس شخص پر اس کی نظر پڑی وہ ساہر تھا، ساہر کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئی، اپنا غم بھول گئی، اُس نے چیخ کر کہا۔

"ساہر تو آگیا —— مجھے اُمید تھی، امیر المومنین ضرور میرے لیے پریشان ہوں گے۔"

ساہر نے کہا۔

"ملکۂ عالم میں آگیا، امیر المومنین آپ کے لیے بے حد پریشان ہو رہے ہیں، لیکن آپ یہاں تنہا ہیں؟

وہ بولی،

' نہیں، وہ شیطان صفت انسان سعید مجھے ورغلا کر یہاں لایا تھا، میرے بچھڑے بھائی سے ملاقات کرانے ؟ اسے پکڑو، فوراً پکڑ لو وہ جانے نہ پائے، وہ مجرم ہے وہ قاتل ہے!

اتنے میں سعید سامنے آگیا اُس نے کہا،

"میں موجود ہوں، نہ میں بھاگ سکتا ہوں، نہ بھاگنے کی کوشش کروں گا ساہر آؤ مجھے گرفتار کرلو، واقعی میں مجرم ہوں"!

ساہر آگے بڑھا، اس نے سعید کو گرفتار کرلیا، اس کی مشکیں کس دیں، اور کہا،

"تم گرفتار کرلئے گئے ــــــ اب تمہارا فیصلہ امیرالمؤمنین کریں گے!"

سعید نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا،

"ہاں میں ان کے فیصلہ پر راضی ہوں ــــ مجھے معلوم ہے جو فیصلہ وہ صادر فرمائیں گے، میرے بارے میں یہی فیصلہ ہوسکتا ہے کہ میں قتل کردیا جاؤں اور میں اس کے لیے تیار ہوں!

اتنے میں اس کی نظر عابدہ پر پڑی، عابدہ کو دیکھ کر وہ حیران ہوگیا، اُس نے کہا

"عابدہ تم ــــــ زندہ ہو تم؟"

وہ بولی،

"آپ نے تو میری جان لینے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی لیکن جسے خدا رکھے اسے کون چکھے!

سعید:- ہاں عابدہ سچ کہتی ہو، واقعی میں نے تمہاری جان لینے کی کوشش کی تھی، میں نے

قدرت سے لڑائی مول لی تھی، میں ہار گیا تو جیت گئی، موت تمہارے پاس آئی اور چلی گئی میں موت سے بہت دُور تھا اور اب اس سے قریب تر ہوتا جا رہا ہوں!

عابدہ:۔ واقعی یہ قدرت کا کرم تھا کہ میں بچ گئی!

سعید:۔ اور الناصر؟

عابدہ:۔ خدا انہیں سلامت رکھے، انہیں کی وجہ سے تو میں بچ گئی ان کا مزاج ناساز تھا نہ انہوں نے گانا سنا، نہ دوا پی، نہ وہ زہر ہلاہل یعنی تمہارا خواب آور سفوف!

سعید:۔ اچھا ہوا، اچھا ہوا وہ بھی بچ گئے!

عابدہ:۔ خدا کا شکر ہے!

سعید:۔ میں چاہتا ہوں، تم سے اپنے گناہ کا اعتراف کر لوں،

عابدہ:۔ کیا فائدہ، وہ تو مجھی کو نہیں ساری دُنیا کو معلوم ہو چکا ہے!

سعید:۔ پھر بھی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں سُن لو۔

عابدہ:۔ کہو، سُن رہی ہوں،

سعید:۔ میں نے تمہیں دھوکا دیا، تمہیں آلۂ کار بنایا، تمہیں تکالیف اور مصائب کے بھنور میں پھنسایا، بظاہر تم سے محبت کرتا رہا، لیکن درحقیقت میں کسی دوسرے ہی کی محبت میں گرفتار تھا،

عابدہ:۔ میں جانتی ہوں مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے، میری آنکھیں کھُل چکی ہیں، اور اب مجھے یہ کہنے میں بھی تامل نہیں کہ میرے دِل سے بھی اب تمہاری محبت ختم ہو چکی ہے، اور اس میں نفرت کے سوا کچھ نہیں ہے!

سعید :- ہاں ـــــ میں اسی کا مستحق ہوں، میں اپنی سزا کو پہنچ رہا ہوں، مر رہا ہوں میرے قتل ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں ہے!

عابدہ :- زندگی کے تمام ہو جانے کے بعد زندہ رہنا بیکار ہے، میں خودکشی کر رہی تھی، لیکن ساہر نے بچا لیا! ـــــ تم سے اگرچہ نفرت کرتی ہوں، لیکن زندگی سے بھی نفرت ہو گئی ہے مجھے، ـــــ میرے اور تمہارے مقدمہ کا فیصلہ امیر المؤمنین نہیں کریں گے، خدا کرے گا، تم چلو میں بھی پیچھے پیچھے آتی ہوں!

سعید :- نہیں عابدہ معاف کر دو مجھے، میں اطمینان کے ساتھ مرنا چاہتا ہوں، کم سے کم اس اطمینان کے ساتھ کہ تم نے میری خطائیں معاف کر دیں!

عابدہ کو پچھلی باتیں یاد آگئیں وہ سارے مناظر آنکھوں کے سامنے بکھر گئے جب وہ سعید کی محبّت میں گرفتار تھی، اس کے ایک اشارہ پر اپنی زندگی قربان کرنے پر تیار رہتی تھی، اس کی اُلفت میں دنیا و ما فیہا کو فراموش کئے ہوئے تھی، دنیا کا ہر کام کرنے کو وہ آمادہ رہتی تھی، ہر بڑے سے بڑے خطرہ کو قبول کرنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ اور تیار رہتی تھی یہ سب باتیں سوچ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اس نے کہا۔

"اگر تمہیں اسی طرح سکون مل سکتا ہے، تو معاف کرتی ہوں"!

سعید نے شکریہ ادا کرنا چاہا، لیکن زبان نے یاری نہ دی آنکھیں پُرنم ہو گئیں!

(۶۵)

سالم کی تلاش

عابدہ جب سعید سے باتیں کر رہی تھی، تو زہرا ساہر کی وفاداری اور نمک حلالی کا شکریہ ادا کر رہی تھی،

زہرا :- ساہر، تمہاری اس نمک حلالی نے تمہارا درجہ میری نظر میں اور اونچا کر دیا ہے!

ساہر :- میں آپ کا غلام ہوں، خادم ہوں، میری جان بھی اگر آپ کے کام آ جائے تو میرے لیے باعثِ فخر و ناز ہے، لیکن آج کا کارنامہ میرا نہیں عابدہ کا ہے، اگر وہ نہ ہوتی تو کسی طرح آپ کا پتہ نہیں چل سکتا تھا، سعید کی قیام گاہ نہیں معلوم ہو سکتی تھی میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ اِدھر اُدھر ٹاپتا پھرتا اور یہ بدکردار شخص نہ جانے آپ کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔

اتنے میں عابدہ آ چکی تھی، زہرا نے اُسے گلے سے لگا لیا اور کہا،

"تم نے میرے لیے بڑی تکلیف اٹھائی میرا شکریہ قبول کرو!

عابدہ :- شکریہ ادا کر کے مجھے شرمندہ نہ کیجئے، یہ میرا فرض تھا، جو میں نے انجام دیا اور فرض کا انجام دینا نہ شکریہ کا موجب ہو سکتا ہے نہ انعام کا!

زہرا :- نہیں تم شکریہ اور انعام دونوں کی مستحق ہو،

عابدہ :- میری سمجھ میں نہیں آتا یہ شخص آپ کو جُل دے کر کس طرح یہاں لے آیا!

زہرا نے اپنی اور اپنے بھائی کی ساری کتھا مختصر طور پر سنانے کے بعد کہا،

"سالم مجھے کبھی نہیں بھول سکتا وہ میرا بھائی ہے، اس کے بغیر اس عیش و عشرت

نازونعم اور دولت و ثروت کی زندگی کے باوجود کبھی راحت نہیں ملی، ہمیشہ کانٹے کی طرح اس کی یاد میرے دل میں کھٹکتی رہی ـــــ "

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ رونے لگی، عابدہ نے بڑے پیار سے اس کے آنسو پونچھے اور پوچھا،

"پھر آپ کا بھائی آپ کو ملا نہیں؟

زہرا نے جواب دیا،

نہیں ـــــ سعید کہتا ہے وہ عبداللہ وغیرہ کے قتل کی خبر سُنکر تیروان بھاگ گیا!"

عابدہ نے کہا،

"جھوٹا ہے، ـــــ اتنی جلدی کوئی بھاگ سکتا ہے، آپ کے بھائی کا نام کیا ہے"؟

زہرا:- اس کم بخت نے تو اس کا نام "صاحب النقمہ" بتایا تھا، ورنہ اس کا اصلی نام سالم ہے!"

یہ نام سُنکر عابدہ چونک پڑی بیساختہ اس کے منہ سے نِکلا۔

"صاحب النقمہ؟ ـــــ وہ آپ کا بھائی ہے"؟

زہرا نے تائید کی،

"ہاں وہ مجھ بدقسمت کا بھائی ہے ـــــ نہ جانے کہاں ہوگا!"

عابدہ نے اسے تسلّی اور دلاسا دیتے ہوئے کہا،

"وہ کہیں نہیں جا سکتا ضرور یہیں ہوگا!

ساہر نے کہا۔

"تم تو سعید کے پوشیدہ مراکز سے واقف ہو، چلو ہمیں لے چلو جہاں کہیں وہ ہو گا تلاش کر لیں گے"!

عابدہ بولی،

"یہ ترکیب ٹھیک نہیں، تم نہیں جانتے وہ بڑا جیالا، دلیر اور من چلا ہے، میں اسے بارہا پرائیویٹ جلسوں میں دیکھ چکی ہوں، اس سعید نے اُسے بھر دیا ہے۔ امیر المومنین کے خلاف کہ وہ تم لوگوں کو دیکھتے ہی مرنے مارنے پر تیار ہو جائے گا۔"

ساہر:۔ تو تم خود چلی جاؤ!!

عابدہ:۔ ہاں میں جا سکتی ہوں، لیکن اگر میں گئی تو وہ مجھے مار ڈالے گا،

زہرا:۔ یہ کیوں؟ تمہیں کیوں مار ڈالے گا؟

عابدہ:۔ اس لیے کہ وہ اپنی قیام گاہ پر جس اجنبی کو دیکھے گا اُسے غدار اور جاسوس سمجھ کر نوکِ خنجر سے ہلاک کر دے گا!

زہرا:۔ پھر کیا کیا جائے اس کا پتہ ضرور لگنا چاہیئے

عابدہ:۔ ایک ترکیب میری سمجھ میں آئی ہے، میں سعید کے پاس جاتی ہوں، اسے راضی کر دوں گی کہ کوئی نشانی اپنی دے دے، نشانی دیکھ کر صاحب النقمہ یا سالم کچھ نہیں کہے گا، چپ چاپ میرے ساتھ چلا آئے گا!

ساہر:۔ یہ بڑی اچھی تجویز ہے ابھی جاؤ تاکہ اس کام سے نپٹ کر خلیفہ کے حضور میں چلیں!

(۶۶)

پتہ چل گیا!

زہرا ساہرا اور سپاہیوں کو وہیں چھوڑ کر عابدہ پھر سعید کے پاس گئی، جو مشکوں سے کسا ہوا ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا، عابدہ کو دیکھ کر اُس نے کہا۔

سعید:۔ کیسے آئیں عابدہ؟

عابدہ:۔ ایک کام سے آئی ہوں!

سعید:۔ مجھ سے کوئی کام ہے؟ میں اب کیا کام آ سکتا ہوں؟

عابدہ:۔ وہ کام تم ہی کر سکتے ہو!

سعید:۔ اگر یہ بات ہے تو کہو میں تمہارا شکر گزار ہوں گا، جو کام بھی مجھ سے بن آئے گا اس سے دریغ نہ کروں گا!

عابدہ:۔ تو بتاؤ صاحب النقمہ کہاں ہے؟

سعید:۔ (دانت پیس کر) تم اس چڑیل کی سفارشی بنکر آئی ہو؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتا، میں نہیں بتاؤنگا!

عابدہ:۔ اس طرح تم بچ جاؤ گے، تمہاری جان بچ جائے گی، میں وعدہ کرتی ہوں، امیر المومنین سے کہہ کر تمہاری جان بخشی کرالوں گی!

سعید:۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتا!

عابدہ:۔ کیسی باتیں کرتے ہو تم؟

سعید:۔ میں ٹھیک کہتا ہوں، میں بادشاہت سے کم پر رضا مند نہیں ہو سکتا، اور وہ مل نہیں سکتی، لہٰذا زندہ رہ کر کیا کروں گا، میں کسی کا ماتحت نہیں رہ سکتا کسی کے رحم و کرم

پر زندگی نہیں بسر کر سکتا، مجھے مرجانا چاہیئے، لہٰذا یہ ترغیب تو کام نہیں دے گی!

عابدہ:- تمہیں زہرا کا خیال کرنا چاہیئے، مجھ سے زیادہ تم نے اس کا دل دکھایا ہے، کیسی کیسی تکلیفیں پہنچی ہیں اسے تمہاری ذات سے، اس کے بھائی کو اس سے ملادو، یہ کارِ ثواب ہے، اگر مرنا ہی چاہتے ہو تو ایک نیک کام کر کے مرو!

سعید:- میں زہرا سے نفرت کرتا ہوں اُس نے میرا دل توڑا ہے اُس نے میری محبت ٹھکرائی ہے، اسی نے مجھے مرنے پر مجبور کیا ہے میں اس کا کوئی کام نہیں کر سکتا!

عابدہ:- تم نے اس سے محبت کی، لیکن وہ تم سے محبت نہ کر سکی، میں نے تم کو چاہا لیکن تم مجھے نہ چاہ سکے —— دُنیا کی یہی ریت ہے، ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے مجھے دیکھو، تم نے معافی مانگی، میں نے معاف کر دیا حالانکہ اب میں تم سے محبت نہیں کرتی! —— میں زہرا کی طرف سے تم سے معافی مانگتی ہوں، معاف کر دو اسے —— بتاؤ صاحب النقمہ کہاں ہے۔

سعید:- ارباض میں!

عابدہ:- کس مکان میں؟

سعید:- جہاں تم میرے ساتھ کئی مرتبہ جا چکی ہو'!

عابدہ:- میں وہاں جاؤں؟

سعید:- اس کا پتہ اسی لیے میں نے بتایا ہے کہ جاؤ اور اسے لا کر اس کی بہن سے ملادو۔!

عابدہ:- لیکن جب تک تمہاری کوئی نشانی نہ ہو، نہ وہ مجھ سے ملے گا، نہ بات کرے گا نہ میرے کہنے کا یقین کرے گا، تم نے اس پر ایسا جادو کر رکھا ہے کہ وہ صرف تمہاری ہی بات مان سکتا ہے!

سعید :- لیکن اب وہ بھی مجھ سے نفرت کرے گا ـــــ شاید تم سے اور زہرا سے زیادہ کہیں زیادہ ،!

عابدہ :- ہوگا ـــــ تمہیں اب کسی کی نفرت اور محبت سے کیا مطلب ؟ ـــــ نفرت کرے تو کیا بگاڑ لے گا ؟ محبت کرے گا تو کیا دے دے گا ؟

سعید :- چھوڑو اس قصّہ کو ، تمہیں نشانی چاہیئے (انگوٹھی دے کر) لو یہ رہی نشانی !

عابدہ :- میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں ، یہ تم نے بڑا اچھا اور نیک کام کیا ہے ،

سعید :- صرف تمہاری خاطر سے ـــــ تمہارا دل مجھ سے بہت دُکھا ہے میں نہیں چاہتا کہ تم کوئی بات کہو اور میں اسے رد کر دوں !

عابدہ :- جانتی ہوں اسی لیے شکریہ ادا کر رہی ہوں !

سعید :- اس انگوٹھی کو جسے دکھا دو گی وہ صاحب النقمہ کے پاس تمہیں پہنچا دیگا !

عابدہ :- ٹھیک ہے اب جاتی ہوں !

سعید :- لیکن دربان سے کیا کہو گی ؟

عابدہ :- انگوٹھی دکھا کر کہوں گی کہ میں "صاحب النقمہ" سے ملنا چاہتی ہوں !

سعید :- کہیں ایسا غضب نہ کرنا اگر "صاحب النقمہ" کا لفظ تمہارے منہ سے نکلا تو زندہ واپس نہ آؤ گی !

عابدہ :- کیوں ؟ پھر کیا کہوں !

سعید :- کہنا میں سالم سے ملنا چاہتی ہوں ! صرف اسی طرح تم اس کے پاس پہنچ سکو گی ! عابدہ اس کا شکریہ ادا کر کے چلی آئی ' !

---

(۶۷)

بہن بھائی!

سعید سے رخصت ہو کر عابدہ زہرا کے پاس آئی اُسے سارا ماجرا سنایا، اور پھر اس سے رخصت ہو کر صاحب النقمہ یا سالم کے پاس ارباض چلی گئی۔ جب اس مکان میں پہنچی جہاں سالم رہتا تھا تو اس نے دروازہ پر دستک دی، فوراً دروازہ کھلا اور ایک شخص نمودار ہوا اس نے عابدہ کی طرف تعجّب کی نظروں سے دیکھا اور کہا،

"مقصد ———— ؟"

یہ کہہ کر وہ خوفناک نظروں سے عابدہ کی طرف گھورنے لگا، عابدہ سہم گئی، اس نے وہ انگوٹھی اس کی طرف بڑھا دی، انگوٹھی لے کر وہ سیدھا اندر چلا گیا اور ذرا دیر میں واپس آکر دریافت کیا،

"کِس سے مِلنا ہے؟"

عابدہ نے جواب دیا۔

"سالم سے!"

اُس نے دروازہ کھول دیا، اور عابدہ کو لے کر صاحب النقمہ یا سالم کے حضور میں پہنچ گیا سالم حسنِ مردانہ کا پیکر بنا بیٹھا تھا، وہ ابھی بالکل نوجوان تھا، لیکن اس کلّے ٹھلتے کا نوجوان تھا، ایسا دقار برستا تھا اس پر ایسا رُعب تھا اس کے چہرے پر کہ اسے دیکھ کر خواہ مخواہ آنکھیں جھک جاتی تھیں، سالم نے عابدہ سے پُوچھا،

"اے نقاب پوش عورت تو کون ہے اور کیوں آئی ہے"؟

اس نے بندِ نقاب درست کرتے ہوئے جواب دیا۔

"میں سعید کی فرستادہ ہوں اور آپ کو لینے آئی ہوں"!

سالم یہ سُنکر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کہا،

"مجھے تنہا بلایا ہے یا رُفقا کے ساتھ؟"

عابدہ نے جواب دیا،

صرف آپ کو،!

سالم اسے لے کر باہر نکلا ایک گھوڑے پر وہ سوار ہوا، دوسرے پر عابدہ اور دونوں روانہ ہوئے، راستہ میں ہوا کے جھونکے سے نقاب اُلٹ گئی، سالم نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔

"عابدہ تم"؟

عابدہ نے کہا،

"ہاں میں ہوں ——— کیا تم مجھے پہچانتے ہو"؟

وہ بولا۔

سالم:۔ میں نے تمہیں اکثر سعید کے ساتھ دیکھا ہے، اور مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اگر صرف ایک مرتبہ بھی تمہیں دیکھتا، تو کبھی نہ بھولتا، — تم بھولنے والی چیز کب ہو؟

یہ سُن کر عابدہ شرما گئی،

عابدہ:۔ اس قدر دانی کا شکریہ ادا کرتی ہوں!

سالم:۔ سمجھ میں نہیں آتا، سعید نے اس طرح اور اس وقت مجھے کیوں بلایا ہے؟ کچھ دال میں کالا تو نہیں؟

عابدہ:۔ یہ میں نہیں جانتی، وہیں چل کر معلوم کر لیجئے گا، !
سالم:۔ لیکن اگر چپ رہوں اور باتیں نہ کروں تو راستہ کیونکر کٹے گا !
عابدہ:۔ میں باتیں کرنے کو تو منع نہیں کرتی ! — کچھ اور باتیں کیجئے !
سالم:۔ وہ مجھے نہیں آتیں ! ——— بتاؤ کس طرح کی باتیں کروں ؟
عابدہ:۔ اچھا آپ چپ رہئے، میں کرتی ہوں باتیں — یہ بتائیے آپ کے کتنے بہن بھائی ہیں ؟
سالم:۔ (اداس ہو کر) عابدہ یہ تذکرہ نہ چھیڑو، ورنہ میں رو دوں گا، اپنے آنسو نہ ضبط کر سکوں گا !
عابدہ:۔ ارے یہ کیوں ؟
سالم:۔ یہ میرے دل کا ناسور ہے،
عابدہ:۔ شاید کوئی جگر خراش واقعہ اس تذکرہ سے وابستہ ہے ؟
سالم:۔ ہاں یہی سمجھ لو، !
عابدہ:۔ لیکن غم کی باتیں کرنے سے غم ہلکا ہو جاتا ہے !
سالم:۔ (آہ سرد بھر کر) نہیں عابدہ یہ وہ غم نہیں جو ہلکا ہو یہ غم میری زندگی کے ساتھ جائے گا۔ یہی میری زندگی کا حاصل بھی ہے نہ اسے بھول سکتا ہوں نہ چھوڑ سکتا ہوں کلیجہ سے لگائے ہوئے ہوں۔
عابدہ:۔ بات کیا ہوئی ؟ کچھ کہئے تو ؟
سالم:۔ کچھ نہیں پچھلی باتیں یاد کرنے سے فائدہ کیا ؟
یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، !
عابدہ:۔ آپ کو کسی کی یاد آ رہی ہے ؟

سالم :- ہاں ـــــــ میری بہن یاد آرہی ہے، مجھے وہ ہر وقت یاد آتی رہتی ہے، میں اسے کبھی نہیں بھول سکا، کبھی نہیں بھول سکوں گا اسے وہ میری زندگی تھی! لیکن آہ نہ جانے کہاں ہے؟ زندہ ہے یا مر گئی؟ ـــــــ ؟

عابدہ :- آپ مایوس کیوں ہوتے ہیں، زندہ ہوگی!

سالم :- زندہ ہوتی تو ضرور ملتی۔ وہ بغیر میرے زندہ نہیں رہ سکتی تھی، وہ تو میں ہی بے غیرت ہوں کہ اس کے بغیر زندہ ہوں،!

عابدہ :- ایسی یاس انگیز باتیں نہ کیجئے،

سالم :- میرے پاس اس کے سوا گفتگو کا کوئی اور موضوع نہیں،

عابدہ :- اچھا میں آپ کو آپ کی بہن سے ملا دوں گی، اب خوش ہو جائیے!

سالم :- (افسردگی کے ساتھ) عابدہ ہم دل جلوں سے مذاق نہ کرو!

عابدہ :- میں مذاق نہیں کرتی وعدہ کرتی ہوں ـــــــ اچھا اس کا نام کیا تھا،

سالم :- اس کا نام؟ ـــــــ اس کا نام صفیا تھا!

عابدہ :- (کچھ سوچتے ہوئے) بہرحال آپ مایوس نہ ہوں، آپ کی بہن ضرور مل جائے گی۔

سالم :- عابدہ تم پاگلوں کی سی باتیں کر رہی ہو، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

عابدہ :- خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں، اس پر بھروسہ کیجئے، اسی سے لو لگائیے اسی سے اُمید رکھیئے!

سالم نے کوئی جواب نہ دیا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں!

(۶۸)

یوسفِ گم گشتہ

اب سالم اور عابدہ چپ چاپ چل رہے تھے، عابدہ کی باتوں نے بہن کی یاد اس کے دل میں تازہ کردی تھی، ایک ایک کرکے تمام باتیں یاد آرہی تھیں، وہ بچپن کا زمانہ وہ معصوم محبّت، وہ بکریوں کو لے کر جنگل جانا، وہاں کھیلنا، درختوں پر چڑھنا، نالوں اور ندیوں میں اُترنا، لکڑیاں چننا، کھیلتے کھیلتے دُور نکل جانا، بہن کا پریشان ہونا، پکارنا، چیخنا، چلّانا، پھر بھائی کی تلاش میں نکل جانا، آخر ڈھونڈھ نکالنا، غصہ کرنا، مارنے کو ہاتھ اٹھانا، پھر بھائی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مسکرا دینا، گلے لگالینا، پیار کرنا اور پھر دونوں کا ہنستے کھیلتے گھر کی طرف روانہ ہونا، جیسے ابھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا، پھر گھر پہنچنا، ساتھ ساتھ کھانا کھانا، پھر الاؤ پر آگ تاپنا، اس کے بعد باپ کی جھڑکیاں سُننا، اور پھر ماں کی تھپکیوں میں کہانی سُنتے سُنتے سو جانا! —— یہ تھی زندگی، یہ تھا زندگی کا نظام، یہ تھا زندگی کا معمول!

لیکن اب وہ زندگی ایک خواب بن چکی تھی!

ایک بھُولا ہوا خواب ——!

اس کی تلاش میں اس کی یاد میں اس کے خیال میں، اس کے تصوّر میں زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف ہوا، مگر وہ نہ ملی“!

اور یہ بے وقوف عابدہ کہتی ہے میں تمہیں بہن سے ملادوں گی!

گویا مُردوں کو زندہ کر سکتی ہے ——— میری بہن تو مر چکی ہے، سعید اس کے مرنے کی تصدیق کر چکا ہے، میں جانتا ہوں، وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا، اس نے مجھے کبھی فریب نہیں دیا، بھلا اس کے مقابلہ میں اس الھڑ لڑکی کی بات میں کیا مان سکتا ہوں!

سالم بھی سوچ رہا تھا، اور عابدہ بھی خاموش تھی!

یہاں تک کہ یہ لوگ ایک باغ کے احاطہ میں پہنچے، اس احاطہ میں بہت سے گھوڑے ہنہنا رہے تھے اور ——— اور ایک درخت کے نیچے سعید بیٹھا تھا! مشکیں کسی ہوئی، گردن جھکی ہوئی،!

یہ دیکھتے ہی سالم گھوڑے سے اُتر پڑا، اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا، اس نے تیز نظروں سے عابدہ کی طرف دیکھا اور کہا،

"معلوم ہوتا ہے تم دشمن سے ملی ہوئی ہو، ورنہ مجھے تنہا نہ لاتیں، لیکن کوئی پروا نہیں، میں اکیلا ان سب سے لڑوں گا، اور جب تک میری تلوار چلتی رہے گی گردنیں کٹ کٹ کر گرتی رہیں گی"!

یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے اُترا، زہرا نے اسے عابدہ کے ساتھ آتا دیکھ کر سمجھ لیا تھا، یہی سالم ہے، وہ اگرچہ بچّہ سے جوان ہو چکا تھا، لیکن اس کے خد و خال وہی تھے، اس کی رعنائی اور زیبائی وہی تھی اس کی معصومیت اور سادگی وہی تھی ———

یہ وہی ہے میرا سالم، میرا بھائی،!

سالم گھوڑے سے اترا ہی تھا کہ زہرا بے تابانہ اس کی طرف لپکی اور اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کلیجہ سے لگا لیا۔

"میرا بھیا، میرا سالم،"!

اور پھر اس کی پیشانی پر بوسے دینے لگی!

سالم بھونچکا ہو کر دیکھنے لگا، اس کی سمجھ میں نہیں آیا، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں، یہ کیا ہو رہا ہے؟ عابدہ نے اس کی یہ کیفیت بھانپ لی اور کہا،

"سالم ——— یہ ہیں امیر المومنین عبدالرحمٰن الناصر کی محبوبہ گلفام ملکہ زہرا!

زہرا نے کہا۔

"نہیں، میں دُنیا کے لیے ملکہ ہوں، الناصر کی حرم ہوں، قصر زہرا کی مالک ہوں لیکن سالم کے لیے صرف صنیا ہوں!

صورت حال سالم کی سمجھ میں آگئی، وہ بھی بہن سے لپٹ گیا، اور میری بہن کہہ کر رونے لگا، زہرا نے اس کے آنسو پونچھے اور کہا،

"میرے بھیا، اب کیوں روتا ہے، میں تجھے مل گئی، تو مجھے مل گیا، میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا پوری ہو گئی"!

سالم کے حواس جب ذرا بجا ہوئے تو اس نے سعید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

"آپ نے سعید کو کیوں گرفتار کیا ہے؟ وہ میرا دوست ہے، میرا مرشد ہے، میرا رہنما ہے، اس حالت میں کسی طرح بھی میں اُسے نہیں دیکھ سکتا!"

زہرا نے کہا، یہ دنیا کا سب سے بڑا دغا باز، شیطان اور درندہ ہے، تم اسے نہیں جانتے، میں جانتی ہوں، یہ میرا دشمن ہے، تمہارا دُشمن ہے، اس نے میری زندگی برباد کی اس نے تمہیں کہیں کا نہ رکھا، مجھ سے چھڑایا، اور امیر المومنین الناصر جیسے فرشتہ صفت فرماں روا کا دشمن بنا دیا"!

پھر اس نے مختصر طور پر اپنی اور سعید کی اور عابدہ کی ساری کتھا سنا ڈالی، اور پوچھا

"کیا اب بھی تم اپنے دِل میں اس کی جگہ پاتے ہو؟"

سالم نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا،

"کاش یہ باتیں مجھے پہلے معلوم ہو گئی ہوتیں تو میں اسے زندہ نہ چھوڑتا، مار ڈالتا!"

زہرا:۔ اچھا ہوا تم نے اس کی ناپاک گردن اپنے ہاتھ سے نہیں اُتاری، لیکن اطمینان رکھو یہ اپنے کیفرِ کردار کو ضرور پہنچے گا! ———— اس کا فیصلہ امیرالمومنین کریں گے!

اتنے میں ساہر سامنے آیا اور اس نے دست بستہ عرض کیا،

"ملکہ عالم پناہ ———— بہت دیر ہو چکی، دن نکل آیا، میں جب چلا ہوں آپ کی تلاش میں تو امیرالمومنین کی حالت آپ کے فراق میں غیر تھی، اب نہ جانے ان کا کیا عالم ہو، میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ گم شدہ بھائی آپ نے پا لیا، لیکن اب چلئے تاکہ امیرالمومنین بھی آپ کی خوشی میں حصّہ لے سکیں"!

زہرا نے عابدہ کا ہاتھ محبت سے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا،

"بہن عابدہ چلو چلیں ———— زندگی بھر تمہارے اس احسان کو نہیں بھول سکوں گی اگر تم نہ ہوتیں، تو میرا یوسف گم گشتہ کسی طرح مجھے نہیں مل سکتا تھا میں زندگی بھر اس کے فراق میں تڑپتی رہتی، میری زندگی ہر قسم کی نعمت اور دولت کے باوجود سوگ اور ماتم کی زندگی رہتی، کاش اس احسانِ عظیم کا کچھ بدلہ میں دے سکتی!

عابدہ نے جواب دیا،

ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ نہ کیجئے!

سالم نے بات کاٹ لی اور عابدہ سے کہا،

آپ کِس کِس کا شکریہ مسترد کریں گی، آپ کو معلوم ہونا چاہیئے، آپ کے ناچیز شکرگزاروں میں یہ خاکسار بھی شامل ہے!

عابدہ مُسکرادی،!

محبّت کا کرشمہ!

تھوڑی دیر میں یہ مختصر سا قافلہ قصرِ زہرا میں پہنچ گیا، الناصر، بے تابی اور بیقراری کے عالم میں ٹہل رہا تھا، ساہر کو دیکھتے ہی وہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھا،

"کیا خبر لائے؟"

ساہر:- امیر المومنین، الحمدللہ کہ وہ خیریت کے ساتھ تشریف لے آئیں!"

الناصر:- لیکن وہ گئی کہاں تھیں؟

ساہر ابھی کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ زہرا آئی، اُس نے آتے ہی الناصر کے ہاتھ پر بوسہ دیا، ساہر زہرا کو آتا دیکھ کر فوراً واپس چلا گیا، امیر المومنین نے اس سے پُوچھا،

الناصر:- زہرا تم کہاں چلی گئی تھیں؟

زہرا:- امیر المومنین، کنیز اپنے بھائی کی تلاش میں گئی تھی!

الناصر:- تمہارا بھائی؟ ——— تم نے تو ہم سے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا!

زہرا:- کنیز اس کی زندگی سے مایوس ہو چکی تھی لیکن معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے پھر میں اپنے اُوپر قابو نہ رکھ سکی!

الناصر:- تو اُسے بلا لیا ہوتا، تم جس کسی کو بھیجتیں وہ جاتا اور اسے لا کر رہتا، اگرچہ وہ دیوارِ چین کے اس پار ہی کیوں نہ ہوتا!

زہرا:- بجا ارشاد ہوا، لیکن میں ڈرتی تھی، کہیں آپ اسے مستحقِ تعزیر و عتاب نہ سمجھیں!

الناصر:- اگر ایسا ہوتا تھا، توتم اسے معاف کر دینے کا حق رکھتی تھیں، کیا تمہاری بات رد کی جاسکتی ہے؟

زہرا:- خواہ وہ کتنا ہی بڑا باغی اور گناہگار کیوں نہ ہوتا!

الناصر:- ہاں —— اگرچہ وہ صاحب النقمہ ہی کیوں نہ ہوتا!

زہرا:- امیر المومنین میرا بھائی وہی ہے!

یہ سن کر امیر المومنین حیرت و استعجاب کے عالم میں زہرا کی طرف دیکھنے لگے، اور پھر زہرا نے اپنی ساری داستان از اوّل تا آخر سنا دی، الناصر زہرا کی داستان سنتا جاتا تھا اور اس پر مختلف اور متضاد کیفیتیں طاری ہو رہی تھیں، جب سعید کا نام آیا تو ان کا چہرہ یک بیک غصہ سے سُرخ ہو گیا، انہوں نے ایک تاثر کے عالم میں فرمایا!

"ہمیں تمہاری ان تکلیفوں کا حال معلوم کر کے بہت دُکھ ہوا، اب ہم سمجھے کہ تم کھوئی کھوئی سی کیوں رہتی تھیں، عیش و کامرانی کی زندگی بھی تمہیں حقیقی اور داصلی مسرت سے کیوں بہرہ ور نہ کر سکی —— شکر ہے تم نے سچی مسرت پالی، ہم نے سالم کو معاف کیا اسے ہمارے حضور میں پیش کرو!

زہرا فوراً باہر گئی اور سالم کو اپنے ساتھ لے آئی، سالم، وقار اور شان اور بے خوفی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس نے الناصر کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، اور ادب سے گردن جھکا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا،

الناصر نے ایک نظر سالم کو دیکھا اور کہا۔

"ہم تمہاری خطائیں معاف کر چکے ہیں، لیکن بتاؤ، آخر تم ہمارے دشمن کیوں تھے؟ ہم نے کون سی ایسی خطا کی تھی، جس پر تم ہماری جان کے گاہک ہو گئے، اسلام کی سربلندی

کے لیے ہم نے اپنی جان کی بازی لگائی، سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا ہم نے پھر سے اُسے مجتمع کیا اسلام کے دشمنوں نے جب کبھی سر اٹھایا، ہم نے انہیں کچل کر رکھ دیا، اسلام کے جاہ و تجمل کو بغداد نے ختم کر دیا تھا، ہم نے اسے پھر سے رونق بخشی وہ عیسائی بادشاہ اور شہنشاہ جو دنیا میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے، ہم سے جُھک کر ملتے ہیں، ہم سے سفارتی تعلقات قائم کرنا باعثِ فخر سمجھتے ہیں، ہمیں تحفے بھیجتے ہیں، ہماری خوشامد میں لگے رہتے ہیں کیا یہی وہ خطا ہے جس نے تمہیں ہمارا دشمن بنا دیا تھا؟"

خلیفہ کی آواز غصّہ کے باعث تھرّا رہی تھی، اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، زہرا سہم گئی، کہیں بھائی پر آفت نہ آ جائے، اُس نے کہا،

"کیا امیرالمومنین میرے بھائی کو معاف نہیں کر چکے ہیں؟"

سالم نے بہ ادب عرض کیا،

یہ سب کچھ سعید کی افترا پردازیوں اور خباثتوں کا نتیجہ تھا اس نے مجھے دھوکا دیا، مجھ سے جُھوٹ بولا۔ مجھے فریب میں مبتلا رکھا، مجھ سے حقائق چھپاتے اور جھوٹ کو سچ بنا کر میرے سامنے پیش کرتا رہا، میں بھی آدمی تھا، آ گیا اس کے دھوکے میں!

امیرالمومنین کی آواز گونجی

"سعید کو ہمارے حضور میں پیش کرو!"

فوراً سعید حاضر کیا گیا، الناصر نے اُسے گھور کر دیکھا اور کہا،

"کیا تو سعید ہے —— ہمارا دوست، مشیر، رازدار، ہمدم، معتمد علیہ نجومی؟"

سعید نے کوئی جواب نہیں دیا، الناصر نے کہا،

ہم نے تجھے عزت دی، تیرا اعزاز کیا، تیری منزلت بڑھائی، تجھے دوسروں پر ترجیح دی، تیرے کہنے سے اپنے چہیتے بیٹے، اپنے وفادار غلام اور معتمد فقیہ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا، اور تو نے یہ کیا کہ زہرا پر بُری نظر ڈالی، اسے اغوا کیا، اور اس کی اور ہماری زندگی برباد کر ڈالنے کا پروگرام بنایا —— کیا انسانیت اور شرافت کا تقاضہ یہی تھا!؟

"سعید بے پروائی اور بے خوفی کے ساتھ الناصر کی باتیں سُن رہا تھا اُس نے کہا،

"میں اس عقل کا مالک ہوں جو ہر مشکل کو حل کر سکتی ہے، میرے پاس وہ ذہانت ہے جو شاہوں اور شہریاروں کا تختِ حکومت چھین سکتی ہے، میرے قبضہ میں وہ فکر مآل اندیش اور تدبّر ہے جو کبھی ہیٹ نہیں پڑتا، میں ایسی رائے صائب رکھتا ہوں، جو طوفانوں کو روک سکتی ہے، پہاڑوں میں جنبش پیدا کر سکتی ہے، میں آج تک کبھی ناکام نہیں ہوا، میری کوئی تدبیر رائگاں نہیں ہوئی، میں نے کبھی ہار نہیں مانی، لیکن آج اعتراف کرتا ہوں کہ میں ہر چیز پر غالب آیا، لیکن محبّت مجھ پر غالب آگئی، اگر اس پر بھی غالب آسکتا تو یہ تختِ خلافت میرے قبضہ میں ہوتا، اور آپ گوشۂ قبر میں غفلت کی نیند سو رہے ہوتے —————— میں نے زہرا سے محبّت کی، لیکن اس کی محبّت نہ حاصل کر سکا، آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ نے اس کی محبت حاصل کر لی، واقعی وہ آپ سے سچّی اور کھری محبت کرتی ہے! —— میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں محبّت کے سوا کسی سے مغلوب نہ ہوا اور مجھ جیسا آدمی مغلوب ہونے کے بعد زندہ نہیں رہتا، لہٰذا میں بڑی خوشی اور بڑے اطمینان سے خودکشی کرتا ہوں!

یہ کہہ کر سعید نے جیب سے ایک پُڑیا نکالی اور اسے پھانک گیا،

فوراً ہی سعید کے پیٹ میں اینٹھ اور مروڑ پیدا ہوئی، وہ آہ کر کے گرا اور ماہئی بے آب کی طرح تڑپنے لگا، فوراً شاہی طبیب طلب کیا گیا، اس نے نبض دیکھی، دل کا معائنہ کیا، آنکھوں کے پپوٹے اٹھائے اور جھانک کر زندگی کی رمق معلوم کرنی چاہی، لیکن وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا!

اگرچہ سعید سے کسی کو ہمدردی نہیں تھی، لیکن اس حادثہ نے سب پر سکتہ کی سی کیفیت طاری کر دی!

(۷۰)

انجام!

سعید کی موت کا کسی کو غم نہ ہوا، کوئی آنکھ نہ تھی جو اس پر آنسو بہاتی، اس کے سیاہ کارناموں نے ہر دل کو اس سے متنفر کر دیا تھا، جب کبھی اس کا ذکر ہوتا لوگ حقارت اور ذلّت کے ساتھ اسے یاد کرتے،

چند روز بعد امیر المومنین عبدالرحمٰن الناصر نے ایک دربار خاص منعقد کیا، اس میں زہرا، عابدہ، سالم، ساہر اور دوسرے مقربین بارگاہ بھی موجود تھے، خلیفہ نے ساہر کو محل کے تمام خواجہ سراؤں، غلاموں، خادموں اور لونڈیوں کا سردار بنا دیا، زہرا سے کہا۔

"تم نے جس وفاداری اور سچّی محبّت کا ثبوت دیا ہے اس نے ہماری نظر میں تمہاری وقعت بہت زیادہ بڑھا دی ہے، پہلے بھی ہم تم سے محبت کرتے تھے، لیکن اب ہماری محبّت کا رنگ ہی کچھ اور ہے، جب یہ معلوم ہو جائے کہ محبوب بھی محبّت کرنے والے پر دل و جاں سے فدا ہے تو اس کی محبّت عشق اور جنون کی حد سے آگے بڑھ جاتی ہے، یہی کیفیت ہم اس وقت اپنے اندر محسوس کر رہے ہیں، ہم تمہیں انعام دینا چاہتے ہیں، لیکن سمجھ میں نہیں آتا، کیا دیں، بڑی سے بڑی اور قیمتی سے قیمتی چیز ذہن میں آتی ہے، لیکن جب تمہارے کارناموں سے اس کا موازنہ کرتے ہیں تو وہ حقیر اور بے مایہ نظر آنے لگتی ہے، بتاؤ زہرا ہم تمہیں کیا دیں؟

وہ شرماتی اور لجاتی ہوئی بولی امیر المومنین کنیز کے لیے یہ اعزاز کافی ہے کہ آپ اس کے بارے میں اتنی بلند اور ایسی اچھی رائے رکھتے ہیں!

امیر المومنین نے فرمایا،

"اچھا اپنے لیے نہیں تو عابدہ کے لیے کوئی انعام تجویز کرو، اس کی صداقت اور وفاداری نے بھی ہمارے دل پر ایک نہ مٹنے والا نقش قائم کر دیا ہے!

زہرا نے عرض کیا،

"بے شک۔ اور یہی کیفیت کنیز کی بھی ہے، لیکن اب عابدہ کا ذکر آیا ہے تو میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتی ہوں کہ سب سے پہلے مجھے منہ مانگا انعام ملنا چاہیئے!

الناصر:۔ (مسرت کے ساتھ) شوق سے، مانگو کیا مانگتی ہو؟

زہرا:۔ لیکن وعدہ کر لیجیے، جو مانگوں گی وہ پاؤں گی؟

الناصر:۔ ہاں ہم وعدہ کرتے ہیں اور تم جانتی ہو ہمارا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا،

زہرا:۔ امیر المومنین میں عابدہ کو مانگتی ہوں۔ اس سے اچھا انعام میں کوئی اور طلب نہیں کر سکتی!

الناصر:۔ (حیرت سے) عابدہ کو انعام میں مانگتی ہو؟ لیکن وہ تمہارے سوا ہے کس کی؟

زہرا:۔ وہ اس وقت تک میری نہیں ہو سکتی، جب تک آپ اسے باقاعدہ مجھے نہ بخش دیں!

الناصر:۔ اگر تمہیں اس پر اصرار ہے تو ہم تم کو اُسے بخشتے ہیں لیکن تم اسے لے کر کرو گی کیا؟

زہرا:۔ اسے اپنی بہو بناؤں گی، اپنے بھائی سالم کے ساتھ اس کی شادی کروں گی!

الناصر:۔ (خوش ہو کر) تمہاری یہ تجویز ہمیں دل سے پسند آئی (سالم سے) کیوں سالم تمہیں

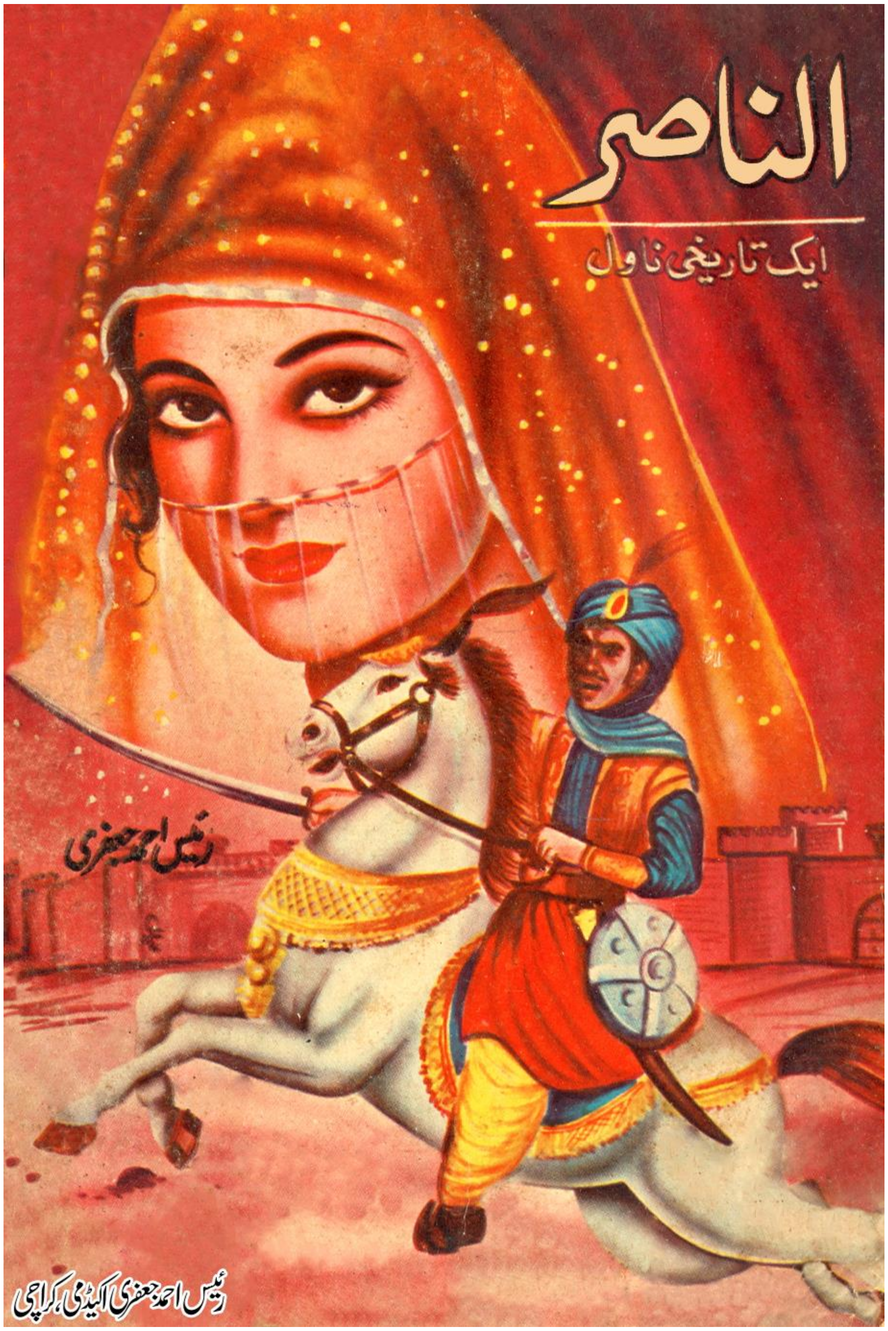
الناصر
ایک تاریخی ناول
رئیس احمد جعفری
رئیس احمد جعفری اکیڈمی، کراچی